سلسلہ اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن نمبر ۵۳

ومن یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

الحمد للہ کتاب مستطاب ذخیرہ دلائل حقیقت فقہ وحقانیت فقہاء مستند

باقوال کبار علماء شکر اللہ سعیہم وافاض علی العالمین برکاتہم

مسمی بہ

# حقیقۃ الفقہ

## حصہ اول

مؤلفہ حقایق آگاہ فقاہت دستگاہ حضرت مولانا مولوی حاجی حافظ محمد انوار اللہ صاحب معین المہام امور مذہبی سرکار عالی باہتمام جناب مولوی حافظ ولی الدین صاحب مہتمم مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن

مطبع عثمان پریس حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی

قیمت ۵۵ عہ — سنہ ۱۳۳۳ ھ

# کشف رموز

## حقیقۃ الفقہ

## حصہ اوّل

ص الانتصار للعلامہ سبط ابن الجوزی رح الحنبلی ثم الحنفی۔
ت تبییض الصحیفہ للامام السیوطی الشافعی۔
خ۔ الخیرات الحسان للمحقق ابن الحجر المکی الشافعی۔
م۔ مناقب الامام رح للامام الموفق رح۔
ک مناقب لامام الکردری رح۔

# فہرست مضامین حقیقۃ الفقہ حصہ اول



بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

**امّا بعد** خیرخواہ اسلام مفتقر الی اللہ محمد انوار اللہ الحنفی۔ ابن مولائی۔ مرشدی۔ مولوی حافظ محمد شجاع الدین صاحب قندہاری۔ کہنی حنفی نقشبندی۔ قادری چشتی۔ غفر اللہ لہ وجعل الجنۃ مثواہ ونور مرقدہ۔ اہل اسلام کی خدمتمیں گزارش کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو ابدی بنایا یعنی اس عالم کے فنا ہونیکے بعد بھی باقی رہے گا اور کبھی فنا نہ ہوگا۔ پھر نشأۃ انسانی کا ظہور اس عالم میں اس طور پر ہوا کہ اسکو جسم دیا گیا جو دو حصوں پر منقسم ہے ظاہری اور باطنی اور ہر حصہ میں متعدد اعضا متعدد کاموں کیلئے بنا کر باطنی پورا حصہ حق تعالیٰ نے خاص اپنے تصرف میں رکھا یعنی آدمی اپنے اختیار سے کوئی کام اُس حصہ کے اعضا سے نہیں لے سکتا۔ اور ظاہری حصہ کے اعضا جو اُس کام کرنے کے لئے آلات بنائے گئے ہیں کسی قدر اُس کے تصرف میں دیئے گئے ہیں جن سے جو جی چاہتا ہے کام لے سکتا ہے پھر انسان کو پیدا کرنے سے جو مقصود ہے اس آیۂ شریفہ میں بیان فرمایا۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ یعنی ہم نے جن و انس کو فقط

اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔ اِس آیت پر ایمان لانے کے بعد مسلمانوں کو ضرور تھا کہ تمام کاروبار چھوڑ کر صرف عبادت الٰہی میں مشغول ہو جائیں اور عمر بھر کوئی دوسرا کام نہ کریں مگر حق تعالیٰ نے اُس کے ساتھ ہی کسب معیشت اور نکاح وغیرہ جتنے کام بقائے شخصی اور بقائے نوعی سے متعلق ہیں اُنہیں قطعی حکم دیا کہ وہ سب کام کئے جائیں اور صرف حکم ہی نہیں بلکہ اُس کیساتھ ترغیبیں دی گئیں کہ اگر یہ کام عمدگی سے ادا کئے جائیں تو اُس کے صلہ میں اعلیٰ درجہ کی نعمتیں آخرت میں ابدالآباد کے لئے دی جائینگی اور ان کاموں کے طریقے بتلادیے گئے کہ اِس طرح کئے جائیں اور جتلا دیا گیا کہ اگر اُن طریقوں سے انحراف ہوا اور خدا اور رسول کے حکم کے مطابق وہ کام نہ کئے جائیں تو اُس کی بازپرس بلکہ سزائے ابدی ہوگی اس سے ظاہر ہے کہ انسان کا اپنی ذاتی ضرورتوں میں مشغول ہونا بھی عبادت الٰہی ہے بشرطیکہ شریعت کے مطابق ہو اب ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جو کام کرے اُنہی طریقوں پر کرے جو خدا و رسول نے بتلادئے ہیں جس سے کھانا پینا سونا جاگنا چلنا پھرنا بیع شرا عیش و عشرت وغیرہ سب کام عبادت ہی عبادت ہو جائیں جیسا کہ ارشاد ہے قولہ تعالیٰ تلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون یعنی مسلمانوں سے قیامت کے روز کہا جائیگا کہ یہ جنت جس کے تم وارث کئے گئے اُن کاموں کا بدلہ ہے جو دنیا میں تم کرتے تھے۔ کام تو سبھی کرتے تھے مگر مسلمانوں کے کام اُس طریقہ پر تھے جس کی تعلیم خدائے تعالیٰ نے کی تھی اور وہ سب کام بطور عبادت کیا کرتے تھے جس کے معاوضہ میں جنت دی گئی۔

ہر ایک کام کے طریقے مسلمانوں کو جو بتلائے گئے۔ قرآن و حدیث میں سب مذکور ہیں مگر چونکہ مختلف اسباب سے قرآن و حدیث کو سمجھ کر نکالنے میں دشواریاں واقع ہوگئی ہیں جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا۔ اِس وجہ سے ہر شخص میں صلاحیت نہیں کہ خود قرآن و حدیث

سے وہ نکال سکے اِسلئے علما شکر اللہ سعیہم نے یہ کام اپنے ذمہ لیا کہ مختلف آیات واحادیث واقوال صحابہ وغیرہم سے تحقیق کر کے ہر ایک مسئلہ مختصر الفاظ میں بیان کر دیا کہ اس میں یہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایک مدت کی کوشش میں انہوں نے ہر ایک جزئی مسئلہ کا حکم قرآن وحدیث سے نکالکر ایک علم ہی مستقل مدون کر دیا جس کا نام فقہ ہے یہ ہے حقیقت فقہ۔

تفصیل اس اجمال کی کئی امور سے متعلق ہے جنکا مختصر حال یہاں لکھا جاتا ہے اگر غور سے ملاحظہ فرمایا جاوے تو بشرط انصاف معلوم ہو جائیگا کہ فقہا نے جو کام کیا کس قدر ضروری تھا اور اُن کی جانفشانیاں کس درجہ قابل قدر ہیں۔

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ قرآن شریف فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ درجہ میں واقع ہے جس کو مخالفین نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ کیونکہ جب دعویٰ سے کہا گیا۔ فأتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ تو کسی سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ ایک دو سطر لکھکر پیش کریں جو فصاحت وبلاغت میں قرآن کا جواب ہو سکے اس سے بلاغت قرآن کا معجز ہونا بداہتہً ثابت ہے اور کلام بلیغ کا خاصہ ہے کہ باوجود عام فہم ہونے کے اکثر مضامین اُسمیں ایسے بھی ہوں کہ خاص خاص لوگ ہی اُسپر مطلع ہو سکیں۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے۔ الکنایۃ ابلغ من التصریح۔ کنایہ کے ابلغ ہونے کی کوئی وجہ سوائے اِسکے نہیں کہ اُس کا پورا پورا مضمون سمجھنا خاص لوگوں کا ہی حصہ ہے یہی وجہ ہے کہ نکتہ رس اور سخن شناس علماء نے غور وفکر کر کے ایک ایک آیت کے کئی کئی معنی بیان کئے جنکا سمجھ لینا بھی ہر کسی کا کام نہیں پھر جس طرح عبارت قرآن سے مسائل سمجھے جاتے ہیں دلالت اور اشارت اور اقتضاء سے بھی سمجھے جاتے ہیں۔ اور اِسکے نظم اور معانی سے اتنے مباحث متعلق ہیں کہ اُن کے بیان میں خاص ایک فن اصول فقہ مدون ہو گیا ہے۔ غرض ہر کسی کا کام نہ تھا کہ ان مباحث

پر مطلع ہو کر قرآن سے مسائل نکال سکتا۔

پھر قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ آیتیں بھی ہیں اور ہر ایک آیتہ کی تاریخ نزول نہیں لکھی گئی جس سے ناسخ آیتیں جو واجب العمل ہیں معلوم ہو جائیں اور جو اقوال وارد ہیں متواتر نہ ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت نہیں بہر حال ناسخ آیتونکا معین کرنا قرائن حالیہ و مقالیہ سے متعلق ہے جس کیلئے اعلیٰ درجہ کی فہم درکار ہے۔

پھر اسی قسم کی دقتیں احادیث کے سمجھنے میں بھی پیش آئیں اور علاوہ اسکے احادیث میں اختلاف بھی بہت کچھ واقع ہو گیا ہے اسوجہ سے کہ صحابہ وقتاً فوقتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے رخصت ہو کر اپنے قبائل کو اور جہاد وغیرہ کیلئے جایا کرتے تھے اور جو حضرات مدینہ منورہ میں رہتے تھے وہ بھی ہر وقت حاضر خدمت نہیں رہ سکتے تھے۔ غرضکہ غیر حاضری کے زمانہ میں سب ارشادات انکو نہیں معلوم ہوئے اور جو کچھ دیکھا اور سنا تھا اسکا بیان کر دینا بھی انکو ضرور تھا اسوجہ سے ہر قسم کے احادیث مخلوط ہو گئیں اور ہر مسئلہ میں ما بعد کے اقوال و افعال ممتاز نہ ہو سکے جو ناسخ سمجھے جاتے۔ کیونکہ جسطرح قرآن میں ناسخ و منسوخ ہیں احادیث میں بھی ہیں جنکا قرائن سے معین کرنا ہر کسی کا کام نہیں۔ پھر قرآن و حدیث میں جسطرح الفاظ معانی موضوع لہ میں مستعمل ہیں غیر معانی موضوع لہ میں بھی مستعمل ہیں اور یہ معلوم کرنا بھی ہر کسی کا کام نہیں کہ کونسا لفظ حقیقی معنی میں مستعمل ہے اور کونسا مجازی معنی میں پھر مقصود شارع یہ ہے کہ ہر کلام کے سمجھنے میں قرائن سے مدد لیجائے گو الفاظ مساعدت نہ کریں چنانچہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے عن سالم

عن ابیہ قال بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم خالد ابن الولید الی بنی خذیمۃ فدعاہم الی الاسلام فلم یحسنوا ان یقولوا اسلمنا فجعلوا یقولون صبأنا صبأنا فجعل خالد یقتل منہم و یاسر و دفع الی کل رجل منا اسیرہ حتی اذا کان یوم امر خالد ان یقتل کل رجل منا اسیرہ فقلت واللہ لا اقتل اسیری و لا یقتل رجل من اصحابی اسیرہ حتی قدمنا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرناہ لہ فرفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدہ

فقال اللھم انی ابرا الیک مما صنع خالد مرتین رواه البخاری **ترجمہ** عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما
کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد ابن ولید رضؓ کو قبیلہ بنی خذیمہ کی طرف بھیجا اُنہوں نے
انکو اسلام کی دعوت دی مگر اُن لوگوں نے صاف طور پر یہ نہ کہا کہ ہم اسلام لائے بلکہ صبانا صبانا
کہنے لگے یعنی ہم اپنے دین سے پھر گئے خالد رضؓ نے اُس کا خیال نہ کر کے اُن کو قتل کرنا
اور قید کرنا شروع کیا چنانچہ ایک ایک قیدی ایک ایک شخص کے حوالہ کیا پھر ایک روز حکم دیا کہ ہر
شخص اپنے قیدی کو قتل کر ڈالے میں نے کہا خدا کی قسم میں اور میرے ساتھ والے ہرگز قتل
نہ کرینگے - جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ واقعہ بیان کیا تو
حضرت ہاتھ اُٹھا کر کہنے لگے کہ الٰہی خالد نے جو کیا ہے میں اُس سے بَری ہوں ۔ یہ الفاظ
دو مرتبہ فرمائے انتہیٰ ۔ اِس سے ظاہر ہے کہ معنی سمجھنے میں قرائن سے مدد لینے کی
سخت ضرورت ہے اور ظاہر الفاظ سے جو مضمون سمجھا جاتا ہے ہمیشہ وہی مقصود نہیں ہوا کرتا
اِسلئے قرآن وحدیث کا پورا پورا مطلب سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں -

پھر چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اوتیت جوامع الکلم اس سے ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث
کی عبارتوں میں کئی پہلو ہوا کرتے ہیں جن سے مسائل کا استنباط مختلف طور پر ہو سکتا ہے اُن کا
معلوم کرنا بھی ہر کسی کا کام نہیں -

پھر اکثر احکام میں علتیں ملحوظ ہوا کرتی ہیں جن سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ جہاں وہ علت پائی جائے
قیاس سے وہ حکم ثابت کیا جائے اور علت کا معین کرنا نہایت مشکل کام ہے -

غرض اس قسم کے مختلف اسباب سے ایسے علما کی ضرورت ہوئی کہ علاوہ آیات واحادیث
یاد رکھنے کی ایسی بھی طبیعت رکھتے ہیں کہ شارع کے مقصود کو قرائن اور جودت طبیعت سے
معلوم کر سکیں انہیں کو فقیہہ اور مجتہد کہتے ہیں اور اس قسم کے علما بہت کم ہوتے ہیں -

محدثین و فقہا کے فرائض منصبی

چنانچہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے۔ عن معاویۃ رض قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین وانما انا قاسم واللہ یعطی رواہ البخاری فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خدائے تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتا ہے اُس کو دین میں سمجھ دیتا ہے۔ میں صرف قاسم ہوں اور دینے والا اللہ ہے۔ قسطلانی رح نے لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ جس کو جیسی فہم دینا چاہتا ہے دیتا ہے یعنی صحابہ احادیث سنتے تھے اور اُنسے صرف ظاہری معنی سمجھ لیتے تھے اور بعضے بہتیرے مسائل اُن سے استنباط کرتے تھے۔ اسی طرح مابعد کے قرون کے علما کا حال رہا ہے انتہیٰ۔ قسطلانی رح نے یہ مضمون اس حدیث شریف سے لیا ہے۔ عن انس وابن مسعود وزید ابن ثابت رضی اللہ عنہم قالوا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نضر اللہ عبداً سمع مقالتی فوعاہا وحفظہا ثم اداہا الی من لا یسمعہا فرب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ہو افقہ منہ رواہ احمد وترمذی وابو داؤد وابن ماجہ وغیرہم کذا فی کنز العمال یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خدا تعالیٰ تروتازہ رکھے اُس بندہ کو جس نے میرے اقوال سُنے اور یاد رکھکر اُن لوگوں کو پہونچایا جنہوں نے سنا نہیں کیونکہ بہت روایت کرنے والے سمجھدار نہیں ہوتے اور بعض سمجھدار تو ہوتے ہیں مگر جنکو وہ پہونچاتے ہیں اُن میں ایسے بھی لوگ ہونگے جو اُن سے افقہ ہوں۔ اور دارمی کی روایت میں ہے کہ فرب حامل فقہ ولا فقہ لہ جس کا مطلب یہ ہے کہ اکثر روایت کرنے والوں کو یعنی محدثین کو سمجھنے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر ہے کہ محدثین کا اتنا ہی کام ہے کہ روایتیں فقہا کو پہونچاویں تاکہ وہ خوض وفکر کرکے مفید مفید مضامین نکالیں جن سے راویوں کی سمجھ قاصر ہو کیونکہ جمیع مالہ وما علیہ کی رعایت کرنی ہر راوی کا کام نہیں جیسا کہ اِس روایت سے ظاہر ہے جو کنز العمال میں ہے۔ عن الحسن مرسلا قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ہمتہ العلما الرعایتہ وہمتہ السفہا الروایۃ رواہ ابن عساکر اور مختصر کتاب النصیحہ لاہل الحدیث۔ تصنیف حافظ ابوبکر خطیب بغدادی رح میں لکھا ہے وروی باسنادہٖ الی علی ابن موسی الرضیٰ عن جدہ عن آبائہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کونوا دراۃ ولا تکونوا رواۃ یعنی آئمہ اہل بیت کی اسناد سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم سمجھ حاصل کرو روایت کرنے والوں میں مت ہو۔ غرضکہ متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف روایت حدیث نہیں بلکہ احادیث میں غور کرنا اور فقیہوں کو پہونچانا ہے۔ جن کا کام یہ ہے کہ جیسی جیسی ضرورتیں پیش آئیں وہ ہر امر کی رعایت کرکے اُن احادیث سے استنباط مسائل کیا کریں۔

ہر راوی حدیث کو فقیہ اس وجہ سے نہیں کہہ سکتے کہ نہ لغت کی رو سے اطلاق اس لفظ کا اونپر ہو سکتا ہے نہ اصطلاح اور عرف شرعی سے اسلئے کہ فقہ کے لغوی معنی شق وفتح کے ہیں جیسا کہ علامہ زمخشری رح نے فائق میں لکھا ہے۔ الفقہ حقیقۃ الشق والفتح والفقیہ العالم الذی لشق الاحکام ویفتش عن حقائقہا ویفتح ما استغلق منہا یعنی فقہ کے اصلی معنی شق وفتح کے ہیں اور فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام میں موشگافیاں کرکے اُنکے حقائق کو معلوم کرے اور مشکل اور مغلق امور کو کھولدے انتہیٰ۔ چونکہ راوی کو نہ شق احکام سے تعلق ہے نہ فتح مغلقات سے غرض اسلئے وہ فقیہہ نہیں ہوسکتا اور جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کا اطلاق فرمایا ہے وہاں یہ بھی تصریح فرمادی کہ بہتیرے راوی فقیہہ نہیں ہوتے جس سے صاف معلوم ہوگا کہ ہر محدث کو فقیہہ نہیں کہہ سکتے پھر اسکے بعد خاص طور پر فقہا کی تعریفیں کیں چنانچہ جامع الصغیر میں ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لکل شی دعامۃ ہذالدین الفقہ وفقیہ

واحد اشد علی الشیطان من الف عابد یعنی ہر چیز کے لئے ایک ستون ہے جبپر اوس کا
مدار ہوتا ہے اور اس دین کا ستون فقہ ہے اور ہزار عابد شیطان پر ایسے سخت نہیں جیسے
ایک فقیہ اُسپر سخت اور سر کوب ہے اِسکے سوا اوبہت سی حدیثیں فقیہ کی تعریف اور فضائل
میں وارد ہیں جن سے ظاہر ہے کہ محدثین میں فقہا ممتاز اور مدارج عالیہ سے سرفراز
ہیں۔ کنز العمال کی کتاب الطہارۃ میں یہ روایت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ مجاہد رح
کہتے ہیں کہ ایک روز میں اور عطا اور طاؤس اور عکرمہ رحمہم اللہ بیٹھے ہوے تھے
اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر پوچھا کہ جب
میں پیشاب کرتا ہوں تو مادہ دافق یعنی منی نکلتی ہے کیا اُس سے غسل واجب ہوتا ہے
ہمنے کہا کہ کیا وہی مادہ دافق نکلتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے کہا ہاں ہمنے کہا
جب تو غسل واجب ہے وہ شخص انا للہ پڑہتا ہوا چلا گیا۔ ابن عباس رضؓ نے جلد نماز
سے فارغ ہو کر عکرمہ سے کہا اُس شخص کو بلا لاؤ چنانچہ جب وہ آیا تو پہلے ہم سے پوچھا
کیا تم نے قرآن سے فتوی دیا ہم نے کہا نہیں۔ فرمایا حدیث سے ہم نے کہا نہیں
فرمایا صحابہ کے اقوال سے ہم نے کہا نہیں پھر فرمایا آخر کس کے قول پر فتوی دیا ہمنے
کہا اپنی رائے سے۔ یہ سنکر فرمایا لذلک یقول رسول اللہ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیہ واحد
اشد علی الشیطان من الف عابد یعنی اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے
ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے اشد ہے پھر اُس سائل سے پوچھا کہ پیشاب کے بعد
جو چیز نکلتی ہے اُسکے نکلتے وقت تمہارے دل میں شہوت یعنی عورت کی خواہش ہوتی
ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا اعضا میں استرخا یعنی ڈھیلا پن پیدا ہوتا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا اس
صورت میں صرف وضو تمہارے لئے کافی ہے۔ انتہی۔ ابن عباس نے جب دیکھا کہ مادہ دافق

کے لفظ پر اُن محدثین کو دھوکا ہوا اور صرف ظاہری معنی پر اُنہوں نے فتویٰ دیدیا اور
علّت غسل پر غور نہیں کیا تو سمجھ گئے کہ اُن میں کوئی فقیہ نہیں اگر فقیہ ہوتے تو علّت
غسل کی تشخیص ضرور کرتے پھر جب دیکھا کہ علّت غسل یعنی خروج منی کے لوازم
نہیں پائے جاتے اِس لئے فتویٰ دیا کہ وہ منی ہی نہیں۔ اِس وجہ سے غسل بھی
واجب نہیں۔ اِس سے ظاہر ہے کہ فقیہ کی جو تعریف و توصیف احادیث
میں وارد ہے اُس کو اعلیٰ درجہ کی سمجھ اور موشگافیاں درکار ہیں اور مجاہد اور عطا
اور طاؤس اور عکرمہ رحمہم اللہ جیسے اکابر محدثین کو جو تقریباً کل محدثین کے اساتذہ
اور سلسلہ اساتذہ میں ہیں) فقیہ نہیں سمجھا۔ اس وجہ سے کہ اُنہوں نے علّت کی تشخیص
نہیں کی اور کمال افسوس سے فرمایا کہ اسی وجہ سے (کہ فقیہ اور سمجھدار لوگ بہت کم
ہوتے ہیں اور کم فہم فتویٰ کے لئے ظاہری نصوص کو کافی سمجھتے ہیں) حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیہ کی تعریف کی کہ شیطان کے مقابلہ میں وہ ہزار عابد سے
بہتر ہے اس لئے کہ شیطان کا مقصود اصلی یہی ہے کہ خلاف شرع لوگوں سے
کام کرائے اور بیچارہ عابد کو عبادت میں اتنی فرصت کہاں کہ معانی نصوص
اور مواقع اجتہاد میں غور و فکر کرکے آپ ایسا حکم دے کہ خدا اور رسول کی مرضی
کے مطابق ہو جیسے محدثین کو ضبط اسانید اور تحقیق رجال وغیرہ فنون حدیث کے
اشتغال میں اس کی نوبت ہی نہیں آتی۔ یہ تو خاص فقیہ کا کام ہے کہ ہر مسئلہ میں تمام
آیات و احادیث متعلقہ کو پیش نظر رکھ کر اپنی طبیعت وقاد سے کام لیتا ہے اور انہیں
موشگافیاں کرکے کوشش کرتا ہے کہ شارع کی مرضی معلوم کرے۔ کسی نے کیا
خوب کہا ہے۔ ہر مردے و ہر کارے۔ جامع ترمذی میں یہ روایت ہے

عن ابی ہریرۃ رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصلتان لایجتمعان فی منافق حسن سمت ولافقہ فی الدین یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو خصلتیں منافق میں نہیں جمع ہوتیں اہل خیر کا طریقہ اختیار کرنا اور فقہ فی الدین یعنی دین کے معاملات و مسائل میں سمجھ

اور جامع الصغیر میں یہ روایت ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل العبادۃ الفقہ

عن ابن عمر رضؓ یعنی تمام عبادتوں میں افضل فقہ ہے اس سے محدثین اور فقہا کا فرق اور ہر ایک وظیفے بھی معلوم ہو گئے کہ محدثین کا کام صرف احادیث کی حفاظت ہے صحیح حدیثیں تلف نہ ہوں اور کسی دوسرے کا کلام حدیث نہ بنجاے اور فقہا کا کام ان احادیث محفوظہ میں خوض و فکر کرنا ہے۔ ملاحظہ فن رجال سے واضح ہو کہ محدثین نے اپنی خدمت اور فرائض منصبی جس خوبی اور عمدگی سے ادا کئے۔ اُس کی نظیر کسی اُمت میں ملسکتی ہے نہ اسلامی کسی دوسرے فرقہ میں۔ اُنکے حافظے تقوی دیانت۔ تورع صدق جفاکشی وغیرہ ضروریات اس درجہ کو پہونچے ہوے تھے کہ اُنپر اطلاع ہونے کے بعد ہر منصف مزاج بے اختیار یہی کہے گا کہ جن احادیث کو محدثین اہل سُنت وجماعت نے صحیح کہا ہے بے شک وہ صحیح ہیں۔ اصل سبب اِس کا یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو اس دین کی حفاظت ایسے طور پر منظور تھی کہ اصلی دین شیطانی تصرف سے محفوظ رہے اور جس طرح دوسرے ادیان میں آسمانی کتابوں اور اقوال واحوال انبیا میں تحریفیں ہو گئیں اس میں نہ ہونے پائیں۔ اِسلئے ہر زمانہ میں لاکھوں مسلمانوں کو توفیق دی کہ قرآن شریف پورا یاد کرلیا کریں چنانچہ اس تدبیر سے اپنا کلام پاک ہم تک ایسا پہونچایا کہ اُس میں ایک لفظ کی غلطی اور تحریف کا سہو تو کیا مخالف کو بھی خیال نہیں آسکتا۔ اِسی طرح اپنے نبی صلی اللہ

محدثین نے اپنے فرائض منصبی عمدگی سے انجام دیئے

علیہ وسلم کے کلام کی حفاظت کے لئے ان حضرات کو پیدا کیا جن کے تاریخی حالات دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ان حضرات کو فقط حفاظت احادیث نبویہ کے واسطے پیدا کیا تھا اور جتنے ضروری امور اس سے متعلق تھے سب اُنکے حق میں ایسے کر دئے جیسے فطرتی اور طبیعی امور ہوا کرتے ہیں چنانچہ ان حضرات کی سعی سے احادیث نبویہ مخالفین اسلام کے تصرفات سے محفوظ رہ کر اصلی اور صحت کی حالت پر ہم تک پہونچیں۔ ہرچند تیرا سو سال کے عرصہ میں ہر ملک اور قوم میں بڑے بڑے انقلاب واقع ہوے ملاحدہ اور زنادقہ نے بہت کچھ کوشش کیں کہ دین محفوظ نہ رہے اور عموماً مسلمانوں کے احوال میں تغیر آ گیا۔ اور ہر زمانہ میں ان حضرات کو دھمکیاں دی گئیں توہین و تذلیل کی گئی مگر انہوں نے اپنے استقلال کو نہ چھوڑا اور جس طرح امم سابقہ کے علما تحریفیں کرتے تھے جس کی خبر حق تعالیٰ نے دی ہے فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمناً قلیلاً ان حضرات نے اس کا خیال تک آنے نہ دیا۔ اور جس طرح اس زمانہ کے بعض اہل علم طمع دنیوی یا توہین و تذلیل کے خیال سے معنوی تحریفیں کر کے قوم میں رسوخ حاصل کرنا چاہتے ہیں انہوں نے نہیں کیا بلکہ اکثروں نے اسی وجہ سے قصداً فقر و فاقہ اختیار کیا کہ طمع دنیوی یا خیال توہین کسی ناشائستہ حرکت کا باعث نہ ہو جاے۔ آج کل جو دیکھا جاتا ہے کہ ہر طرف سے علما پر حق ناحق اعتراضوں کی بوچھار ہے جسکے جی میں جو کچھ آتا ہے کہدیتا ہے۔ چنانچہ کوئی کہتا ہے کہ قوم کو انہی لوگوں نے تباہ کیا اسلئے کہ اُنکے فائدہ کے مسئلے (مثلاً ربٰو خواری کی علت۔ عورتوں کو اجنبی مردوں کے ساتھ

میل جول کی اجازت وغیرہ امور) اُن کو یہ لوگ نہیں بتلاتے حالانکہ دنیوی ترقی اور آسائش ان امور سے متعلق ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ عربی خصوصاً دینی علوم پڑھاکر یہ لوگ مسلمانوں کو بیوقوف اور مفلس بناتے ہیں۔ پھر انکے القاب وخطاب ایسے ایسے تراشے جاتے ہیں (مثلاً ملاّ ۔ ٹے قل اعوذ ئے وغیرہ) جن کے سُننے سے غیرت وار آدمی کبھی مولویت کا نام نہ لے سکے چنانچہ اسی وجہ سے بعضوں کو داڑھی قصر کرنے اور ترکی ٹوپی بلکہ کوٹ پتلون پہننے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ کوئی ملاّ نہ سمجھے۔ اِس زمانہ کے اکثر مولوی تو چند فقروں سے اتنے گھبرائے کہ وضع بدل ڈالی۔ اور اُن حضرات کو دیکھئے کیسی کیسی ذلتیں اور آفتیں انہوں نے اٹھائیں ادنیٰ ادنیٰ بات پر قید کئے جاتے تھے اُن کو سربازار کوڑے مارے جاتے تھے یہاں تک کے قتل کئے جاتے تھے جن کی ہزارہا نظیریں کتب سیر وتواریخ میں موجود ہیں۔ باوجود اسکے نہ اُن حضرات نے کبھی اپنی وضع بدلی نہ مولویت کو چھپایا بلکہ عام مجلسوں میں بالاعلان احادیث کو صاف صاف بیان کردیتے خواہ قوم اپنے حق میں اُن کو مفید سمجھے یا مضر۔ اور جس طرح ہوسکتا شہر بشہر اُن کی اشاعت کرتے کیوں نہ ہو یہ حضرات اشاعت دین میں جو مصیبتیں پیش آتیں اُن کو سرمایہ عزت اُخروی سمجھتے تھے اُن کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہر امر میں پیش نظر رہتی تھی وہ جانتے تھے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑی ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ احادیث میں ایسی حدیثیں بھی بکثرت ہیں جن پر عمل کرنے سے سر دست نقصان ہے۔ اور مقتضائے طبیعت ہے کہ اس قسم کے امور کو اور اُنکے پھیلانے والوں کو آدمی دشمن سمجھتا ہے اور تاریخوں سے ثابت ہے۔

کہ علما اکثر قوم کے ہاتوں اقسام کی سختیاں اٹھایا کئے اس سے یقینی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ فن رجال میں جس قدر اوصاف ان حضرات کے لکھے گئے ہیں وہ سب صحیح ہیں کیونکہ اُن میں تقوی تدین صدق راستبازی خوف خدا وغیرہ نہ ہوتے تو آخری زمانہ کے بعض مولویوں کی طرح وہ بھی ہاں میں ہاں ملاتے اور کم سے کم اتنا تو ضرور کرتے کہ جو روایتیں نفع دینوی کے مانع ہیں انکو شائع ہی نہ کرتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ خدا و رسول کے احکام پہونچانے میں نہ عزت کی پروا کی نہ جان و مال کی اور جس طرح صحابہ سے انھیں حدیثیں پہونچی تھیں بلا کم و کاست پہونچا دیں۔ اب اگر کوئی شخص اپنے پر قیاس کرکے کہے کہ محدثین کے تقوی اور زہد و حفظ اور جفاکشی وغیرہ کی حد سے زیادہ تعریفیں جو فن رجال میں لکھی گئی وہ صحیح نہیں اسلئے کہ جو روایت درایت کے خلاف ہو وہ قابل تسلیم نہیں) تو اس کا علاج نہیں دینا میں اقسام کی طبیعتیں ہیں۔ بہتیرے طبیعتوں میں تسلیم کا مادہ ہی نہیں ہوتا۔ اسپر کھلی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق راستبازی معجزات وغیرہ اظہر من الشمس تھے جس کی شہرت سے دور دور کے قبائل جوق جوق آکر مشرف باسلام ہوتے تھے مگر نزدیک والے بہتیرے ایسے بھی تھے کہ اُن کو جنبش ہی نہ ہوئی اور ان مشاہدات کو بھی درایت کے مخالف سمجھکر نہ مانا اس طبیعت کے لوگوں نے کسی بات کی تسلیم کی کیا توقع۔ مگر یہاں یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلمان دینی حیثیت سے روایت حدیث کی تصحیح کا مدار درایت پر رکھ سکتا ہے یا نہیں ہمیں قرآن و حدیث اور عقل سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ خدا کے کلام میں کذب کا احتمال ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اس وجہ سے خدا و رسول کے کلام میں جو خبریں قرون سابقہ

کی یا دوسرے عالم کی مذکور ہیں اگر خلاف عقل بھی ہوں تو دینی حیثیت سے اُن کا تسلیم کرنا مسلمان کا فرض ہے۔ان خبروں کو اگر کوئی اس لحاظ سے کہ درایت کے مخالف ہیں نہ مانے اور تاویلیں کر کے اُن کا مطلب ہی دوسرا بنا دے تو یہ سمجھا جائیگا کہ اُس نے نہ خدا کو خدا سمجھا نہ رسول کو رسول ایسے لوگوں کا دعویٰ اسلام دینی حیثیت سے بلا دلیل ہوگا۔البتہ قومی حیثیت سے ضرور قابل قبول ہے کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں منافق موجود تھے جن کو خود حضرت کی نبوت سے دلی انکار تھا جس کو حضرت بھی جانتے تھے اور قرآن میں بھی اُن کا حال بیان کیا جاتا تھا باوجود اسکے وہ مسلمان ہی سمجھے جاتے تھے تو اس آخری زمانہ میں ایسے لوگوں کو مسلمان سمجھنے میں کیا تامل۔بہر حال کوئی مسلمان اسلامی حیثیت سے خدا اور رسول کے کلام کے مقابلہ میں درایت کا نام نہیں لے سکتا رہا یہ احتمال کہ شاید راویوں نے کوئی بات اپنی طرف سے ملا دی ہوگی سو وہ بھی قابل توجہ نہیں اسلئے کہ کلام اُن روایتوں میں ہے جنکے وہ راوی ہیں۔ جنہوں نے دین کی حفاظت اپنے ذمہ لی اور محدثین کے جم غفیر نے اُن کے صدق و تدین پر گواہی دی کیا ان اکابرین کے صدق و دیانت کے بھروسے مسلمان کو اُن کی روایتوں کے صدق کا ظن غالب بھی نہ ہوگا۔؟

عدالت راوی ثابت ہو تو امکان خبر کی تحقیق ضرور نہیں

اب غور کیا جائے کہ مولوی شمس العلما شبلی صاحب نے جو لکھا ہے کہ راویوں کی جرح و تعدیل سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ جو خبر دی گئی فی نفسہ وہ ممکن ہے یا نہیں اگر وہ ممکن ہی نہ ہو تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے اور امکان بھی کونسا عادی یعنی اگرچہ کوئی چیز فی نفسہ ممکن ہو مگر عادۃً اُس کا وجود نہ ہوتا ہو تو ایسی چیز کے موجود ہونے کی خبر درایۃً قابل تسلیم نہیں

اگرچہ راوی اُس کا عادل ہو) سو یہ قاعدہ کس قدر خلاف عقل ہے۔ اِس قاعدہ کی بنا پر بہتیرے واقعات جو مشاہدہ سے ثابت ہیں جھوٹے ثابت ہونگے کیونکہ عادتیں زمان و مکان بلکہ اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوا کرتی ہیں۔ تجربہ سے اور اطبا کی تصریح سے ثابت ہے کہ سم الفار زہر قاتل ہے جسکو ہر شخص جانتا ہے مگر ایسے بھی لوگ موجود ہیں کہ انہوں نے اُسکے کھانے کی عادت کر لی ہے اور روزانہ تخمیناً ایک ایک تولہ کھاتے ہیں۔ اور بجائے ضرر اُس کے انکو نفع بھی ہوتا ہے چند روز کا واقعہ ہے کہ ایک بائسکل سوار ایک بڑے حلقہ میں جس کا قطر تخمیناً دس گز ہوگا اس طور پر چکر لگاتا تھا کہ بائسکل اوپر اور وہ نیچے یعنی اُس کا سر زمین کیطرف اور صرف حلقہ کو مس کرتے ہوئے بائسکل پورا دور طے کرتی تھی اور نصف سے زیادہ حصہ اس طور پر طے ہوتا تھا کہ اُس شخص کا جسم بغیر کسی سہارے کے معلق اور معرض سقوط میں رہتا تھا حالانکہ عادۃً بلکہ عقلاً محال ہے کہ آدمی ہوا میں بغیر کسی سہارے کے معلق رہے اور ثقل یا کشش زمین سے نہ گرے۔ اِس میں شک نہیں کہ جب اِس واقعہ کا وقوع ہو گیا تو اُسکے نہ گرنے کی کوئی علت ضرور ہو گی۔ مگر کلام اس میں ہے کہ قبل مشاہدہ یہی کام محال معلوم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ لوگ بصرف زر کثیر جوق جوق اُسکے دیکھنے کیلئے جاتے تھے اس وقت حیدرآباد میں دو لڑکیاں ایسی موجود ہیں کہ کمر کے نیچے انکا باہمی اتصال اس درجہ ہے کہ اگر جدا کئے جائیں تو ایک ضرور ہلاک ہو جائیگی۔ اس قاعدہ کے مطابق اس مشاہدہ کی بھی تکذیب لازم ہوگی۔ کیونکہ عادۃً ایسے آدمیوں کا وجود نہیں ہو سکتا اسکے سوا صدہا بلکہ ہزارہا نظیریں ملسکتی ہیں کہ خلاف عادت بہتیری چیزیں وجود میں آتی ہیں۔ اگر خلاف عادت امور کی خبریں جھوٹ سمجھ

یجائیں تو فن تاریخ اور اخبارات میں عجائبات اور نادر نادر خبریں جو تلاش کرکے بہم پہونچائی جاتی ہیں سب فضول اور تضیع اوقات سمجھی جائیں گی حالانکہ آدمی فطرۃً ایسی خبروں کا مشتاق رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قاعدہ مذکورہ خلاف فطرت انسانی ہے اس سے بڑھ کر سینئے کہ دنیا میں ہزارہا مادر زاد اندھے اور بہرے ہیں اگر اُنکے روشنی اور اقسام کے رنگ اور حسن وجمال اور خط وخال اور بصارت کی خوبیاں اور دلکش نغمات اور سماعت کی دلفریبیاں بیان کیجائیں تو اُن کا بھی یہی جواب ہوگا کہ یہ امور امکان سے خارج ہیں کیونکہ عقل انہی چیزوں کا ادراک کرسکتی ہے جنکا احساس کبھی ہوا ہو اور چونکہ ان امور کا احساس اندھوں اور بہروں کو ہونا محال ہے اسلئے یہ امور اُنکے نزدیک عادۃً بلکہ عقلاً ہر طرح سے محال ہیں اس قاعدہ کی رو سے چاہیئے کہ یہ سب خبریں جھوٹی ہوجائیں حالانکہ کوئی عاقل اس کو گوارا نہ کرے گا۔ ہم نے یہ بات کتاب العقل میں بالتفصیل لکھی ہے جسپر عقل بھی گواہی دیتی ہے کہ ہمارے نزدیک جو چیز محال ہو یہ ضرور نہیں کہ وہ واقع میں بھی محال ہو۔ جب محال عقلی کا یہ حال ہو تو محال عادی کس شمار میں۔

اہل حکمت جدیدہ خبر دیتے ہیں کہ آفتاب زمین سے دس لاکھ حصوں سے بھی زیادہ بڑا ہے اور اسکو ہر وقت اپنی طرف کھینچتا رہتا ہے۔ مگر زمین بھی اُسکو اُس قوت سے دفع کرتی ہے کہ اُسکی کچھ چل نہیں سکتی پھر اس کے ساتھ ہی زمین اُس کو اُس قوت سے کھینچتی بھی ہے جس قوت اور زور سے آفتاب کھینچتا ہے۔ حالانکہ دس پانچ ہاتھ کے فاصلہ سے اُڑتی چڑیا کو بھی نہیں کھینچ سکتی۔ انصاف سے کہا جائے کیا کسی کی درایت اس خبر کی تصدیق کرسکتی ہے؟ مگر سر سید صاحب نے اُس کو

مان ہی لیا۔ اور اسی بنا پر ایک رسالہ لکھ ڈالا کہ آسمان کوئی چیز نہیں اور جہاں جہاں قرآن میں آسمان کا ذکر ہے تاویلیں کر ڈالیں۔ معلوم نہیں انہوں نے یورپ کے کسی مدرسہ میں تعلیم پا کر آلات رصدیہ وغیرہ سے اس مسئلہ کی تحقیق کی تھی یا تقلیداً آ مذہب اختیار کر لیا تھا یا کسی مصلحت سے برائے نام قائل ہو گئے تھے مگر ایک گروہ کثیر نے تو صرف سرسید صاحب ہی کی تقلید کی اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ انکی درایت ہرگز اس کو قبول نہیں کر سکتی باوجود اسکے ان پر الزام نہیں لگایا جاتا کہ خلاف درایت ایسی باتیں کیوں مانی جاتی ہیں۔ پھر اگر مسلمانوں نے اس قسم کے امور میں اپنے ائمہ کی تقلید کی تو ان پر کیوں الزام لگایا جاتا ہے اہل حکمت جدیدیہ بھی خبر دیتے ہیں کہ ہر سال ہم ایک بار اُنیس ۱۹ کروڑ میل ثوابت کے نزدیک ہو جاتے ہیں اور پھر ہر چھ مہینے کے بعد اُنیس ۱۹ کروڑ میل اُنسے دور ہو جاتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ ہر آنکھوں والا شخص برس کے بارہ مہینے ہر ستارہ کو ایک ہی مقدار و جسامت پر دیکھتا ہے۔ نہ کبھی اُن کی جسامت میں کمی و زیادتی محسوس ہوتی ہے نہ باہمی فاصلوں میں تفاوت اگر سو پچاس میل کے فاصلہ پر یہ خیال کیا جاوے تو طوعاً و کرہاً آدمی قبول بھی کر سکتا ہے۔ اُنیس ۱۹ کروڑ میل کا فاصلہ پہلے خیال کیجئے اُسکے بعد ہر ستارہ کی جسامت محسوسہ پر نظر ڈالکر عقل سے کام لیجئے کہ کیا اتنی جسامت محسوسہ والی چیز اُنیس کروڑ میل دور ہونے کے بعد بھی نظر آسکتی ہے یا نہیں۔ ہر شخص کی عقل گواہی دے گی کہ یہاں امکان عادی تو کیا امکان ذاتی بھی نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کی نظیریں حکمت جدیدہ میں بکثرت ملسکتی ہیں مگر اُن کی تصدیق کرنے والوں کو کوئی نہیں پوچھتا معلوم نہیں مسلمانوں نے کیا قصور کیا ہے کہ ہر طرح سے وہی نشانۂ ملامت بنائے جاتے ہیں

غرضکہ درایت کوئی قابل وثوق چیز نہیں روایت اور درایت کا موقع ہو تو ہوتی روایت کو ماننے کی ہر مسلمان کو ضرورت ہے اور درایت سے اُس کا رکرنا گویا یہ کہنا ہے کہ اکابرین جھوٹے تھے اور دین اسلام جھوٹی تعلیم کرتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

جو لوگ درایت کے مقابلہ میں روایت کو جھوٹی قرار دیتے ہیں انکو آخرت سے پہلے اسی عالم میں شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ بعض فلاسفر درایت کے بھروسے روح انسانی اور عالم روحانی کا انکار کر گئے تھے مگر بفضلہ تعالیٰ مسمریزم سے وہ مسئلہ پورے طور پر ثابت ہو گیا۔ اگرچہ مسمریزم کا ذکر یہاں بے موقع ہے مگر چونکہ مسئلہ درایت پیش ہے اور مسمریزم کے ضمن میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ درایت میں اکثر خطا ہوا کرتی ہے اسلئے مختصر طور پر اُس کا ذکر چنداں نامناسب نہ ہوگا۔

مسمریزم سے روحانیت کا ثبوت

کتب مسمریزم میں لکھا ہے کہ ڈاکٹر انتونی مسمر جو ۱۷۳۴ء میں یورپ میں پیدا ہوا اُسکے خیال میں یہ بات جمی کہ عالم میں ایک رقیق مادہ ضرور ہے جس کی حرکت سے اجرام فلکیہ ایک دوسرے میں اور زمین میں تاثیرات پیدا کرتے ہیں چنانچہ ایک مدت دراز کی کوشش میں یہ ثابت ہوا کہ آدمی اپنی قوت مقناطیسی کا اثر ڈالکر بیہوش کر سکتا ہے جس سے شخص معمول جسپر اثر ڈالا گیا غیب کی باتیں بیان کرنے لگتا ہے۔ اور باوجودیکہ شخص معمول اس عالم سے ایسا بیخبر ہوتا ہے کہ اگر اُسکے کان کے پاس لپنچہ کی آواز کی جائے تو بھی اُسکو خبر نہیں ہوتی۔ مگر عامل اُس سے جو کچھ پوچھتا ہے فوراً اُس کا جواب دیتا ہے۔

حالانکہ درایۃً یہ محال ہے کہ سماعت باوجود معطل ہونے کے کام کرتی رہے۔

اور درایت یہ بھی قبول نہیں کرسکتی۔ کہ اُس کی سماعت کسی کی نہ سُنے اور بڑے سے بڑے صدمہ کا اور آواز کا اُسپر کچھ اثر نہ ہو اور ایک شخص کی آہستہ سی آواز سُن لے۔ اور یہ بھی قبول نہیں کرسکتی کہ بیہوش شخص مشکل سوال کا فوراً ایسا جواب دے کہ کامل ہوش والا اُس سے عاجز رہے۔

لکھا ہے کہ اُس کے امورِ غیبیہ کے انکشاف کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ کل موانع اُس کی نظر کے سامنے سے اُٹھ جاتے ہیں مقفل صندوق میں اگر خط رکھا ہو تو پڑھ لیتا ہے۔ اگلے مردوں اور اگلے زمانہ کے لوگوں کی حالتیں اس طرح بیان کرتا ہے کہ گویا اُن کو دیکھ رہا ہے اور جس طرح گذری ہوئی باتیں بتاتا ہے اسی طرح آیندہ کی باتیں بھی بتاتا ہے جس غائب کا حال اُس سے پوچھا جائے فوراً کہدیتا ہے کہ وہ فلاں شہر میں ہے۔ اور یہ کر رہا ہے۔ اگر کسی بیمار کا حال اُس سے پوچھا جاوے تو اُس کی بیماری کے اسباب و علامات و علاج بالتفصیل بیان کر دیتا ہے غرضکہ اُسکے حواس اس قدر تیز ہو جاتے ہیں کہ اُنکے احساس میں مکان حائل ہوتا ہے نہ زمان۔ اِس قسم کے کئی حالات کی تصریح فن میسمریزم کے رسالوں میں موجود ہے جن کو مصنفوں نے اپنے ذاتی اور یورپ و امریکہ کے نامی ڈاکٹروں کے تجربوں سے نقل کیا ہے۔

اب دیکھئے کہ درایت اِسکو ہرگز قبول نہیں کرسکتی۔ کہ آنکھیں بند ہوں اور نظر کام کرتی ہو۔ اور نہ اس کو مان سکتی ہے کہ صندوق کا جسم کثیف حائل ہو اور اندر کا خط پڑھ لیا جائے اور پڑھنے بھی کون بیہوش شخص جس کو اپنی بھی خبر نہیں۔

اور نہ یہ مان سکتی ہے کہ گزشتہ لوگوں کی جو حالت پوچھے ایسے طور پر بیان کرے

جیسے کوئی دیکھ کر کہہ رہا ہے حالانکہ جب وہ شخص ہی معدوم ہوگیا تو اُس کی حالتیں کیسی اور حالتیں بھی کونسی جنکو زمانہ نے صفحۂ ہستی سے مٹادیا اور خود بھی مٹ گیا۔ اب بغیر اعادۂ معدوم کے اور کون چیز ہوسکتی ہے جو اُن کو محسوس کرائے حالانکہ وہ محال ہے اور درایت یہ بھی قبول نہیں کرسکتی کہ آئندہ ہونے والے اشیاء کا کوئی حال بیان کرے اِسلئے کہ عقل کی رو سے جب تک مادّہ میں قابلیت نہ پیدا ہو کوئی چیز وجود میں نہیں آسکتی پھر جب کسی چیز کا مادّہ ہی ہنوز وجود میں نہ آئے تو اُس کا وجود کہاں اور احوال کیسے۔ بہر حال ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد یہ ضرور کہنا پڑے گا کہ ہماری درایت ہرگز قابل اعتماد نہیں ہوسکتی پھر ایسی چیز پر اعتماد کرکے خدا اور رسول کی خبروں کی تکذیب کرنی کس قدر بعید از عقل ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ ایمان کا دعوے بھی ہو۔

اِس آخری زمانہ میں معجزات اور کشف و کرامات جو نہیں مانے جاتے تھے اُس کی وجہ یہی تھی کہ حکمت جدیدہ نے درایت کو ان امور کی تصدیق سے روک دیا تھا۔ اب چونکہ ائمہ حکمت جدیدہ یعنی اہل امریکہ و یورپ نے بھی اُس کی اجازت دیدی ہے اِسلئے حکمت جدیدہ کے مقلّد مسلمانوں کو چاہئے کہ نہایت مسرت اور کشادہ دلی سے خدا اور رسول کی خبروں پر پورا پورا ایمان لاویں اور جو تاویلیں اس خیال سے کیجاتی تھیں کہ عقلی طور پر ان امور کا ثبوت نہیں سب چھوڑدیں حکمت جدیدہ میں روح انسانی یا نفس ناطقہ نظر نہ آنے کی وجہ سے ادراک کا کل کارخانہ دماغ ہی کے تفویض کردیا گیا تھا۔ چنانچہ فن فزیالوجی وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ ادراک دماغ ہی کو ہوتا ہے۔ مگر مسمیریزم نے اُسکو درہم برہم کردیا

اِس سے ریوری رنٹ چالس صاحب نے لکھا ہے کہ مرئی کی شبیہ جب شبکیہ پر
منطبع ہوتی ہے تو عروق ناظرہ دماغ کو اُسپر مطلع کردیتی ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ
آدمی کا بھیجا مدرک ہے اور اُس کا ادراک عروق ناظرہ کی خبر دینے پر موقوف ہے)
سو وہ صحیح نہیں۔ اِسلئے کہ اِسمیں کلام نہیں کہ معمول مسمریزم کو ادراک ضرور ہوتا ہے
کیونکہ وہ عامل کا کلام سمجھتا ہے اور غیب کی باتوں کو دریافت کرکے اُسکا ایسا جواب
دیتا ہے کہ کوئی اعلیٰ درجہ کا عقلمند ہوشیار بھی ہرگز نہیں دے سکتا۔ اور اس
ادراک کے وقت نہ اُس کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں نہ پردۂ شبکیہ مرئی کی تصویر ہوتی ہے،
نہ عروق ناظرہ کو اُس کی خبر اِس سے صاف ظاہر ہے کہ ادراک کا کارخانہ قوائے
دماغیہ میں منحصر نہیں۔ بلکہ یہاں یہ کہنا ضرور پڑے گا کہ شخص معمول گو بیہوش پڑا ہے
مگر اُس کی روح کو ہوش ضرور ہے اور ہوش بھی کیسا کہ جسمانی ہوش سے ہزاروں
درجہ بڑا ہوا اِسلئے کہ جسمانی ہوش اُسکو ادراک میں اُسی حد تک مدد دیتا ہے۔
جہاں تک حواس کی رسائی ہے اور ظاہر ہے کہ حواس کی جولانی کا میدان نہایت
تنگ ہے۔ بخلاف اُسکے جب بیہوشی طاری ہوتی ہے تو نزدیک و دور کثیف
و لطیف عالم غیب و شہادت سب اُسکے روبرو یکساں ہو جاتا ہے اور اسوقت
نہ اُسکو آنکھوں کی ضرورت ہے نہ کانوں کی حاجت بلکہ اُسکے ذاتی حواس جنکو ہم نہیں
جان سکتے کہ کیسے ہیں اُسکے ساتھ ہیں۔ اور وہ اپنے ادراک میں اِسکی بھی محتاج
نہیں کہ جن چیزوں کا ادراک کرنا چاہتی ہے وہ اُسوقت خارج میں موجود ہوں
دوسرا عالم اُسکے پیش نظر ہو جاتا ہے جس کا عکس یہ ہمارا عالم شہادت ہے اِسی وجہ سے
وہ اُن اشیاء کی بھی خبر دیتی ہے جنکا وجود ابھی تک ہوا ہی نہیں یا موجود ہو کر وہ فنا ہو گئیں

مسمیرصاحب کو جو ابتداً ایک رقیق سے رقیق مادہ کی تحقیق کا خیال پیدا ہوا تھا
وہ منجانب اللہ اس غرض سے پیدا ہوا کہ آخری زمانہ کے مسلمانوں پر رحم فرماکر خدا تعالیٰ
عالم روحانی اور روح کو جن کے وجود میں مادہ کو دخل ہی نہیں انہی لوگوں کی تحقیق سے
ثابت کرادے جو اُسکے منکر تھے اور پُرانے خیال والوں کو نئے خیال والوں کے
مقابلہ میں کامیاب کرے سو بفضلہ تعالےٰ ایسا ہی ہوا کہ اب ہر کس و ناکس مسمیرزم
اور اُسکے کرشموں کو جانتا ہے۔ اور عالم روحانی کی تصدیق کرتا ہے۔
یہ بات یاد رہے کہ جوں جوں فلسفۂ جدیدہ ترقی کرتا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ
ہمارے پُرانے دینی خیال وقتاً فوقتاً ثابت ہوتے جائینگے جس طرح عالم روحانی
اور روح کا اثبات ہو گیا اور جو لوگ کم فہمی سے پُرانے خیالوں پر مضحکے اڑاتے
ہیں اُن کو شرمندہ ہونا پڑیگا۔

سرسید صاحب کو انکار جنّوں کی ضرورت کیوں پیش آئی

ہمارے اِس دعوے کی تصدیق اِس واقعہ سے بخوبی ہو سکتی ہے کہ سرسید صاحب
نے دیکھا کہ قرآن شریف میں جنّات کا ذکر ہے اور نئی روشنی والے ہر باتیں
مشاہدہ طلب کرتے ہیں اور جنوں کو محسوس کرکے دکھلانا اپنے امکان سے
خارج ہے اسلئے انہوں نے یہ تدبیر نکالی کہ اُنکے وجود ہی کا انکار کر دیا جائے
اور ایک رسالہ لکھدیا جس کا نام تفسیر الجن والجان ہے۔ اُس میں اُن تمام آیتوں کی
تاویلیں لکھیں جن میں جنّات کا ذکر ہے اور بڑی تلاش سے جاہلیت کے چند اشعار
نقل کئے جن کا مضمون یہ ہے کہ بدو جو جنگل اور پہاڑوں میں رہتے تھے نظر بچا کر
آئے۔ اِن اشعار میں بدو پر جن کا اطلاق کیا گیا۔ جیسے آجکل سخت بخیل کو جن کہا کرتے
ہیں۔ مگر سرسید صاحب نے اُس سے یہ نتیجہ نکالا کہ جنگل اور پہاڑوں میں رہنے والے

امریکہ سے ارواح و جنات کا ثبوت

آدمیوں کو جن کہا کرتے ہیں اور یہی حقیقت جن ہے۔ اور لکھا ہے کہ اہل لغت کو یہ بات معلوم نہ تھی اِسلئے انھوں نے اُسکے معنی نہیں بتلائے اور سخت غلطی کی۔

یہ تقریر سرسیّد صاحب کی کمال مجبوری کی حالت میں تھی کہ حکمت جدیدہ سے عاجز ہوکر جواب کا یہ طریقہ سوچا مگر اب اُس کی ضرورت نہ رہی کیونکہ خود اہل یورپ و امریکہ نے جنّات کے وجود کو مان لیا ہے۔ چنانچہ علامہ محمد فرید وجدی نے کنز العلوم واللُّغۃ میں لفظ (اسپرٹزم) کی تحقیق میں لکھا ہے کہ پیشتر حکماء مادیین وغیرہم کا قول تھا کہ آدمی کی روح اسی قسم کی ہے جو جانوروں میں ہوا کرتی ہے کوئی خاص قسم کی چیز نہیں جو مرنے کے بعد باقی رہے۔ بلکہ آدمی کیساتھ وہ بھی فنا ہو جاتی ہے۔ مگر ۱۸۴۶ء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ امریکہ کی ایک بستی میں جس کا نام (ہیدیفیل) ہے۔ (فیکمان) نام ایک شخص نے رات کے وقت اپنے گھر کی زمین پر متعدد کھٹکے سنے بہتیر اتلاش کی مگر کسی کا پتہ نہ لگا۔ اور اسی قسم کا واقعہ (جان فوکس) کے گھر میں بھی ہوا اُسکی عورت نے کھٹکوں کی آواز پر غیبی شخص سے کہا کہ اگر تو کوئی روح ہے تو دس مار زمین پر مار چنانچہ دس مار کے کھٹکوں کی آواز اُسنے سنی پھر اُس عورت نے کہا کہ میری لڑکی (کاتزینہ) کی عمر کتنے سال کی ہے اُسنے اُتنے ہی کھٹکے مارے جتنے سال کی عمر اُس کی تھی۔ غرض چند امتحانوں کے بعد اُسکو یقین ہوا کہ وہ کسی آدمی کی روح ہے پھر اِسی قسم کے متعدد واقعات پے درپے ہوے اور اُس کی تحقیقات شروع ہوئی (ادمون) جو وہاں کا مقنّن تھا اُس نے پوری تحقیق کر کے ایک ضخیم کتاب اثبات روح میں لکھی اور اُسی کی

تائید میں اوستاد فن کیمیا (مالبس) نے بھی ایک کتاب لکھی پھر تو متعدد کتابیں لکھی گئیں
اور عام شہرت ہوگئی۔ جب اسکے چرچے برطانیہ میں ہونے لگے تو (اکروکس صاحب)
جو پارلیمنٹ کے ممبر تھے انہوں نے بھی ایک کتاب اُس کی تائید میں لکھی جسمیں اپنے
چشم دید واقعات بیان کئے اور اِس مسئلہ کی یہاں تک شہرت ہوئی کہ اخباروں میں
اُسکے متعلق مضامین شائع ہونے لگے مگر مادئیین حکماء اِس خیال کے سخت
مخالف تھے بالآخر ۱۸۶۹ء میں خاص اِس کی تحقیق کے لئے ایک مجلس قائم ہوئی
جس میں برطانیہ۔ امریکہ۔ اور اطالیہ کے نامی فلاسفر ڈاکٹر اور ماہرین فن فزیولوجی اور
طبعیات اور ریاضی اور ہندسہ وغیرہ اُسکے ارکان مقرر ہوئے اور اٹھارہ مہینے
برابر تحقیق ہوا کی جس سے مثبتین روح کا دعوی ثابت ہوا چنانچہ جتنے ارکین مجلس
اس مسئلہ میں مخالف تھے سب نے بالاتفاق اپنے چشم دید خوارق عادات لکھکر
اقرار کیا کہ واقعی ارواح متشکل ہوتی ہیں۔ وہم کو اُس میں کوئی دخل نہیں۔ اور لکھا ہے کہ
جب تدابیر سے روحیں بلائی جاتی ہیں تو پہلے ایک روشن ابر سا محسوس ہوتا ہے
پھر وہ بتدریج انسانی شکل قبول کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ تھوڑے عرصہ
میں ایک عجیب ہی بدھی کی شکل میں متشکل ہوجاتا ہے جسکا گوشت نہایت نرم ہوتا ہے کہ اگر اسکو
دبایا جاوے تو ہاتھ اُس میں دھس جاتا ہے۔ اس تحقیق سے روحوں کا متشکل ہونا
ثابت ہے۔ اور ممکن ہے کہ اُن کو بھی یہ قدرت حاصل ہو اسیطرح جنات کا اشکال
بدلنا بھی ثابت ہے جسپر ہر زمانہ کے اخبار کا تواتر گواہ ہے اسی وجہ سے حکمائے
مذکورین میں سے بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ مُردوں کی روحیں ہیں یا اور
کوئی چیزیں دوسرے عالم کی ہیں۔

**علامہ** موصوف نے لفظ جنون کی تحقیق میں مجلہ روحیہ سے لکھا ہے جو فرانس سے شائع ہوتا ہے کہ استاد (ہیزلوپ) امریکی جو تحقیق نفس کی کمیٹی کا رکن رکین ہے اُسنے ڈاکٹروں میں اشتہار شائع کئے کہ جنون ہمیشہ دماغی خلل سے نہیں ہوتا۔ بلکہ کبھی بعضے شریر ارواح کے مسلط ہونے سے بھی ہوا کرتا ہے جسکے لئے وہ علاج جو ڈاکٹروں کو معلوم ہے مُفید نہیں ہوسکتا"

عاملوں کے متواتر مشاہدات سے ثابت ہے کہ ارواح خبیثہ اور جنّات دونوں مسلط ہوا کرتے ہیں اور عملیات کے ذریعہ سے دفع ہوجاتے ہیں جس کو نئی روشنی والے وہم اور خیال کہا کرتے تھے مگر جب جدید تحقیقات سے ثابت ہوگیا کہ وہ واقعی ہیں وہم کو اُس میں کوئی دخل نہیں تو اب عاملوں کی خبروں کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ بہرحال جنات کا وجود ہر طرح سے ثابت ہے۔

یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ تحقیق سرسید صاحب کے زمانہ میں مشہور ہوگئی ہوتی تو نہ اُنکو جنّات کے انکار کی ضرورت ہوتی نہ خوارق عادات کے ابطال کی حاجت کیونکہ انکو یہ تو منظور ہی نہ تھا کہ خواہ مخواہ قرآن کو رد کریں اب اسی پر قیاس کیجیے کہ جس طرح اُن کی تاویلیں جنات کے وجود کے باب میں بیضرورت اور خلاف واقع ثابت ہوئی۔ اِسیطرح آسمان وغیرہ کے وجود کے مسئلہ میں بھی یقیناً خلاف واقع ثابت ہونگی۔ کیونکہ خدا و رسول کے کلام میں خلاف واقع ہونیکا احتمال ہی نہیں ہوسکتا۔ مگر اب یہ دیکھنا چاہیے کہ مسلمانونکو اس انتظار کی کیا ضرورت جب ہمیں یقیناً معلوم ہوگیا کہ ہماری درایت میں اکثر خطا ہوتی ہے تو صحیح صحیح روایتوں میں کیوں کلام کیا جاسے بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ مخالف بعض دینی

مسائل پر ہنسیں گے پھر اس سے کیا ہوتا ہے کئی مسائل ہیں ہمیں بھی اُنکی عقل بے اصل
تحقیقات پر ہنسنے کا موقع حاصل ہوگیا ہے جس سے جواب ترکی بہ ترکی ہوجائیگا
اب اگر اسپر بھی کسی کو صحیح صحیح روایتوں پر ایمان لانیکی ہمت نہ ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ
سرے سے ایمان لانا ہی اُسکو منظور نہیں حکمت جدیدہ کا صرف حیلہ ہے۔

درایت سے اغماض کرنا بھی فطرتی ہے

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ آدمی درایت سے تو کام لیتا ہے مگر بہت سے
مواقع میں درایت سے اغماض کرنا بھی اُسکی طبیعت کا مقتضی ہے چنانچہ لڑکے کو
جب اُسکے ماں باپ کی خبر دیجاتی ہے تو یقیناً انکو اپنے ماں باپ سمجھ لیتا ہے
اسی طرح دادا وغیرہ اہل خاندان کی قرابت کی تصدیق مجرد خبر سے کرلیتا ہے
شاید بعضے لوگ ایسے بھی ہوں کہ ایک شخص کی گواہی کو کافی نہ سمجھ کر دلمیں یہ خیال
کرتے ہونگے کہ بلاتحقیق اور ثبوت کافی کسی کو اپنا باپ کہنا ننگ و عار اور خلاف
درایت ہے مگر اُنکو بھی ایسے رکیک احتمالات سے اغماض ہی کرنا پڑتا ہے۔
اور اگر کوئی ایسے احتمالات پیش کرکے اُنکے نسب میں کلام کرے تو اُس سے
غالباً ناخوش ہونگے اس سے ظاہر ہے کہ بزرگوں کی بات کا یقین کرلینا آدمی
کی فطرت میں داخل ہے اب یہاں غور کیا جائے کہ کونسی چیز ہے کہ اس موقع
میں احتمالات عقلیہ کو ہٹا کر مجرد خبر کو قابل اعتماد بناتی ہے۔ بات یہ ہے کہ
بزرگوں کی محبت اور وقعت آدمی کے دل میں ایسی متمکن ہوتی ہے کہ اُسکی
خبر کی مخالفت کا خیال تک دل میں نہیں آتا۔ اسیطرح جس استاد اور پیر کی
وقعت کسی کے دل میں ہوتی ہے تو وہ جو کچھ کہتا ہے اُسکی تصدیق وہ
کرلیتا ہے۔ اسیوجہ سے محدثین جن استادوں کو معتمد علیہ سمجھتے تھے اُن کی

حدیثوں کی صحت کا یقین اُن کو ہو جاتا تھا اور نہایت حزم اور وثوق سے اُنکی روایتیں بیان کرتے تھے۔ اگر یہ اعتماد اُنکو نہ ہوتا تو جس طرح غیر معتبر اُستادونکی روایتوں کو ترک کر دیتے تھے اُن کی روایتوں کو بھی ترک کر دیتے غرضکہ اپنے بزرگوں کی بات کا یقین کر لینا آدمی کی فطرتی بات ہے اور جنکو وہ اپنا بزرگ اور مقتدا نہیں سمجھتا اُس کی بات کو نہیں مانتا۔ اور پہلے یہ دیکھ لیتا ہے کہ وہ بات درایت کے خلاف تو نہیں۔ پھر درایت کے خلاف نہ بھی ہو تو اس شرط پر مانتا ہے کہ اپنے حقمیں کسی طرح مضر نہ ہو۔ اور اس ماننے میں بھی وہ جزم نہیں ہوتا جو معتمد علیہ کی خبر میں ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ قاعدہ مذکورہ کہ روایت پر درایت مقدم ہے۔ اپنے بزرگوں کی خبر کی نسبت خلاف فطرت انسانی ہے البتہ اُس شخص کے حق میں یہ قاعدہ صحیح ہوگا جو بزرگان دین کو اپنے بزرگ نہیں سمجھتا۔ چنانچہ اسی وجہ سے یہود و نصاریٰ وغیرہم ہمارے دین کی باتوں کو نہیں مانتے گو کیسی ہی مطابق عقل و درایت ہوں اور اپنے دین کی باتوں کو خلاف عقل و درایت ہی کیوں نہ ہوں مان لیتے ہیں چنانچہ بائبل[ع۱]

ع۱ ملاحظہ ہو کتاب مقدس مطبوعہ امریکن مشن پریس۔ ایم۔ ڈوائیلی منیجر مطبوعہ ۱۸۹۷ء میں (باب ۲۳ صفحہ ۷۴۰) اور خداوند کا کلام مجھے پہونچا اور اُسنے کہا کہ (۲) اے آدم زاد دو عورتیں تھیں جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں (۳) اُنہوں نے مصر میں زناکاری کی وہ اپنی جوانی میں یار باز ہوئیں۔ وہاں اُن کی چھاتیاں ملی گئیں اور وہاں اُنکی بکر کی لپتاں چھوئے گئے (۴) اُن میں کی بڑی کا نام اہولہ اور اُس کی بہن اہولیبہ اور وہ میری جورواں ہوئیں اور بیٹے بیٹیاں جنیں ان کے یہ نام۔ اہولہ سمرون ہے اور اہولیبہ یروشلم (۵) اور اہولہ جن دنوں میں وہ میری تھی چھنالا کرنے لگی اور اپنے یاروں پر یعنی اسوریوں پر جو ہمسایہ تھے عاشق ہوئی (۶) وہ سرلشکر اور حاکمان تھے اور سب کے سب دلپسند جوانمرد اور سوار تھے جو گھوڑوں پر چڑھے تھے اور ارغوانی پوشاک پہنے ہوئے تھے (۷) اسی طرح اُس نے اُن سب کے ساتھ جو اسور کے برگزیدہ سارے چھنالا کیا۔ اور وہ اُن سب کے ساتھ جن سے وہ عشقبازی کرتی تھی اور اُن کے بتوں سے ناپاک ہو گئی (۸) اس نے ہرگز اس زناکاری کو جو اُس نے مصر میں کی تھی نہ چھوڑا

جسپر تمام یہود و نصاریٰ کا اعتقاد ہے اور جسکو کتاب آسمانی سمجھتے ہیں اُسمیں عجیب عجیب باتیں ہیں اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ ہمارے دین کی باتوں کے مقابلہ میں یہ قاعدہ پیش کرتے ہیں وہ ہمارے دین سے اجنبی اور بیگانے ہیں مسلمانوں کا یہ کام نہیں کہ بیگانوں کی باتونکو سنکر خود بھی اپنے دین سے بیگانے بنجائیں - بلکہ یہ خیال کرنا چاہئے کہ ایسے لوگوں کا وہی جواب ہوگا جو دوسرے دین والونکا جواب ہوتا ہے - اور اگر جواب نہ دیسکیں تو اُسکا ملال نہ کریں اسلئے کہ ہر شخص کل مذاہب باطلہ کے جواب کہانتک دیسکے - اور یہ خیال کرلیں کہ تیرا سوسال

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷ - ؎ کیونکہ اُنہوں نے اس کے جوانی میں اس سے خلوت کی تہی اُنہوں نے اس کی بکر کی پستانوں کو ملا تھا اور اپنی زنا اس پر انڈیلی تہی (۹) اسلئے میں نے اُسے اُس کے یاروں کے ہاتھ میں ہاں اسوریوں کے ہاتھ میں جن پر وہ مرتی تہی کردیا - (۱۰) انہوں نے اُسکو بے ستر کردیا - اس کے بیٹے اور بیٹیوں کو چھین لیا اور اسے تلوار سے مار ڈالا - سو وہ عورتوں کے درمیان انگشت نما ہوئی کیونکہ انہوں نے اسے عدالت سے سزا دی (۱۱) اور اُس کی بہن اہولبہ نے یہ سب کچھ دیکھا ؎ پر وہ شہوت پرستی میں اس سے بدتر ہوئی ؎ اور اُس نے اپنی بہن کی زناکاری کی نسبت سے زیادہ زناکاری کی (۱۲) وہ بنی اسور ؎ یعنی سرلشکروں اور حاکموں پر جو اُس کے ہمسایہ تھے جو بھڑکیلی پوشاک پہنتے تھے اور گھوڑوں پر چڑھتے تھے ؎ اور سب کے سب دلپسند جوانمرد تھے عاشق ہوئی (۱۳) اور میں نے دیکھا کہ وہ بھی ناپاک ہوگئی - اُن دونوں کی ایک ہی راہ و رسم تہی - (۱۴) بلکہ اُس نے زناکاری زیادہ کی - کیونکہ جب میں نے دیوار پر مردوں کی صورتیں دیکھیں کسدیوں کی تصویریں جو شنگرف سے کھینچی ہوئی تہیں ؎ (۱۵) اور کہ اُن کے کمروں پر پٹکے کسے ہوئے تھے اور اُن کے سروں پر اچھے رنگین پگڑیاں تہیں اور سب کے سب دیکھنے میں سرلشکر ہیں بابل کے بیٹوں کے مشابہ جن کا وطن کسدستان ہے - (۱۶) تب دیکھتے ہی وہ اُنپر مرنے لگی ؎ اور قاصدونکو کسدیوں کے ملک میں اُن پاس بھیجا - (۱۷) سو بابل کے بیٹے اس پاس آکے عشق کے بستر پر چڑھے اور اُنہوں نے اس سے زنا کرکے اسے آلودہ کیا اور جب وہ اُنسے ناپاک ہوئی تو اُسکا جی اُنسے بھر گیا ؎ (۱۸) تب اُسکی زناکاری علانیہ ہوئی اور اُس کی برہنگی بے ستر ہوئی تب جیسا میرا جی اُسکی بہن سے ہٹ گیا تہا ویسا میرا دل اُس سے بھی ہٹا ؎ (۱۹) تسپر بھی اُس نے اپنے جوانی کے دنوں کو یاد کرکے جب وہ مصر کی سرزمین میں چھنالا کرتی تہی ؎ زناکاری پہ زناکاری کی - (۲۰) سو وہ پھر اپنے اُن یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن ؎ گدہونکا بدن اور جن کا انزال گھوڑوں کا سا انزال تہا انتہی - اب غور کیجئے کہ خدا اور اُسکی حوروں ؎ اور یہ حالات نعوذ باللہ بھلا کس عقلمند کی درایت اس کو قبول کرسکتی ہے -

سے کروڑہا مسلمان جس طرح اپنے دین کی حفاظت کرتے آرہے ہیں ہمیں بھی اسی طرح حفاظت کرنے کی ضرورت ہے۔

اب ہم بطور نمونہ چند اکابر دین کے حالات لکھتے ہیں جنسے اہل انصاف کو منکشف ہو جائیگا کہ یہ حضرات فقط حفاظت دین ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور جس دین میں ایسے حضرات کا وجود ہو اسکا قیامت تک محفوظ رہنا دور از قیاس نہیں۔ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ نے طبقات شافعیہ میں اور امام سیوطی اور ابن اثیرؒ نے تاریخ الخلفاء اور تاریخ کامل میں مسئلہ خلق قرآن میں جو واقعات پیش آئے انکو تفصیل سے لکھا ہے جس سے ثابت ہے کہ محدثین رحمہم اللہ نے کیسی کیسی جانفشانیوں سے اسلامی عقائد کو محفوظ کر دیا خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ قاضی احمد ابن دوّاد (جو نہایت فصیح اور علم کلام میں متبحر اور معتزلہ کا صحبت یافتہ شخص تھا اور خلیفہ مامون کے دل میں اُس کی بڑی وقعت تھی۔) اُسنے مامونکو سمجھایا کہ کلام اللہ مخلوق ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ انا جعلناہ قرآنا عربیا اور جعل کے معنی پیدا کرنے کے ہیں۔ جیسے وجعل الظلمات والنور سے ظاہر ہے لیکن بعضے جہال اُس کو غیر مخلوق کہکر خالق کے برابر بنا دیتے ہیں اور باوجود اس شرک کے اپنے آپ کو اہل حق اور اہل سنت قرار دیکر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں بادشاہ اسلام کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کی تادیب کرکے دین کی حفاظت کرے۔ چنانچہ یہ بات بادشاہ کے سمجھ میں آگئی۔ اور اسحٰق ابن ابراہیم حاکم بغداد کے نام حکم جاری کیا کہ تمام فقہا اور محدثین کو بلا کر اُن کا عقیدہ دریافت کرو۔ علانیہ اقرار کریں کہ قرآن مخلوق ہے تو بہتر ورنہ انکی اطلاع



مسئلہ خلق قرآن

قلمبند کر کے پیشگاہ میں روانہ کریں۔ چنانچہ حاکم نے اکابر علما کو جمع کر کے حکم شاہی
سنادیا اُنمیں اکثر تو یہ کہہ کر ٹال گئے کہ ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ قرآن کلام الٰہی ہے
اور اس مسئلہ میں ہم کسی سے بحث نہ کرینگے اور بعضوں نے بالکل سکوت کیا۔
اور بعضوں نے کہا کہ قرآن مجعول ہے۔ مگر چونکہ خدائے تعالیٰ نے اُسکو مخلوق نہیں کہا
اسلئے ہم مخلوق نہیں کہہ سکتے۔ بادشاہ نے اُن اقوال کو دیکھکر حکم بھیجا کہ جو لوگ قرآن کو
صاف طور پر مخلوق نہ کہیں اُنکو فتویٰ دینے اور روایت حدیث کرنے سے
روک دیا جاے۔ اور چند نامی گرامی محدّثین کے نام لکھے کہ اگر وہ اقرار نہ کریں تو
اُنکے گردنیں مار کے اُنکے سر دربار شاہی میں روانہ کئے جائیں جب یہ حکم سنایا گیا
تو اکثر نے جان بچانیکی غرض سے کہدیا کہ قرآن مخلوق ہے مگر امام احمد ابن حنبل
اور محمد ابن نوح رضی اللہ عنہما نے اُس سے صاف انکار کیا حاکم نے اُنکو مقید
کر کے بادشاہ کے پاس روانہ کر دیا۔ بادشاہ سے کسی نے یہ کہدیا کہ جن
لوگوں نے اقرار کیا ہے وہ جان بچانے کی غرض سے صرف زبانی
اقرار ہے۔ اُسپر حکم شاہی نافذ ہوا کہ سنا گیا ہے کہ بعضوں نے عمار بن یاسر
رضی اللہ عنہ کے باب میں جو آیت نازل ہوئی۔ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان
اس میں تاویل کر کے زبانی اقرار کر لیا ہے حالانکہ وہ غلط ہے بہرحال
انکو بھی دربار شاہی میں بھیجدیا جاے چنانچہ وہ سب محدّثین روانہ کئے گئے
مگر حسن اتفاق سے راستہ ہی میں یہ خبر پہونچی کہ خلیفہ مامون کا انتقال ہو گیا
جس سے سب کی رہائی ہوئی لیکن مامون نے مرتے وقت وصیت کی
کہ میرے بعد جو خلیفہ ہو اُس کو چاہئے کہ محدّثین کو مجبور

امام احمد بن حنبل





کا اقرار کرائے۔ چنانچہ اُسکے جانشین معتصم باللہ نے بھی وہی
کاروائی شروع کی۔ اور چونکہ امام احمد رح اپنے انکار پر مصر تھے اُن پر
سختی شروع کی گئی چنانچہ متعدد قید خانوں میں قید کئے گئے کبھی اصطبل میں
کبھی عام قید خانوں میں کبھی نہایت تنگ و تاریک مکان میں اور اُس اثنا
میں اکثر مناظرے بھی ہوئے مگر آپ کے مقابلہ میں جو آتا اُسکو ساکت کردیتے
آخر بادشاہ نے دو شخصوں کو مناظرے کے لئے بھیجا آپنے اُنسے پوچھا
کہ تم خدائے تعالیٰ کے علم کو مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق اُنہوں نے کہا کہ
مخلوق آپنے فرمایا اس قول سے تم کافر ہو گئے۔ کسی نے کہا آپ یہ کیا کرتے
ہو یہ بادشاہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ فرمایا ہاں یہی بھیجے ہوئے کافر ہو گئے
وہ دونوں تین روز تک مناظرہ کے لئے آیا کئے ہر روز بے نیل مرام
جاتے وقت ایک بیڑی امام احمد رح کے پاؤں میں اضافہ کردیتے۔ چنانچہ
اب چار بیڑیاں آپ کے پاؤں میں ہو گئیں۔ چوتھے روز بادشاہ نے
خود اپنے روبرو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ حاکم بغداد نے آپ کو بلوا کر کہا
کہ اب اگر آپ اقرار نہ کرو گے تو بادشاہ نے قسم کھائی ہے کہ ہر روز آپکو
کوڑے لگوائے جائیں گے یہاں تک کہ آپ یا اقرار کریں یا اسی عذاب
سے مرجائیں۔ اور آپ کے قید کے لئے ایک نہایت تنگ و تاریک
مکان تجویز کیا گیا ہے پھر اُنسے کہا بھلا یہ تو خیال کرو کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے
انا جعلناہ قرآناً عربیاً۔ یہ کیونکر صحیح ہو سکے کہ قرآن مجعول ہو اور مخلوق نہ ہو۔
آپنے فرمایا حق تعالیٰ نے فجعلہم کعصف ماکول بھی فرمایا ہے۔ کیا یہاں تخلیق کے معنی

صادق آتے ہیں مطلب یہ کہ جعل اور خلق مرادف نہیں اسکا کچھ جواب اُس سے نہ ہوسکا اور بادشاہ کے روبرو لیجانیکا حکم دیا۔ چونکہ آپکے ہر پاؤں میں چار چار بھاری بیڑیاں تھیں۔ قدم قدم پر آپ گرتے تھے آخر کسی جانور پر سوار کیگئے اور معتصم کے گھر پہونچے اور ایک نہایت تنگ وتاریک حجرہ میں آپکو داخل کرکے باہر سے قفل لگادیا گیا آپ فرماتے ہیں جب رات کو میں تہجد کا ارادہ کیا اور چراغ تو تھا ہی نہیں تیمم کے لئے مٹی ملجاتی مٹی کی تلاش میں مینے ادہر اودہر ہاتھ دوڑائے یکایک میرا ہاتھ آفتابہ پر پڑا جو پانی سے بھرا ہوا طشت کے ساتھ رکھا تھا میں نے وضو کرکے نماز پڑھ لی۔ صبح کو بادشاہ نے مجھے بلوایا۔ چار بیڑیوں کو سنبھالکر چلنا مشکل تھا اور کوئی چیز نہ تھی جس سے اُن کو باندھ لیتا اس لئے پائیجامہ سے ازاربند نکالکر اُن کو اکٹھے کیا اور پائجامہ کو گرہ دیکر افتان وخیزاں چلا جب بادشاہ کے روبرو پہونچا تو خلق کا ہجوم تھا جس میں ابن دواد اور اُسکے طرفدار بکثرت تھے۔ بادشاہ نے اپنے روبرو مجھے جگہ دی۔ تھوڑی دیر بیڑیوں کی مشقت سے دم لیکر بادشاہ سے پوچھا کہ مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے۔ بادشاہ نے اجازت دی میں نے کہا خدا تعالےٰ بندوں کو کس چیز کی طرف بلاتا ہے۔ بادشاہ نے کہا لاالہ الا اللہ کی شہادت کی طرف میں نے کہا کہ میں لاالہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہوں اور یہ روایت آپ کے دادا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ جب وفد عبد قیس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتمیں حاضر ہوا آپنے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ ایمان کیا ہے اُنہوں نے کہا اللہ ورسول اعلم ہیں حضرت نے فرمایا لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کی شہادت اور اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ اور غنیمت کا پانچواں حصہ دینا۔ یہ سنکر بادشاہ نے کہا کہ اگر اپنے سے پہلے بادشاہ کے قید میں میں تمہیں نہ پاتا تو تم سے تعرض نہ کرتا۔ پھر عبدالرحمٰن ابن اسحاق سے کہا کیا میں تجھسے نہیں کہا تھا کہ اِنسے سختی کو اُٹھادے اُس نے کہا کہ اِن کی تعذیب مسلمانوں کی آسایش کا باعث ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ خیر اب مناظرہ کرو۔ اُس نے مجھسے پوچھا قرآن کو تم مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق میں نے کہا خداے تعالیٰ کے علم کو تم مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق وہ کچھ جواب نہ دے سکا۔ مگر ہر طرف سے دلائل اور اعتراضات ہونے لگے اور میں سب کو جواب دیتا گیا۔ یہاں تک سب ساکت ہو گئے۔ اُس وقت ابن دوّاد نے بادشاہ سے کہا خدا کی قسم یہ شخص گمراہ اور گمراہ کرنے والا بدعتی ہے۔ بادشاہ نے کہا اور مناظرہ کرو چنانچہ اس بار کے مناظرہ میں بھی میں ہی غالب آیا اسی طرح دو روز تک مناظرہ ہوتا رہا اس اثنا میں اکثر بادشاہ مجھسے اقرار کر لینے کی فرمایش کرتا اور میں یہی کہتا تھا کہ کوئی آیت یا حدیث اس باب میں پیش کی جائے تو مجھے اُسکے قبول کرنے میں کچھ عذر نہیں تیسرے روز ایک نہایت شاندار دربار کیا گیا جس میں مسلح فوج ایک طرف اور کوڑے لئے ہوئے بہت سے لوگ ایک طرف کھڑے کئے گئے تھے اور میں بلایا گیا جب میں آیا تو حضار دربار سے خاص خاص لوگوں کو مجھسے مناظرہ کرنے اور سمجھانے کا حکم دیا۔ چنانچہ بہت دیر تک مناظرہ ہوا جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو بادشاہ نے مجھے ہٹا کر اُن لوگوں سے تخلیہ کیا اُسکے بعد اُنکو ہٹا کر مجھسے تخلیہ کیا۔ اور کہا اے احمد تم اقرار کرو تو میں ابھی تمہیں رہا کر دیتا ہوں میں نے

وہی کہا کہ بغیر قرآن وحدیث کے میں کوئی بات نہیں مان سکتا۔ یہ سنکر بادشاہ نے نہایت
غصّہ سے کہا اب اس کو کھینچو اور اس کا لباس اُتار و جب قمیص اوتار اگیا تو اُس کی
آستین میں کچھ بندھا ہوا تھا پوچھا یہ کیا ہے میں نے کہا کہ اُس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کا موئے مبارک ہے۔ پھر بادشاہ اپنے مقام سے اٹھکر کرسی پر بیٹھا اور کوڑے
والوں کو بلایا اور اُن کے کوڑے دیکھکر کہا کہ دوسرے کوڑے لاؤ جب دوسرے
کوڑے پسند آسئے تو جلّادوں کو حکم دیا کہ خوب زور سے اِسکو مارو چنانچہ ایک
شخص آگے بڑھا اور زور سے دو کوڑے مار کر ہٹ گیا۔ پھر دوسرے نے
دو مارے اِسیطرح جلّاد نوبت بنوبت آتے اور اپنی پوری طاقت سے دو دو
کوڑے مارتے جب اُنیس کوڑے مارے گئے بادشاہ کو شاید کچھ رحم آگیا
اور اتر کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا اے احمد تم کیوں اپنے نفس کو قتل کرتے ہو
خدا کی قسم مجھے تم پر شفقت ہے۔ کوئی تو ایسی بات کہو کہ مجھے تمہارے چھوڑنے
کے لئے حیلہ ہو جائے میں نے اُسوقت بھی یہی کہا کہ اے امیر المومنین کوئی
بات مجھے کتاب اللہ سے معلوم کرائیجاے تو میں ابھی قائل ہو جاتا ہوں
اِسکے ساتھ ہی ہر طرف سے سختیاں شروع ہوئیں۔ کوئی تلوار کے قبضہ سے مار کر
کہتا تھا کیا تو اتنے لوگوں پر غالب آجائے گا۔ کوئی کہتا کہ امیر المومنین کی بات کو
تو نہیں مانتا۔ کوئی کہتا تھا کہ تیرے رفقا سے کسی نے ایسا نہیں کیا جو تو کر رہا ہے
بادشاہ کو غصّہ میں لانے کیلئے کہا کہ امیر المومنین آپ روزہ ہو اور دھوپ میں
اِسکے لئے کھڑے ہو اسکو قتل کر ڈالئے اور اسکا خون میری گردن پر ہے۔
بادشاہ نے کہا اے احمد کچھ تو کہو۔ میں پھر وہی کہا کہ کوئی آیت یا حدیث مجھے بتلا دو

تو میں قبول کرلیتا ہوں۔ بادشاہ نے پھر کرسی پرجا بیٹھا۔ اور جلاّدوں کو زیادہ سختی
کرنے کا حکم دیا۔ لکھا ہے کہ جب امام رح پر پہلا کوڑا پڑا آپنے بسم اللہ کہا۔ اور دوسرے
کوڑے پر لاحول ولاقوۃ الاّ باللہ اور تیسرے پر فرمایا قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق
ہے اور چوتھے کوڑے پر لن یصیبنا الاّ ما کتب اللہ لنا علیٰ ہذا القیاس موقع موقع
کی آیتیں پیش نظر ہوتی تھیں۔ اس اثنا میں ازاربند ٹوٹ گیا اور پائجامہ ناف تک
اتر آیا آپنے آسمان کی طرف دیکھکر کہا الہٰی اگر تو جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں تو میری
بے ستری نہ ہو۔ لکھا ہے کہ پائجامہ وہیں رک گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد آپ
بیہوش ہو گئے اور وہاں سے اٹھا کر کسی مکان میں آپ کو لٹا دیا۔ آپ فرماتے
ہیں کہ جب سختی سے کوڑے پڑنے لگے تو میں بیہوش ہو گیا اور نہ مجھے کچھ خبر
نہیں کہ اُسکے بعد کیا ہوا جب ہوش آیا تو دیکھا کہ بیڑیاں پیروں سے نکلی ہوئی
ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ جب آپ بیہوش ہو کر گر گئے تو لوگوں نے آپ کو پیروں
سے خوب روندا۔ آپنے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں۔ غرض کامل اٹھائیس مہینے
آپ پر اقسام کی مصیبتیں ڈالی گئیں آخر بمجبوری رہا کئے گئے۔ لکھا ہے کہ ہوش
آنے کے بعد کسی نے ستو پیش کیا۔ آپنے فرمایا کہ میں روزہ نہ توڑونگا پھر نماز ظہر
ایسی حالت میں پڑھی کہ زخموں سے خون جاری تھا کسی نے کہا یہ نماز کیسی
خون آپکے کپڑوں میں جاری ہے۔ فرمایا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک بار ایسی
حالت میں نماز پڑھی ہے۔ اُسکے بعد آپ رہا کئے گئے۔ امام رح کے فرزند
صالح کہتے ہیں کہ یہ واقعہ رمضان میں ہوا کئی روز آپ پر ایسے گذرے کہ بغیر
سحر اور افطار کے روزے رکھا کئے اور کسی کو موقع نہ ملا کہ کھانا یا پانی آپکو پہنچا سکے

اور روزانہ مار پڑتی تھی ایک روز کمال تشنگی کی حالت میں بے اختیار آپنے سقا سے پانی مانگا۔ اُس نے برف پڑا ہوا پانی دیا آپنے پیالہ لے لیا اور تھوڑی دیر تک پانی کو دیکھتے رہے۔ آخر خوف الٰہی غالب ہوا اور پانی نہ پی سکے۔ لکھا ہے جب تک آپکو ہوش تھا ہر کوڑے پر آپ معتصم باللہ کے ذمہ کو بری کرتے اور اسکی خطا معاف کرتے تھے کسی نے اُس کی وجہ دریافت کی آپنے فرمایا میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ قیامت میں یہ کہا جائے کہ یہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد اور اہل بیت کا دعویدار ہے۔

حیوۃ الحیوان میں علامہ دمیری رح نے لکھا ہے کہ امام شافعی رح نے مصر میں خواب دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بر آمد ہیں اور فرماتے ہیں کہ احمد بن حنبل کو جنت کی خوشخبری دو کہ وہ اُن مصیبتوں کے معاوضہ میں دی گئی جو قرآن کو مخلوق کہلوانے کی غرض سے اُنپر ڈالی جائینگی اور اُنسے کہدو کہ وہ ہرگز اُسکے قائل نہ ہوں بلکہ صاف کہدیں کہ قرآن غیر مخلوق نازل کیا گیا ہے۔ امام شافعی رح نے اُسی روز یہ واقعہ لکھکر ایک خاص شخص کے ہاتھ میں خط دیا کہ امام احمد ابن حنبل کو بغداد میں پہونچا دے آپنے اُس خط کو دیکھکر ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ پڑھا اور اُس نامہ بر کو بطور انعام اپنا خاص قمیص دیا جو جسم کے ساتھ متصل تھا۔ امام شافعی رح کو جب قمیص کا حال معلوم ہوا تو اُس شخص پر فرمائش کی۔ اُس کا دہوون ہمیں لادو۔ چنانچہ اُس متبرک قمیص کا دہوون اپنے تمام جسم پر سے آپنے بہایا۔ اور اُس میں لکھا ہے کہ محمد ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ جب امام احمد رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر پہونچی تو مجھے نہایت غم ہوا اُسی رات خواب میں دیکھا کہ امام رح نہایت فاخرہ لباس پہنے متکبرانہ رفتار سے چلے

آرہے ہیں میں نے پوچھا حضرت یہ تبختر کیسا۔ فرمایا دار السلام میں خدام کی رفتار کا انداز یہی ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا حق تعالے نے آپکے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ فرمایا مغفرت کی اور تاج اور فاخرہ لباس پہنا کر فرمایا کہ یہ اُس کا بدلہ ہے جو تم نے کہا تھا کہ قرآن میرا کلام غیر مخلوق ہے۔ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں ابو الفرج ابن جوزی کا قول نقل کیا ہے۔ کہ ابراہیم ابن حربی رح نے ایک رات بشر حافی رح کو خواب میں دیکھا کہ مسجد رصافہ کے قریب تشریف فرما ہیں اور آپ کی آستین میں کوئی چیز حرکت کر رہی ہے پوچھا یہ کیا ہے فرمایا یہ شب گذشتہ احمد ابن حنبل رح کی روح جب ہمارے یہاں آئی تو اُسپر موتی اور یاقوت نثار کئے گئے یہ اُسی میں سے ہیں جنکو میں نے چن لیا ہے۔ طبقات شافعیہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ مسئلہ خلق قرآن کی ابتدا مامون نے ۲۱۲ھ میں کی اور ۲۱۸ھ میں اُسپر زور دیا اور ۲۳۴ھ کی آخر تک اِس کا سلسلہ جاری رہا۔ اگرچہ واثق کے زمانہ میں اس فتنہ کا زور ٹوٹا مگر جعفر متوکل نے اُس سے دست بردار ہو کر احکام جاری کئے کہ موافق سنت کے اس مسئلہ میں اعتقاد رکھا جائے اِس مدت میں بہت سے محدثین شہید کئے گئے۔

طبقات شافعیہ اور حیوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کو قید کر کے واثق کے دربار میں لایا گیا۔ ابن ابی دواد نے حسب عادت اُنسے پوچھا کہ تم قرآن کو مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق انہوں نے کہا میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ کہا وہ کیا۔ کہا کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور علی رضی اللہ عنہم بھی جانتے تھے یا نہیں؟ کہا جانتے تھے۔ کہا جبکہ

تم لوگوں کو اُس کی طرف بُلاتے ہو کیا وہ بھی بلاتے تھے یا انہوں نے سکوت کیا تھا؟ کہا سکوت کیا تھا۔ کہا پھر تم کیوں سکوت نہیں کرتے اِس کا جواب اُس سے کچھ نہ ہوسکا اور بادشاہ کے سمجھ میں وہ بات آگئی اور انکو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

طبقات شافعیہ میں ایک لطیفہ لکھا ہے کہ ایک مسخرہ جس کا لقب عبادہ مخنث تھا ایک روز واثق باللہ کے پاس آکر کہا اعظم اللہ اجرک فی القرآن یا امیر المومنین عرب کا دستور ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو اوس کی تعزیت میں اعظم اللہ اجرک کہتے ہیں بادشاہ نے کہا اے کمبخت کیا قرآن بھی مرتا ہے؟ کہا اے امیر المومنین قرآن آخر مخلوق ہے اور مخلوق کا مرنا ضرور ہے۔ پھر پوچھا اے امیر المومنین اگر قرآن مرجائے تو تراویح کون پڑھاگا۔ بادشاہ نے کہا کمبخت چپ رہ۔

اب ہم چند امور یہاں بیان کرتے ہیں جو اِس واقعہ سے مستنبط ہوتے ہیں ہر چند مقصود کتاب سے انکو چنداں تعلق نہیں مگر مناسب مقام ہیں۔

صحبت بد کا اثر

(۱) اِس واقعہ پر نظر ڈالنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ غیر مذہب والوں کی مصاحبت اور مکالمت اور ادیان باطلہ کی کتابوں کے مطالعہ سے اعتقاد پر بُرا اثر پڑتا ہے گو آدمی دیندار اور فاضل ہو دیکھئے خلیفہ مامون کو محدثین اور اہل تاریخ نے جامع فضائل لکھا ہے چنانچہ تاریخ الخلفا وغیرہ میں لکھا ہے کہ وہ حافظ قرآن اور فقہ اور حدیث میں ماہر تھا ایک بار ہارون رشید نے اسکو عیسٰی ابن یونس کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے سو حدیثیں اسکو سنائیں۔ مامون نے کہا حضرت میں چاہتا ہوں کہ اعادہ کرکے اُن کی تصحیح کروں اور انہوں نے اجازت دی مامون نے پوری سو حدیثیں لفظ بلفظ زبانی پڑھ کر سنادیں۔ اور باوجود اِس علم وفضل کے

وہ عابد بھی تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ بعضے رمضانوں میں قرآن کے تینتیس۳۳ ختم کیے
اور اہل بیت کرام کیساتھ اُسکو دلی محبت اور عقیدت تھی چنانچہ اسی وجہ سے اپنی
لڑکی حضرت علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دی اور آپ کے نام کا سکہ جاری
کیا اور اپنے بھائی کو جو ولیعہد تھا موقوف کرکے آپکو ولیعہد مقرر کیا اور اسکی شہرت
دی اور سیاہ رنگ جو خلفائے عباسیہ کا بانا تھا چھوڑکر سبز رنگ اختیار کیا
اور مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ اپنے آپ کو معزول کرکے حضرت ممدوح کو مسند خلافت
پر بٹھلادے مگر اسی عرصہ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ غرضکہ خلفائے عباسیہ میں
تو کیا دوسرے سلاطین میں بھی اُن صفات کا جامع شاید ہی کوئی ہوا ہو ایسے شخص
فاضل کو ایک فاسدالاعتقاد ابن ابی دواد کی صحبت اور نیز فلسفہ کی کتابیں جو جزیرہ
قبرس میں اُسکے ہاتھ آئیں اُن کے مطالعہ نے اس مسئلہ میں اُسکو بیباک اور جادۂ
اہل سُنّت سے منحرف کردیا۔

ابن ابی دواد کے تقرب کی وجہ یہ تھی کہ مامون ذی کمال اور فاضل شخص تھا
اور ابن ابی دواد بھی بڑا ہی فاضل باکمال تھا۔ چنانچہ ابن خلکانؒ نے اُس کی
طباعی اور تبحر علمی کے کئی واقعے وفیات الاعیان میں لکھے ہیں منجملہ اُن کے
ایک یہ ہے کہ مامون کی مجلس میں ایک بار ذکر آیا کہ لیلۃ العقبہ میں انصار نے
جو بیعت کی اُن کے کیا نام ہیں ہر شخص نے اپنے معلومات بیان کیے مگر
مقصود حاصل نہ ہوا۔ اس عرصہ میں ابن ابی دواد آگیا جب اُس سے پوچھا گیا
تو فوراً ایک ایک کا نام مع کنیت اور انساب بیان کردیا۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا
اور کہا کہ کسی فاضل کیساتھ آدمی ہمنشینی چاہے تو ابن ابی دواد جیسے آدمی کو چاہیے

کرے اور قاعدہ کی بات ہے کہ اہل کمال اہل کمال کو دوست رکھا کرتے ہیں۔ اِس مناسبت سے مامون نے اُس کو اپنا مقرب بنایا اور اپنے تبحر علمی اور کمال تدین کے بھروسے اُسکے مذہب و مشرب کی کچھ پروانہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں اُس فتنہ کی آتش مشتعل ہوئی اور ایک مدت تک اہل اسلام کا ایک منتخب گروہ حیران و پریشان رہا۔ یہ ہے اثر بری صحبت کا۔

بے ادب خود را نہ تنہا داشت بد بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

بادشاہوں کی مخالفت بھی مخالفت دین کی باعث ہوئی

(۲) یہ مسئلہ اُس زمانہ میں عقلی انداز پر پیش نہیں ہوا بلکہ مذہبی رنگ میں دکھلایا گیا کہ قرآن غیر مخلوق ہو تو خالق کے ساتھ شرک ہو جاتا ہے اسیوجہ سے سلاطین اسلامیہ نے اُسکے انسداد کو اپنا فرض منصبی سمجھا باوجودیکہ مامون نہایت رحم دل حلیم بادشاہ تھا۔ مگر اِس مقدمہ میں علم و عقل اُس سے نہ ہو سکا حالانکہ اُس کی ذاتی کتنی ہی توہین کیجاتی کچھ مواخذہ نہ کرتا چنانچہ تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ ایک بار وہ دجلہ کے کنارے بیٹھا تھا ایک ملاح یہ کہتا ہوا گذرا کیا تم سمجھتے ہو کہ میری آنکھوں میں مامون کی کچھ وقعت ہے ہرگز نہیں اسلئے کہ اُسنے اپنے بھائی امین کو قتل کرڈالا۔ بادشاہ تبسم کرتا ہوا حضار مجلس سے پوچھا کہ تم کوئی ایسا حیلہ جانتے ہو کہ میری وقعت اِس بزرگ کی آنکھوں میں ہو۔ اُس کا قول تھا کہ مجھے کسی کا قصور معاف کرنے میں نہایت تلذذ ہوتا ہے یہاں تک کہ اِس تلذذ کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ عفو کے ثواب سے کہیں محروم نہ رہجاؤں اور کہا کرتا تھا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عفو کو میں کس قدر دوست رکھتا ہوں تو لوگ میرا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے مرتکب جرائم ہوا کریں گے۔ باوجود اِس کے

اِس مذہبی معاملہ میں اُس نے نہ حلم کیا نہ عفو قصور بلکہ حکم قطعی جاری کردیا کہ جو شخص اقرار نہ کرے اُس کی گردن مار ڈالی جائے چونکہ منشا اُس کا حفاظت دین تھا اِسلئے وہ لوگ اُسکو باعث تقرب الٰہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ طبقات شافعیہ میں لکھا ہے کہ احمد ابن نصر خزاعی رح جو شیخ جلیل القدر تھے۔ واثق باللہ کے دربار میں حاضر کئے گئے۔ بادشاہ نے سوال کیا کہ قرآن کے باب میں تم کیا کہتے ہو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اُس نے کہا مخلوق ہے یا غیر مخلوق کہا اللہ کا کلام ہے ہر چند کسی ایک شق کو اختیار کرنیکے لئے اصرار کیا گیا مگر آپ یہی کہتے کہ وہ اللہ کا کلام ہے۔ اہل دربار میں سے کسی نے کہا یہ شخص حلال الدم ہے اسکو قتل کرنا چاہیئے۔ ابن ابی دواد نے کہا کہ اِن کی عقل میں فتور معلوم ہوتا ہے بہتر ہے کہ چند روز ان کو مہلت دیجائے۔ شاید اِس عرصہ میں توبہ کرلیں بادشاہ نے کہا میری دانست میں یہ شخص اشد کافر ہے کہ اپنے اعتقاد سے ٹلتا نہیں یہ کہہ کر تلوار منگوائی اور کہا کہ میرے ساتھ کوئی نہ اُٹھے میں خود اپنے ہاتھ سے اس کو قتل کرتا ہوں کیونکہ جتنے قدم اِس کام میں میں چلوں باعث اجر ہیں۔ چنانچہ اپنے ہاتھ سے اُنکو قتل کرکے اُنکا سر بغداد کے شرقی جانب میں چند روز اور غربی جانب میں چند روز لٹکانے کا حکم دیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو کہ اِس عقیدہ والوں کی یہ سزا ہے اور اُنکے کان میں یہ پرچہ لٹکایا گیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ سر احمد ابن نصر ابن مالک کا ہے اُس سے عبداللہ واثق باللہ امیرالمؤمنین نے کہا کہ قرآن کو مخلوق کہے مگر اُس نے سرکشی کی اِسلئے اللہ نے اُسکو دوزخ میں بھیجدیا۔

لکھا ہے کہ اُن کی شہادت کے بعد تھوڑے عرصہ میں واثق کا انتقال ہوا اور اُسکا بھائی متوکل باللہ مسند خلافت پر بیٹھا۔ ایک روز عبدالعزیز بن یحییٰ کنانی نے عرض کیا کہ ایک عجیب واقعہ دیکھا گیا کہ جب واثق نے احمد بن نصر خزاعی کی گردن ماری تو اُن کے دفن تک قران اُن کی زبان سے اکثر سنا گیا۔ متوکل کو اِس واقعہ کے سُننے سے عبرت ہوئی اور فکر میں بیٹھا تھا کہ محمد ابن عبدالملک زیات حاضر ہوا متوکل نے اُس سے کہا کہ احمد ابن نصر کے قتل کا مجھے ملال ہے۔ اُسنے کہا اے امیرالمومنین اگر واثق نے اُسکو کفر کی وجہ سے نہ مار ڈالا ہو تو اللہ مجھے آگ سے جلادے اُسکے بعد ہرثمہ آیا اُس سے بھی بادشاہ نے ملال ظاہر کیا اُسنے کہا اے امیرالمومنین اگر واثق نے اُسکو کفر کی وجہ سے نہ مار ڈالا ہو تو خدا ہر ایک عضو میرا جدا کردے اُسکے بعد ابن ابی دواد آیا بادشاہ نے اُس سے بھی ویسا ہی کہا اُسنے بھی تسکین دی کہ اگر وہ کفر کی وجہ سے نہ مار ڈالا گیا ہو تو خدا مجھے فالج سے ہلاک کردے۔ لکھا ہے کہ تھوڑے عرصہ میں وہ تینوں نے جسطرح کہا تھا اُسی موت سے وہ مرے۔ حیوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ احمد بن نصر خزاعیؒ کو بعد شہادت کسی بزرگ نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے آپکے ساتھ کیا معاملہ کیا کہا کہ مغفرت کی لیکن تین روز سے میں ایک غم میں مبتلا تھا۔ پوچھا غم کیا۔ کہا دوبار نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے روبرو سے تشریف لے گئے مگر میری طرف توجہ نہیں کی تیسرے روز جب تشریف فرما ہوئے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ کیا میں حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں تھے فرمایا ہاں تم ہی حق پر تھے۔ میں نے عرض کیا پھر حضرت جو مجھسے اعراض فرماتے ہیں اس کی کیا وجہ؟ فرمایا تم سے

مجھے شرم آتی ہے کہ میرے اہل بیت میں سے تمہیں ایک شخص نے قتل کیا
اسمیں شک نہیں کہ مسئلہ قرآن میں بعضے سلاطین اِس تشدد اور قتل کو اپنے زعم
میں گو تائید دین سمجھے تھے لیکن باطل پر ضرور تھے مگر اُنکے اِس تشدد کا یہ اثر تو
ضرور ہوا کہ اہل باطل کے حوصلے پست ہو گئے کسی کی مجال نہ تھی کہ دین میں کوئی
نئی بات نکال سکے اور یہ خوف لوگوں کے دلوں میں طاری ہو گیا تھا کہ جب ایسے
ایسے نامی وگرامی علما جنکو عموماً محدثین اور اہل حق اپنے مقتدا مانتے ہیں ایک مسئلہ میں
خلاف کرنے سے اُنکے قتل عام کا حکم ہو گیا اور ہر طرف دار وگیر ہونے لگی تو ہر کس
وناکس کس قطار وشمار میں - بہرحال ان کارروائیوں سے ثابت ہے کہ جس طرح
اہل حق سے دین کی تائید اور حفاظت ہوئی ان سلاطین کے رعب و داب سے
بھی دین کی حفاظت ہوئی اب غور کیا جائے کہ جس طرح اِس آخری زمانہ میں جس کا
جو جی چاہتا ہے قرآن وحدیث میں تاویلیں کرکے ایک گروہ اپنا علانیہ قائم کرلیتا
ہے کیا اِن سلاطین کے زمانہ میں یہ ممکن تھا ؟ اُن کی طرز حکومت گواہی دے رہی
ہے کہ جتنی آزادی ادیان باطلہ کو تھی مسلمانوں کو نہ تھی - دیکھ لیجئے خلق قرآن کے
مسئلہ میں صرف محدثین مجبور کئے جاتے تھے کسی یہودی اور عیسائی سے اِس
مسئلہ کا سوال ہی نہ ہوا حالانکہ وہ بھی کلام الٰہی کے قائل تھے - ہاں اسلامی مذاہب
باطلہ کے موجد اور سرپرست مخفی طور پر جاہلوں کو مناسبت طبیعی طلاقت لسانی سے
اپنے ہمخیال بنا لیتے تھے اور کبھی کبھی موقع پاکر کسی مسئلہ میں عقلی دلائل سے
بادشاہوں کو بھی دہوکہ دیدیتے - چنانچہ بعضے اصحاب غیلان نے یزید ناقص کو
جو سلاطین بنی امیہ میں تھا - قدری بنالیا تھا جس کی وجہ سے چند روز مذہب قدریہ

کو تائید ملی اسی طرح مامون کو معتزلی نے مسئلہ خلق قرآن میں دھوکا دیدیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسلام میں قدیم سے جو مذہب قرنا بعد قرن چلا آرہا ہے وہ مذہب اہل سنّت وجماعت ہے اور اُس کے سوا جتنے مذاہب ہیں سب حادث ہیں جنکا موجد ایک ہی ایک شخص ہوا کیا۔ مثلاً مذہب قدریہ کا موجد معبدجہنی ہے جو صحابہ کے زمانہ میں تھا اور جس صحابی نے اُسکی بدعت سُنی اُس سے ابرای ذمہ کر کے اُسکی مخالفت کا اعلان کیا اسی طرح مذہب اعتزال کا موجد واصل ابن عطا ہے جو تابعین کے زمانہ میں تھا۔ اسی طرح کل مذاہب باطلہ کا حال ہے جو مذہب اہل سنّت وجماعت سے علیحدہ ہوکر قران میں ایسی بدنما تاویلیں کرتے جو صراحتہً تحریف ہیں۔ اور اپنی مرضی کے مطابق بحسب ضرورت حدیثیں بنا لیتے اور جو حدیثیں اپنے مقصود کے مخالف تھے انکو موضوع قرار دیتے یا تاویلیں کرتے کیونکہ نئی بات کا موجد جو تمام امت موجودہ سے علیحدگی اختیار کرتا ہے۔ جب تک ایسی کارسازیاں نہ کرے۔ کوئی شخص اُس کا ہمخیال نہیں بن سکتا۔ بخلاف اسکے اہل سنّت وجماعت کو جو ہر ایک موجد کے زمانہ میں موجود تھے ایسی کارروائیوں کی ضرورت ہی نہ تھی اس سے ظاہر ہے کہ صرف اہل سنّت وجماعت کا مذہب ایسا ہے جس میں کسی کے ایجاد واختراع کو دخل نہیں۔ اور یہ مسلم ہے کہ ہمارا آسمانی دین کسی کے ایجاد واختراع کو جائز نہیں رکھتا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمادیا کہ اس دین میں تہتر (۷۳) مذہب بنائے جائیں گے مگر وہ کل مذاہب ناری ہیں اور ناجی ایک ہی مذہب ہے کسی نے پوچھا وہ کونسا مذہب ہے فرمایا جسپر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ کما فی المشکوٰۃ عن عبد اللہ بن عمرو

مذہب اہل سنت اصل دین ہے اور دوسرے مذاہب اختراعی ہیں

تہتر مذہبوں میں سے اہل سنت وجماعت ہی ناجی ہیں

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتفترق امتی علی ثلاثۃ وسبعین ملۃ کلہم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ہی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی رواہ الترمذی وفی معناہ ما رواہ احمد وابو داؤد اسی وجہ سے تابعین نے احادیث اور اقوال صحابہ کو محفوظ کرلیا تاکہ وہ ناجی مذہب ہاتھ سے جاتا نہ رہے اور ان کے بعد کے طبقات میں بھی ان کی پوری پوری حفاظت ہوتی گئی۔ ہر چند اہل مذاہب باطلہ نے بہت کچھ فکریں کیں کہ اپنے خیالات باطلہ کو دینی مسائل اور اعتقادات میں مخلوط کردیں چنانچہ طلاقت لسانی سے کام لیا بعضے سلاطین کو اپنے ہمخیال بنا کر مسلمانوں پر دباؤ ڈالا۔ جعلسازیاں کیں مگر بفضلہ تعالیٰ ان کی کچھ چل نہ سکی۔ اور ان کے تراشیدہ خیالات دین میں ایسے ممتاز رہے جیسے دودھ میں مکھی جنکو مسلمانوں نے نکال کر پھینکدیا اور بفضلہ تعالیٰ وہی خالص دین ہم تک برابر پہونچگیا الحمد اللہ علی ذلک۔

(۳) اگرچہ شرعاً اجازت ہے کہ جبر واکراہ کے موقع میں زبان سے کوئی کلمۂ کفر کہدیا جائے تو مضائقہ نہیں جیسا کہ اس آیۂ شریفہ سے ظاہر ہے من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدراً فعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم اسیوجہ سے اکثر محدثین نے قرآن کے مخلوق ہونے کا زبانی اقرار کرلیا تھا اور امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ بھی اس مسئلہ کو خوب جانتے تھے باوجود اسکے آپ جو انکار کرتے رہے اس کی وجہ یہی تھی کہ اگر کل علماء مصلحۃً قرآن کا اقرار کرلیتے تو عوام الناس اس مصلحت کو تو نہ سمجھتے بلکہ یہ خیال کرلیتے کہ اگر یہ اعتقاد باطل ہوتا کوئی اس کی مخالفت کرتا۔ اور ان کا یہ بھی خیال تھا کہ معلوم نہیں یہ طوفان بے تمیزی کب تک رہیگا اگر ایک مدت تک یہی اعتقاد فاسد عوام الناس کے ذہن

میں جمارہے تو اہل حق کو آئندہ اُس کی اصلاح میں دشواریاں لاحق ہونگی۔ غرضکہ ان
خیالات سے آپ اور آپ کے چند ہمخیال محدثین نے اقسام کی سختیاں اٹھائیں
بلکہ جان تک دیدی مگر حق بات ظاہر کرتے رہے جس سے تمام مسلمانوں میں
یہ بات مشہور ہوگئی کہ یہ مسئلہ دین میں ایسا ضروری اور مہتم بالشان ہے کہ اُسکے مقابلہ
میں جان بھی کوئی چیز نہیں چنانچہ اس کا یہ اثر ہوا کہ اسی مسئلہ پر اہل حق و باطل کا
امتیاز قرار پایا نہایت شد و مد سے احتیاط ہونے لگی چنانچہ حضرت غوث الثقلین
رضی اللہ عنہ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں وہو کلام اللہ فی صدور الحافظین
والسن الناطقین فی اکف الکاتبین وملاحظۃ الناظرین ومصاحف اہل الاسلام والواح
الصبیان حیثما رؤی ووجد فمن زعم انہ مخلوق او عبارۃ او التلاوۃ غیر المتلوا وقال
لفظی بالقرآن مخلوق فہو کافر باللہ العظیم ولایخالط ولا یواکل ولاینا کح ولایجاور بل یہجر ویہان
ولا یصلی خلفہ ولا یقبل شہادتہ ولا یصح ولایتہ فی نکاح ولیہ ولا یصلی علیہ اذا مات فان
ظفر بہ استتیب ثلاثا کالمرتد فان تاب والا قتل سئل الامام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ عمن
قال لفظی مخلوق فقال کفر وقال رحمہ اللہ فمن قال القرآن کلام اللہ لیس بمخلوق والتلاوۃ
مخلوقۃ کفر۔ تلاوت اور متلو میں جو فرق ہے اہل علم خوب جانتے ہیں مگر چونکہ عوام ایسے
امور میں فرق نہیں کر سکتے اِسلئے دونوں کا ایک ہی حکم قرار دیا گیا تھا تاکہ قرآن کی
مخلوق ہونیکا کسی کو خیال بھی نہ آئے اور یہ تشدد اس قسم کا تھا جیسے تحریم خمر کے
زمانہ میں ظروف خمر کا استعمال بھی حرام کر دیا گیا تھا۔ باوجودیکہ امام بخاری رح
کی جلالت شان تمام محدثین میں مسلّم ہے مگر جب انہوں نے یہ کہا کہ قرآن تو غیر مخلوق ہے
مگر اُس کا تلفظ کرنا جو انسان کا فعل ہے وہ مخلوق ہے اتنی بات پر اُس زمانہ کی محدثین

اُنسے بگڑے چنانچہ طبقات شافعیہ میں امام سبکی رح نے لکھاہے کہ جب امام بخاری رح
نیشاپور گئے تو علماء بغداد نے ذہلی رح کو جو وہاں شیخ الشیوخ مانے جاتے
تھے لکھ بھیجا کہ محمد اسمعیل بخاری وہاں آتے ہیں اُن کا عقیدہ ہے کہ تلفظ بالقرآن
مخلوق ہے ہر چند ہم نے انکو اِس عقیدہ سے منع کیا مگر وہ نہیں مانتے اسلئے
سب سے کہدیا جاے کہ کوئی اُن کے پاس نہ جاے چونکہ امام بخاری رح کی شہرت
ہر ملک میں تھی نیشاپور میں آپ کی تشریف فرمائی کا حال معلوم ہوا تو آپ کے استقبال
میں خلق کا ایک ہجوم تھا چنانچہ طبقات شافعیہ میں لکھاہے کہ صرف وہ لوگ جو گھوڑوں پر
سوار تھے چار ہزار تھے اور جو لوگ خچروں اور گدھوں پر سوار تھے یا پیادہ تھے
اُن کی تو گنتی نہیں ہر روز محدثین اور طلبہ جوق جوق بغرض استفادہ تلمذ حاضر ہوتے
ایک روز جب خوب مجمع ہوا ایک شخص نے کھڑے ہوکر پوچھا کہ حضرت تلفظ بالقرآن
کو آپ مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق - ہر چند آپنے ٹالا مگر اُسنے پیچھا نہ چھوڑا آخر آپنے
اپنی تحقیق بیان کی کہ قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اور بندہ کے کل افعال مخلوق
ہیں یعنی تلفظ بندہ کا فعل ہے. اِسلئے وہ مخلوق ہے. یہ کہنا ہی تھا کہ مجلس میں شور
مچگیا اور کل حضار مجلس چلے گئے اور اودہر ذہلی رح نے اعلان دیا کہ جو شخص بخاری
کے پاس جائے وہ ہمارے پاس نہ آئے کیونکہ جو شخص تلفظ بالقرآن کو مخلوق کہے
وہ بدعتی ہے اُسکے ساتھ بیٹھنا اور اُس سے بات کرنی درست نہیں غرض امام بخاری رح
اس مسئلہ میں اس قدر مطعون اور دل تنگ ہوئے کہ ایک کتاب اس باب میں
لکھنے کی ضرورت ہوئی جس کا نام خلق افعال عباد رکھا اس میں بہت سی آیتوں اور
حدیثوں سے استدلال کیا اور بہت سے دلائل قائم کئے منجملہ اُن کے چند یہ ہیں

قراۃ القرآن العمل ومن قال عمل العباد لیس بمخلوق فہو کافر۔ اور لکھا ہے ان البلاغ منہ صلی اللہ علیہ وسلم وان کلام اللہ من ربہ۔ اور لکھا ہے القراءۃ فعل العبد ولا یخفی معرفۃ ہذا القدر الا عن اعمی اللہ قلبہ ولم یوفقہ ولم یہدہ سبیل الرشاد اور لکھا ہے جمیع القرآن ہو قولہ والقول صفۃ القائل وہو موصوف بہ فالقرآن قول اللہ عزوجل والقراءۃ والکتابۃ والحفظ للقرآن من فعل الخلق اور ہر ایک استدلال میں احادیث بکثرت پیش کئے ہیں۔

تہذیب التہذیب سے ظاہر ہے کہ حسین بن علی کرابیسی کو محدثین معتبر سمجھتے تھے چنانچہ خطیب بغدادی نے اُن کی نسبت لکھا ہے کان فہما عالما فقیہا ولہ تصانیف کثیرۃ فی الفقہ وفی الاصول تدل علی حسن فہمہ وغزارۃ علمہ۔ باوجود اسکے جب انہوں نے امام احمد بن حنبل رح کی مخالفت کی اور مخالفت بھی اسی قدر کہ لفظی بالقرآن مخلوق کہتے تھے ورنہ قرآن کے غیر مخلوق ہونے کے وہ بھی قائل تھے۔ تو محدثین نے ان کو ترک کردیا اور لکھا ہے کہ امام بخاری رح اُن کی صحبت میں رہتے تھے اُن ہی سے یہ مسئلہ انہوں نے لیا ہے۔

تہذیب التہذیب میں ابوبکر احمد رمادی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ کسی نے ابوداؤد سے پوچھا کہ آپ رمادی کی روایتیں کیوں نہیں بیان کرتے کہا رأیتہ یصحب الواقفۃ فلم احدث عنہ یعنی میں نے اُسکو دیکھا کہ اُن لوگوں کے ساتھ رہا کرتا ہے جو قرآن کو غیر مخلوق کہنے میں توقف کرتے ہیں اسلئے اُس سے روایت نہیں لی۔ حالانکہ تہذیب التہذیب سے ظاہر ہے کہ رمادی کے حفظ وغیرہ کی توثیق محدثین نے کی ہے۔

تذکرۃ الحفاظ میں اسحٰق ابن ابی اسرائیل کا حال لکھا ہے کہ محدثین نے اُن کی توثیق میں یہاں تک کہا ہے کہ حفظ و ورع میں اُن کا نظیر نہیں مگر جب انہوں نے قرآن کو غیر مخلوق کہنے میں توقف کیا تو محدثین نے اُن کو ترک کر دیا اور تہذیب التہذیب میں انکے ترجمہ میں ابو حاتم رازی کا قول نقل کیا ہے کہ پیشتر ہم لوگ اُنسے روایت لیتے تھے مگر جب انہوں نے قرآن کے مسئلہ میں توقف کیا تو ہم نے اُنسے حدیث لینے میں توقف کیا اور محدثین نے انکو ترک کر دیا چنانچہ میں کبھی کبھی اُن کی مسجد میں جاتا تو دیکھتا کہ وہ اکیلے بیٹھے ہیں۔ اور کوئی اُن کے پاس نہیں جاتا۔
تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ابن شرقی کہتے ہیں کہ میں محمد ابن یحییٰ کے حلقہ میں گیا انہوں نے اہل حلقہ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ تلفظ بالقرآن کو جو شخص مخلوق کہے وہ ہماری مجلس میں نہ آئے۔ کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ ابو یوسف رح کہتے ہیں کہ مسئلہ خلق قرآن میں چھ مہینے تک ابو حنیفہ رح کے ساتھ میں مناظرہ کرتا رہا۔ آخر میری اور اُن کی رائے کا اتفاق اس پر ہوا کہ جو شخص قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے اور محمد رح بھی اسی کے قائل ہیں۔

مقصود ہمارا اس بیان سے اسیقدر ہے کہ اس مسئلہ میں محدثین نے اس قدر احتیاط کی کہ امام بخاری رح جیسے مستند شیخ وقت کی کسی نے نہ مانی اور مدتوں وہ مطعون رہے اور بہت سے محدثین متروک کر دئے گئے اور سلاطین کی وہ جابرانہ کارروائیاں سب کان لم یکن ہو گئیں بلکہ بمصداق۔ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد جس قدر انہوں نے تشدد کیا تھا اُس سے زیادہ محدثین کی طرف سے اس مسئلہ میں تشدد ہوا۔ اور سلطنت نے جس بات پر اپنا پورا زور لگایا تھا اُس کا نتیجہ یہ ہوا

کہ اُس کی مخالفت نہایت شدومد سے کی گئی اور سلطنت سے کچھ نہ ہوسکا غرضکہ
سلاطین کی پوری مخالفت سے بھی دین کا ایک مسئلہ بگڑ سکا۔ محدثین نے
اِس مسئلہ میں اس قدر تشدد اس وجہ سے کیا کہ ایک حدیث شریف میں خود آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے جس کی حفاظت اِن جانبازانِ
اسلام نے کی اب غور کیجئے کہ کس قدر اِن حضرات کو استقامت تھی کہ ہر چند سلطنت
مخالف ہوگئی مگر ایک حدیث کو بھی انہوں نے تلف ہونے نہ دیا۔ یہ لوگ ہیں جس سے
دین کی حفاظت ہوئی اگر خالص دین پوچھئے تو وہی ہے جو ان حضرات کے
ذریعے سے پہونچا ہے ایسے ہی افراد سے دین لینے کی ضرورت عقلاً اور شرعاً
ثابت ہے۔ کنز العمال میں ہے عن ابن عمر رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یا ابن آدم دینک دینک انما ہو لحمک ودمک فانظر عمن تاخذ خذ الدین عن الذین استقاموا
ولا تاخذ عن الذین قالوا (عد) یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ابن آدم دین کو
خوب مستحکم کر وہ تیرا گوشت و خون ہے یعنی قوام روحانی اُسی سے ہے دین کو
دیکھ سمجھ کے لے۔ ایسے لوگوں سے لے جنکو دین میں استقامت حاصل ہے
اور اُن لوگوں سے مت لے جو کہتے ہیں یعنی باتیں ہی باتیں ہیں اور عمل ندارد۔
اور عقل بھی اسکو مقتضی ہے اسلئے کہ جو لوگ صرف طمع دنیوی سے دین کے مسائل
میں تصرف کرتے ہیں یا عقل کی پیروی کرکے قرآن و حدیث کے معنی میں تحریف کرتی
ہیں اُنسے جو بات لیجائیگی اُسکو دین سے کیا تعلق وہ تو اُن کی رائے ہوئی اور
دین کسی کی رائے کا نام نہیں۔ وہ خاص خدا اور رسول کا مقرر کیا ہوا ہے جس کا
ثبوت آیات و احادیث سے صراحۃً ہوا ہو غرضکہ محدثین کی جانفشانیاں اور اولوالعزمیاں

نمونہ حالات حضرات محدثین

اور وہ امور جن سے حفاظت حدیث تعلق ہے مثل حافظہ تدین اور احتیاط وغیرہ دیکھے جائیں تو اہل انصاف کا وجدان خود گواہی دیگا کہ یہ حضرات خاص احادیث کی حفاظت کے لئے پیدا کئے گئے تھے اب ہم چند حالات بھی ان حضرات کے بطور مشتے نمونہ از خروارے تبرکاً ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جس سے ہمارے قول کی تصدیق ہو جائیگی۔

مقدمۂ فتح الباری میں شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رح نے لکھا ہے کہ امام بخاری رح کے والد مالدار شخص تھے پچیس ہزار درہم انہوں نے کسی کو مضاربت کی غرض سے دئے تھے اُنکے انتقال کے بعد اُس شخص نے چاہا کہ وہ مال غصب کرے لوگوں نے امام بخاری سے کہا کہ والی سے اسباب میں مدد لیجئے آپنے فرمایا کہ اگر میں والی سے کوئی درخواست کروں تو وہ مجھسے بھی کچھہ خواہش کریگا اور میں دین کو دنیا کے عوض ہرگز بیچنا نہیں چاہتا اُسکے بعد اُس شخص نے اسبات پر صلح کی کہ ہر مہینے دس درہم دیا کرونگا۔ آپ اُسی پر راضی ہوگئے اور خود امام بخاری رح کا قول نقل کیا ہے کہ جب میں آدم ابن ایاس کے یہاں تحصیل حدیث کے لئے گیا اُسوقت میرے پاس کچھہ خرچ نہ تھا کئی روز گذران اس طور پر رہی کہ جب زیادہ بہوک لگتی تو جنگل کو جا کر کچھہ پتے بوٹیاں کھا لیتا طبقات شافعیہ میں امام سبکی رح نے لکھا ہے کہ عمر بن حفص کہتے ہیں کہ ہم بصرہ میں بخاری رح کے ساتھ حدیث لکھتے تھے۔ ایک بارکئے روز اُنسے ملاقات نہ ہوئی اتفاقاً ایک روز کسی حجرہ میں اُن کو دیکھا کہ برہنہ بیٹھے ہیں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ لباس نہ ہونے کی وجہ سے باہر نہ نکل سکے اور خرچ بھی ہو گیا تھا۔

ہم نے چندہ کرکے انکو لباس بنادیا۔ ان کی اولوالعزمی کا خیال کیجئے کہ کہانیکی
وہ حالت اور کپڑے کی یہ حالت باوجود اسکے اُن کی ہمت میں ذرا بھی
فرق نہ آیا اور کمال حاصل کرہی لیا اور لکھا ہے کہ حامد ابن اسمٰعیل وغیرہ کہتے
ہیں کہ بخاری رح لڑکپن میں ہمارے ساتھ اساتذہ کے یہاں جاتے مگر چپ
چاپ بیٹھے رہتے کبھی کوئی حدیث نہیں لکھی ہم اکثر کہا کرتے کہ جب ہر روز تم
آتے ہو کیوں نہیں لکھا کرتے اس تضیع اوقات سے کیا فائدہ یہ سنکر چپ ہوجاتے
ایک روز جب ہم نے بہت ملامت کی تو کہا کہ تم نے مجھے تنگ کردیا اچھا جو
حدیثیں تم نے لکھی ہیں۔ وہ سب نکالو جب ہم نے نکالا تو پندرہ ہزار سے زیادہ
ہوگئی تھیں کہا یہ سب مجھسے زبانی سُن لو چنانچہ وہ پڑھتے گئے اور ہم اُنسے سنکر
تصحیح بھی کرتے گئے اسکے بعد جب وہ کسی شیخ کے یہاں جاتے تو طالبعلموں
کا اُنکے ساتھ مجمع رہتا چونکہ وہ کم عمر تھے کسی جگہ راہ میں زبردستی انکو بٹھا لیتے اور اُنسے
احادیث کی تصحیح کرتے اور ہزاروں شائقین کا وہاں مجمع ہوجاتا اور اکثر انہی کی
روایت کرتے۔

تذکرۃ الحافظ میں ابن ابی حاتم کا حال لکھا ہے کہ وہ مصر میں سات مہینے رہے
وہ کہتے ہیں کہ اس عرصہ میں سالن کہانے کی کبھی نوبت نہ آئی دن کو اساتذہ کی
خدمت میں جاتے اور رات کو سبق لکھ لیتے یا لکھے ہوے کا مقابلہ کرتے
اُن کا بیان ہے کہ ایک روز میں اور میرے ہم سبق رفیق ایک شیخ کے یہاں
گئے معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہیں واپسی کے وقت بازار میں ایک مچھلی نظر آئی چونکہ
فرصت تھی اُسکو ہم نے خریدا جب گھر پہونچے تو دوسرے شیخ کی تدریس کا وقت

ہو چکا تھا ہم وہاں چلے گئے اور وہ مچھلی رکھی رہی اور تین روز تک اُسکے پکانیکی نوبت نہ آئی آخر بھوک کی حالت میں جس قدر کھائی گئی کچی کھائی۔

علمائے سلف میں مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شروانی نے لکھا ہے کہ ابن مقری بیان فرماتے ہیں کہ میں نے صرف ایک نسخہ ابن فضالہ کی خاطر ستر منزل کا سفر کیا تھا۔ اُس نسخے کی ظاہری حیثیت یہ ہے کہ اگر کسی نان بائی کو دیا جائے تو وہ ایک روٹی بھی اُسکے عوض میں دینا گوارا نہ کرے گا۔ اِسکے علاوہ امام موصوف نے چار مرتبہ مشرق (ممالک ایشیا) اور مغرب (ممالک افریقہ و اسپین) کا سفر کیا تھا اور دس دفعہ بیت المقدس گئے تھے۔

اُسی میں ابن طاہر مقدسی کا حال تذکرۃ الحفاظ سے لکھا ہے کہ انہوں نے جتنے سفر طلب حدیث میں کئے کبھی سواری کا سہارا نہیں لیا۔ سواری اور باربرداری دونوں کا کام وہ اپنے ہی نفس سے لیتے تھے سفر پیادہ کرتے تھے اور کتابوں کا پشتارہ پشت پر ہوتا تھا مشقت پیادہ روی کبھی کبھی یہ رنگ لاتی کہ پیشاب میں خون آنے لگتا اسی جفاکشی سے جو سیاحت حافظ ممدوح نے کی اُس میں حسب ذیل مقامات منجملہ اور مقاموں کے تھے۔ بغداد۔ مکہ کرمہ جزیرہ تنیس (واقع بحیرۂ روم) دمشق۔ حلب۔ جزیرہ۔ اصفہان۔ نیشاپور۔ ہرات رحبہ۔ توقان۔ مدینہ طیبہ۔ نہاوند۔ ہمدان۔ واسط۔ ساوہ۔ اسد آباد۔ انبار اسفرائن۔ آمل۔ اہواز۔ بسطام۔ خسروجرد۔ جرجان۔ آمد استرآباد۔ بوسنج۔ بصرہ دینور۔ ری۔ سرخس۔ شیراز۔ قزوین۔ کوفہ۔ اِسکے سوا محدثین کے شوق اور علو ہمت اور استقلال وغیرہ کے وقائع بکثرت ہیں جنمیں سے اکثر علمائے سلف میں مذکور ہیں

اب اُن حضرات کے حافظہ کا بھی تھوڑا سا حال سُن لیجئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حافظہ کا تو حال کسیقدر ابھی معلوم ہوا اسکے سوا اور بہت سے حالات کتابوں میں مذکور ہیں۔ بستان المحدثین میں شاہ عبدالعزیز رح نے امام ترمذی رح کے حافظہ کا حال لکھا ہے کہ کسی شیخ سے آپنے دو جزو روایتیں لکھلی تھیں۔ مگر اُس کی تصحیح کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ایک عرصہ کے بعد مکہ معظمہ کی راہ میں اُنسے ملاقات ہوئی آپنے اُن روایتوں کی تصحیح کی درخواست کی۔ شیخ نے فرمایا۔ اچھا وہ جزو نکالو۔ آپنے نکالے شیخ نے پڑھنا شروع کیا اور آپ سنتے جاتے تھے اور جزو برائے نام ہاتھ میں تھے۔ اتفاقاً وہ جزو سادے تھے جنپر شیخ کی نگاہ پڑگئی غصہ سے شیخ نے کہا کیا تم استہزا کرتے ہو آپنے کہا مجھے اجزا کے دیکھنے کی ضرورت نہیں وہ کل حدیثیں مجھے یاد ہیں شیخ نے فرمایا اگر یاد ہیں تو پڑھو آپنے پوری حدیثیں مع اسناد سنادیں شیخ نے امتحاناً چالیس حدیثیں اپنی غرائب پڑھیں جو دوسروں کے پاس نہیں تھیں۔ آپنے وہ حدیثیں بھی مع اسناد سنادیں۔

جب امام محمد صاحب امام صاحب کی خدمت میں گئے آپنے فرمایا پہلے قرآن یاد کرلو یہ سنکر وہ چلے گئے اور ایک ہفتہ میں یاد کرلیا۔ طبقات شافعیہ میں امام سبکی رح نے لکھا ہے کہ ابوالفضل ہمدانی جب نیشاپور گئے تو اُنکے حافظہ کی وہاں بڑی شہرت ہوئی اور فی الواقع حافظہ تھا بھی ایسا ہی سو شعر ایک بار کے سُننے میں اُن کو ایسے یاد ہو جاتے تھے کہ آخری شعر سے شروع کر کے ایک ایک شعر اول تک سنا دیتے۔ چنانچہ اسی پر اُنکو بدیع الزمان کا لقب وہاں ملا

ایک روز انہوں نے بکمال فخر سے کہا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فن حدیث میں حافظ ہے اور اکابر محدثین کا ذکر اس لقب سے کیا جاتا ہے سو وہ کوئی نادرات نہیں یہ کیفیت حافظ ابو عبداللہ حاکم کو پہونچی انہوں نے حدیث کا ایک جزو اُن کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ ایک ہفتہ کی آپ کو مہلت ہے اسکو خوب یاد کر کے سنا دیجئے مدت گذرنیکے بعد انہوں نے یہ کہکر وہ جزو واپس کر دیے کہ یہ کون یاد کرے محمد ابن فلاں او رجعفر ابن فلاں اور عن فلاں مختلف نام اور ایسے الفاظ کہ جن میں کوئی مناسبت نہیں حاکم رح نے کہلایا بس اپنے حافظہ کا مقدار سمجھ رکھیے یعنی اشعار کا یاد ہو جانا اور ہے اور حدیثوں کا یاد رکھنا اور۔ اشعار کے مضمون میں مناسبت ہوتی ہے اور احادیث کے اسنادوں میں اور ناموں میں کوئی ربط مناسبت نہیں ہوتی یہاں صرف حافظہ کا کام ہے جو خاص موہبت الٰہی ہے تہذیب التہذیب میں اسحٰق ابن ابراہیم کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ایک بار انہوں نے گیارہ ہزار حدیثیں مع اسناد زبانی لکھوادیں پھر جب شاگردوں نے دوبارہ پڑھنے کو کہا تو بلا کم و کاست اعادہ کر دیا۔ اور ایک حرف کی کمی و زیادتی نہیں کی۔ اس قسم کے واقعات کتب رجال میں بکثرت مذکور ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنے نامی گرامی محدثین ہیں سب کو اعلیٰ درجہ کا حافظہ عنایت ہوا تھا۔ اسی وجہ سے اُن کا لقب حافظ ہوا کرتا تھا چنانچہ امام ذہبی رح نے خاص ان حضرات کے حالات میں ایک کتاب چار جلدوں میں لکھکر اُس کا نام ہی تذکرۃ الحفاظ رکھا۔ چونکہ حفاظت حدیث کا مدار حافظہ پر ہے اسوجہ سے راویوں کے حافظہ کی تحقیق و تفتیش خاص طور پر ہوا کرتی تھی اگر پیرانہ سری کی وجہ سے کسی کے حافظہ میں ضعف آجاتا تو وہ کبیر

مستند شیخ الشیوخ مانے گئے ہوں متروک کردئے جاتے تھے۔ تہذیب التہذیب میں ابن حجر عسقلانی رح نے جریر ابن حازم کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ اعمش اور ایوب اور ابن مبارک اور وکیع رح وغیرہ کے استاد ہیں جن میں کسی قسم کا کلام نہیں ہوسکتا مگر جب اُن کے حافظہ میں ضعف آگیا تو خود اُن کے فرزندوں نے اُن کو ترک کردیا۔ ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ جس قوم میں شوق تحصیل حدیث اور علو ہمت اور استقلال اور قوت حافظہ مافوق العادت حق تعالیٰ نے دی ہو تو بدلیل انی یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ مثل قرآن کے احادیث نبویہ بھی محفوظ رہیں کیونکہ اس کا انکار نہیں ہوسکتا کہ جس قوم کو خدائیتعالیٰ کوئی فضیلت دینا چاہتا ہے تو اولاً لائق اور قابل افراد پیدا کرکے ایسے صفات اُن کو عطا فرماتا ہے کہ اُن کو کام میں لائیں تو اُس فضیلت کے مستحق ہو جائیں پھر عمل کی توفیق بھی دیجاتی ہے جس سے وہ کوششیں کرکے وہ فضیلت حاصل کرلیتے ہیں۔ غرضکہ حضرات محدثین کو تمامی اہل اسلام میں اس فضیلت کا افتخار ضرور حاصل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو انہوں نے محفوظ کردیا۔

پھر علاوہ صفات مذکورہ کے ان حضرات کی طبیعتوں میں احتیاط انتہا درجہ کی تھی۔ وہ ہرگز گوارا نہیں کرتے تھے کہ کوئی ایسی بات دین میں شریک ہو جاے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہ ہو۔ یہ احتیاط صحابہ ہی کے زمانہ سے شروع ہو گئی تھی۔ منشأ اس کا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار جس سے ظاہر ہے کہ حضرت کے اقوال وافعال سے متعلق کوئی خلاف واقع بات بیان کی جاے تو اُس کا انجام دوزخ ہے

شیخین کا روایتِ حدیث سے روکنا اور اس کا سبب

اِس وجہ سے صحابہ کو کسی حدیث میں ذرا بھی شک ہوتا تو اُس کو بیان نہ کرتے اِس خیال سے کہ کہیں اس وعید کے مستحق نہ ہو جائیں۔ اسی احتیاط نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو احادیث کے جمع کرنے سے روک دیا تھا۔ تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ آپ نے پانسو حدیثیں جمع کی تھیں مگر اس خیال سے کہ اُن میں کوئی حدیث شاید خلاف واقع ہو۔ سب کو جلا دیا۔ اور باوجود اُس ملازمت اور تقرّب کے صرف تخمیناً سو روایتیں آپ سے مروی ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں ابو ہریرہ رضہ کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح میں اس وقت حدیثیں بیان کرتا ہوں اگر عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیان کرتا تو مجھے دُرّے مارتے اور لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود اور ابوالدرداء اور ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہم کو تین روز قید رکھا اور فرمایا کہ تم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ساری حدیثیں روایت کیں۔ اور جب آپ نے قرظہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو عراق بھیجا تو اُن کو تاکید کی کہ حدیث کی روایت بہت کم کریں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا فلیبلغ الشاہد الغائب وغیرہ فرمایا جس سے ظاہر ہے کہ صحابہ کو ضرور تھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سُنا اور دیکھا ہے اُمت کو پہنچا دیں اور نیز احادیث میں علم کی اشاعت کی ترغیبیں اور چھپانے کی وعیدیں وارد ہیں اور اُس زمانہ میں سوائے قرآن وحدیث کے کوئی دوسرا علم نہ تھا۔ غرضکہ کئی طرح سے ثابت ہے کہ احادیث کی اشاعت صحابہ کا فرض منصبی تھا۔ پھر صدیق اکبر اور عمر رضی اللہ عنہما کا اس سے منع کرنا کیسا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اُن حضرات نے روایت حدیث کرنے سے ہرگز منع نہیں کیا اور نہ اُنکو یہ منظور رہتا ۔ کہ تمامی امت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادوں سے محروم رہجاے ۔ اور نہ اونکا یہ خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل ارشادات صحابہ ہی کے واسطے تھے اور بعد آنے والی اُمت اُن خطابات اور احکام کی مامور نہیں ۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قیامت تک حضرت ہی کی نبوت ہے اور نبی کے ارشادات اُمت کو معلوم ہونے کی ضرورت ہے ۔ بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شارع تھے ہر موقع اور اشخاص کے لحاظ سے جو احکام مناسب ہوتے بذریعہ الہام آپ کو معلوم ہوجاتے اور آپ اُن کو بیان فرما دیتے ۔ جیساکہ قران شریف سے ظاہر ہے کما قال تعالیٰ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کہتے ۔ وہ ایک قسم کی وحی ہے جو انکو ہوا کرتی ہے اور سُنن دارمی میں روایت ہے ۔ عن حسان رضہ قال کان جبریل ینزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالسنۃ کما ینزل علیہ بالقران ۔ اس سے تو جبریل علیہ السلام ہی کا سُنّت کو لانا ثابت ہوتا ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے ارشادات میں اختلاف ضرور رہوگا پھر اگر وہ سب بیان کردے جائیں تو لوگ حیرانی میں پڑ جائیں گے ان وجوہ سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اختلافی روایات بیان کرنے سے منع کیا تھا چنانچہ یہی بات آپ کے اِس قول سے ظاہر ہے جو تذکرۃ الحفاظ میں منقول ہے ۔ انّ الصدیق جمع النّاس بعد وفاۃ نبیھم فقال انکم تحدّثون عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احادیث تختلفون فیھا والنّاس بعدکم اشد اختلافاً

فلا تحدثوا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً فمن سألکم فقولوا بیننا وبینکم کتاب اللہ فاستحلوا حلالہ وحرموا حرامہ۔ یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بعد وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ جو روایتیں تم لوگ کرتے ہو اُن میں اختلاف ہوتا ہے۔ اور جب تم ہی میں اختلاف ہو تو تمہارے بعد والے اور بھی سخت اختلاف میں پڑجائیں گے۔ اِسلئے اختلافی روایتیں مت بیان کیا کرو اگر کوئی تم سے پوچھے تو یہی کہدینا کہ ہم میں اور تم میں قرآن موجود ہے جو چیزیں اُس میں حلال ہیں اُنکو حلال اور جو حرام ہیں اُنکو حرام سمجھو اس سے ظاہر ہے کہ صدیق اکبر رض کو اختلاف سے روکنا منظور تھا وہ بھی صرف حلال وحرام میں اور دوسری حدیثوں سے کوئی تعرض نہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ حلت وحرمت سے متعلق حدیثیں بہ نسبت تمام حدیثوں کے عشر عشیر بھی نہیں النکت میں ابن حجر عسقلانی رح نے امام احمد رح کا قول نقل کیا ہے کہ حلال وحرام کے باب میں احادیث مرفوعہ کل آٹھ سو ہیں۔ اور عبداللہ بن مبارک کا قول نقل کیا ہے۔ کہ نو سو ہیں۔ بہرحال اِن آٹھ نو سو کے سوا لاکھوں حدیثیں ہیں جن میں خدائے تعالیٰ کی صفات اور وعظ ونصیحت اور اخلاق اور احوال برزخ اور قیامت اور جنت اور دوزخ اور اخبار امم سابقہ اور پیشین گوئیاں اور موجودات عالم کے حقائق وغیرہ امور مذکور ہیں جس طرح آیات قرآنیہ جو احکام میں وارد ہیں صرف پانسو ہیں حالانکہ کل آیتیں چھ ہزار چھ سو سولہ ہیں جیسا کہ امام سیوطی رح نے الاتقان فی علوم القرآن میں لکھا ہے۔

غرضکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو کل احادیث کی روایت کی اجازت

دی اور صرف احکام کے باب میں یہ خیال کیا کہ قرآن شریف میں وہ کل موجود ہیں
اور احادیث میں اختلاف ہونے کی وجہ سے امت میں اختلاف پڑ جانے کا
اندیشہ ہے۔ اسلئے صرف اُن حدیثوں کی روایت سے روکا جو احکام میں وارد
ہیں اور وہ بھی ایسی کہ اختلافی ہوں۔ اسیطرح عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر بھی
یہی مصلحت تھی اگر یہ حضرات نفس حدیث کو بے ضرورت سمجھتے تو ہر بات میں
خود حدیثیں کیوں تلاش کرتے جس کا ثبوت متعدد روایتوں سے ملتا ہے۔
یہ بات درایت کے بالکل خلاف ہے کہ صحابۂ کبار نے مطلقاً روایت حدیث
کو جائز نہیں رکھا یہ کیونکر ہو سکتا ہے وہ حضرات جانتے تھے کہ خود سرورِ عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافق اور تفرقہ انداز موجود تھے تو بعد کے
زمانوں کا کیا حال ہوگا۔ اور تاویل کے لئے کوئی حد نہیں اگر احادیث بھی
نہ رہے تو جس کا جو جی چاہے گا قرآن کے معنی بنا لیگا۔ اور ان معنی کو غلط ثابت
کرنیکے لئے اہل حق کے پاس کوئی دلیل نہ رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا
کہ بے دینوں نے قرآن کے جو معنی کئے دین سے اُنکو کوئی تعلق نہیں
منہاج السنۃ میں ابن تیمیہ رح نے لکھا ہے کہ ابو منصور جو فرقہ منصوریہ کا بانی
تھا اُس کی یہ تعلیم تھی کہ قرآن میں جنت اور دوزخ کا جو ذکر ہے وہ دو شخصوں
کے نام ہیں۔ مطلب یہ کہ اچھے بُرے افعال کی جزا و سزا کچھ نہیں جس کا جو جی چاہے
کرے مگر حاکموں کے مواخذے سے بچکر۔ اور میتہ اور خنزیر وغیرہ جو قرآنمیں
میں مذکور ہیں وہ بھی چند اشخاص کے نام ہیں جن کی محبت حرام کی گئی تھی ورنہ
گوشت تو آدمی کی غذا اور باعث تقویت ہے ایسی چیز کیوں حرام ہونے لگی۔

بے دینوں کی تاویلیں قرآن میں

اسی طرح صوم وصلوٰۃ۔ زکوٰۃ اور حج وغیرہ بھی لوگوں کے نام ہیں جن کی محبت ہر مسلمان پر واجب ہے۔ غرضکہ قرآن میں تاویلیں کر کے کل تکلیفات شرعیہ کو اُنھے اُٹھا دیا اور باوجود اسکے اس فرقہ کا دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں قرآن پر ہمارا ایمان ہے۔ توحید و رسالت کے قائل ہیں۔ مگر فرق اس قدر ہے کہ قرآن کے جو معنی اور لوگ کیا کرتے ہیں ہم نہیں کرتے۔ عبدالکریم شہرستانی رح نے ملل ونحل میں لکھا ہے کہ مغیرہ ابن سعید عجلی جو فرقہ مغیریہ کا سرگروہ ہے اُس کی تعلیم یہ تھی کہ حق تعالیٰ جو فرماتا ہے۔ انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوماً جہولا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امانت یہ بات تھی کہ علی ابن ابی طالب رضہ کو امام نہ ہونے دینا یہ بات آسمان و زمین اور جبال نے قبول نہ کی اور ڈر گئے۔ (کیونکہ علی رضہ کی شجاعت شہرۂ آفاق ہے) پھر وہ بات انسان پر پیش کی گئی تو عمر رضہ نے ابوبکر رضہ سے کہا کہ تم اُن کو امام ہونے نہ دو اور میں تمہاری تائید میں موجود ہوں اس شرط پر کہ مجھے اپنا خلیفہ بنا نا اُنھوں نے قبول کیا۔ چنانچہ اُن دونوں نے اُس امانت کو اُٹھا لیا سو یہی بات ہے جو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وحملہا الانسان انہ کان ظلوماً جہولا یعنی وہ دونوں ظالم وجہول ہیں۔ اگر فرق سابقہ اور موجودہ کی کتابیں دیکھی جائیں تو یہ صاف معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ان لوگوں نے قرآن کو کھلونا بنا لیا ہے۔ کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ جو معنی ان لوگوں نے اپنی مرضی کے مطابق بنا لئے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی مراد ہے؟ کیا انہی تراشیدہ خیالات کا نام آسمانی دین ہو سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو حقیقت صوم وصلوٰۃ وغیرہ حدیث سے معلوم نہ ہو اور اُس سے کہا جائے

کہ وہ چند آدمیوں کے نام تھے تو اسکو اِس اعتقاد سے انکار کرنے کا کیا ذریعہ
آخر ایک گروہ نے مان ہی لیا اگر احادیث اُن کے پیش نظر ہوتیں تو کیا اُسکی
دغابازی چل سکتی ہرگز نہیں۔ اسیوجہ سے ربیعہ رضؔ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے قرآن
نازل تو فرمایا مگر حدیثوں کی ضرورت باقی رکھی کما فی الدر المنثور اخرج ابن ابی حاتم
من طریق مالک ابن انس رح عن ربیعہ قال انّ اللّٰہ تبارک وتعالیٰ انزل الکتاب
وترک فیہ موضعا للسنۃ مطلب یہ کہ قرآن شریف میں جو کچھ اجمالی طور پر مذکور
ہے جس کی تفصیل کی ضرورت ہے سو وہ حدیثوں میں مذکور ہے۔ دیکھ لیجئے
قرآن شریف میں فقط نمازوں کا حکم ہے اور اُن کی تعداد اور تعیّن اوقات اور
طریقہ حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے مانا کہ حسب بیان مولوی شبلی صاحب
احادیث غیر متواترہ قطعی الثبوت نہیں ہیں مگر عدل ضابط محتاط راویوں کی روایت
سے ظن غالب تو ہو جاتا ہے۔ پھر جب اُن الفاظ کے لغوی اور شرعی معنوں میں
جو احادیث سے ثابت ہیں مناسبت معلوم ہو جائے اور مسلمانوں کا عمل بھی اُسکے
مؤید ہو تو مسلمان کے دل پر اتنا تو اثر ضرور ہو گا کہ جو خود غرض بے تدین لوگ تصرف
کرکے اپنی رائے سے قرآن کے معنی گھڑ لیتے ہیں اُنکو وہ ہرگز نہ مانے گا۔
پھر اس سے بڑھکر اور کیا فائدہ حدیث سے ہونا چاہئے اُسکی بدولت خود قرآن
جو اصل دین ہے محفوظ ہو جاتا ہے۔

حدیث سے قرآن محرف ہونے سے محفوظ رہتا ہے

کنز العمال میں یہ روایت ہے عن عقبۃ ابن عامر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ
وسلم اتخوف علی امتی اثنتین یتبعون الاریاف والشہوات ویترکون الصلوۃ والقرآن
یتعلمہ المنافقون یجادلون بہ اہل العلم رواہ الطبرانی جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خوف اس بات کا ہے کہ منافق لوگ قرآن کو سیکھ کر اہل علم سے جھگڑے کرینگے۔ جس بات کا خوف حضرت کو تھا وہی بات پیش آئی چونکہ منافقوں کو صرف جھگڑے کرنا اور اسلام میں رخنے ڈالنا منظور ہوتا ہے اسلئے وہ فقط قرآن ہی کی طرف متوجہ ہوکر اسکو سیکھ لیتے ہیں اور علما کے ساتھ مجادلے اور رسالہ بازیاں کرتے ہیں۔ اگر قرآن کے ساتھ حدیث بھی سیکھیں تو انکو ایسے جھگڑوں کا موقع ہی نہ ملے کیونکہ حدیثوں میں قرآن کے پورے پورے معنی بیان کردئے گئے ہیں اسوجہ سے منافق حدیثوں سے گھبر لتے ہیں۔ اور سرے سے اُن کو بے اعتبار بنانے کی فکر کرتے ہیں۔ بخلاف اہل سنّت کے کہ ہر مسئلہ میں قرآن اور تمام حدیثوں سے جو اس باب میں وارد ہیں جو بات ثابت ہو اُس پر عمل کرتے ہیں۔

درمنثور میں دارمی سے یہ روایت منقول ہے۔ عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ

قال انہ سیاتیکم ناس یجادلونکم بشبہات القرآن فخذوہم بالسنۃ فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ۔ یعنی عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قریب ہے کہ تمہارے پاس لوگ آکر قرآن کے شبہات میں جھگڑے کریں گے۔ سو اُن کو حدیثوں سے الزام دو۔ اسلئے کہ احادیث کو جاننے والے قرآن کو زیادہ جانتے ہیں دیکھ لیجئے جو ہم نے کہا تھا کہ عمر رضہ وغیرہ صحابہ جانتے تھے۔ کہ جھگڑنے والے پیدا ہونگے۔ سو اس حدیث سے اُس کی تصدیق ہوگئی اور جو فرمایا کہ حدیث جاننے والے قرآن کو زیادہ جانتے ہیں اُسکی یہی وجہ ہے کہ حدیث ہمیشہ قرآن کی تائید میں ہوتی ہے غرض اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ

کو حدیثوں کی روایت موقوف کرنی ہرگز منظور نہ تھی ۔ ہو المطلوب ۔ کنز العمال میں

ہے عن یحییٰ ابن ابی اسید ان علی ابن ابی طالب ارسل عبداللہ ابن عباس رضؓ

الی اقوام خرجوا فقال لہ ان خاصموک بالقرآن فخاصمہ بالسنۃ یعنی علی کرم اللہ وجہہ

نے ابن عباس رضؓ کو خوارج کیطرف بھیجا اور فرمایا کہ اگر وہ قرآن سے استدلال

کریں تو تم سنت یعنی حدیث سے استدلال کرو" اسکی وجہ یہی ہے کہ قرآن میں

حسب مرضی مخالفین تاویلیں کر سکتے ہیں ۔ مگر جب احادیث سے قرآن کے

معنی متعین ہو جائیں تو پھر کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی ۔ غرضکہ احادیث اور

صحابہ کے اقوال اور عمل اور نیز درایت سے ثابت ہے کہ دین میں احادیث

کی سخت ضرورت ہے ۔ ورنہ دین حالت اصلی پر باقی نہیں رہ سکتا ۔ انہیں اسباب

سے صحابہ کو جتنی حدیثیں یاد تھیں حسب ارشاد فلیبلغ الشاہد الغائب سب طالبین

حدیث کو پہونچا دیں ۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ نے جن روایتوں کو کسی مصلحت سے

عمر بھر چھپا رکھا تھا وہ بھی انتقال کے قریب بیان کر کے اپنے فرض منصبی سے

سبکدوش ہو گئے ۔ ابو ہریرہ رضؓ وغیرہ صحابہ باوجودیکہ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے

اور دھمکیوں کو جانتے تھے مگر اُن کے بعد ان حضرات نے احتیاط اسی میں

سمجھی کہ جو روایتیں اپنے کو یاد ہیں خواہ اختلافی ہوں یا غیر اختلافی سب بیان کر دئیے

جائیں رہا اختلاف سو فقہا اس کو نسٹ لیں گے ۔

حاضر سب غائبوں کو پہونچادیں

احادیث کی اشاعت میں صحابہ کا اختلاف بعینہ ایسا تھا ۔ جیسا کہ قرآن شریف کے

جمع کرنے میں ہوا تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جمع نہ کرنے میں احتیاط سمجھتے

تھے اسوجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جمع نہیں ہوا تھا

اور عمر رضی اللہ عنہ جمع کرنے میں احتیاط سمجھتے تھے تاکہ تلف نہ ہو جائے الحاصل
جس طرح عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل ہونے کی وجہ سے قرآن شریف
محفوظ ہو گیا اسیطرح اکثر صحابہ کی رائے پر عمل ہونیسے احادیث محفوظ ہو گئیں الحمد للہ علی ذالک
جب روایتیں ہر طرف بکثرت ہونے لگیں تو منافقوں اور زندیقوں کو موقع ملگیا اور
ملتے جلتے مضامین کی حدیثیں بنا بنا کر روایتیں کرنے لگے۔ اس طوفان بے تمیزی
کی دفع کرنے کے غرض سے محدثین نے راویوں کی تحقیق شروع کر دی
اور ایک جم غفیر محدثین کا ان کے پیچھے پڑ گیا۔ اور شہر بشہر کوچہ بکوچہ اُن کی
تلاش وتفتیش ہونے لگی ان ہزاروں محققین سے وہ کہاں چھپ سکتے تھے آخر
انکی جعلسازیاں طشت ازبام ہو گئیں اور اُن مفتریوں کی فہرستیں نام بنام اسلامی دنیا
میں شائع ہوئیں۔ اور اب تک کتب رجال میں چھپ کر شائع ہوتی جاتی ہیں۔
تذکرۃ الحفاظ اور تہذیب التہذیب میں ابراہیم ابواسحٰق کوفی کے حال میں لکھا ہے کہ
ایک زندیق کو گرفتار کر کے رشید کے دربار میں لایا گیا جب اُسکے قتل کی تجویز
ہوئی تو اُسنے بادشاہ سے کہا کہ آپ کو خبر بھی ہے کہ میں نے ایکہزار حدیثیں
بنا لی ہیں۔ بادشاہ نے کہا اے عدو اللہ تو نہیں جانتا کہ ابواسحٰق فزاری اور ابن مبارک
ایک ایک حرف کو چھان کر جدا کر دیں گے۔ دیکھئے مرتے دم تک اُس کو یہی
خیال تھا کہ کسی طرح احادیث میں شبہ ڈالدے ورنہ اُسکو کسی نے پوچھا تھا
کہ تو نے کتنی حدیثیں بنائیں اس سے ظاہر ہے کہ ہمیشہ ایسے لوگوں کے پیش نظر
یہی بات رہی کہ حدیثوں میں کسی طرح شبہات پیدا کر دیں چنانچہ مرزا صاحب قادیانی
نے بھی ازالۃ الاوہام میں تو کیسی کیسی تدبیریں کیں کہ کسی طرح احادیث ساقط الاعتبار

ہو جائیں۔ جس کا حال ہم نے افادۃ الافہام میں لکھا ہے غرضکہ ہر زمانہ میں نئی نئی تدابیر اور دلائل سوچے گئے۔ لیکن بفضلہ تعالیٰ اُن کا مقصود کبھی پورا نہ ہوا چنانچہ بادشاہ کے جواب سے ظاہر ہے کہ علما کے مقابلہ میں اُن کی کارروائیاں کبھی نہیں چل سکتیں۔

مولوی شمس العلما شبلی صاحب نے سیرۃ النعمان میں لکھا ہے۔ زبانی روایت سے گذر کر تحریروں میں بھی جعل شروع ہو گیا تھا۔ مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ ابن عباس حضرت علی کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے بیچ بیچ میں الفاظ چھوڑتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ واللہ علی رضؓ نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔ اسی طرح ایک اور دفعہ عبداللہ بن عباس نے حضرت علی رضؓ کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی سب عبارت مٹا دی"۔ دیکھئے روافض نے جو باتیں علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلوں اور تحریروں میں زیادہ کی تھیں ابن عباس نے سب کو مٹا کر اصل کو محفوظ کر دیا اسیطرح ہر قرن کے محققین نے جعلسازیونکی زیادتیوں کو دور کر کے اصل احادیث کو محفوظ کر دیا۔ یوں تو ان حضرات نے موضوع حدیثونکو مختلف تدبیروں اور طریقوں سے پہچانا مگر انئیں معرفت موضوع کا ایک طریقہ ایسا بھی ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا جیسا کہ اس حدیث شریف میں ہے۔ عن سمرۃ ابن جندبؓ قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فہو احد الکاذبین حم م ہ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص ایسی حدیث میری طرف سے روایت کرے جسکو وہ جھوٹ گمان کرتا ہے وہ بھی ایک جھوٹا ہے چونکہ محدثین کو سوائے حدیثوں کے پڑھنے پڑھانے کے

کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ اس مزاولت اور ممارست سے اونکو ایک خاص ملکہ اور درایت
حاصل ہوگئی تھی جس سے احادیث نبویہ کو اوراونکے کلام سے ممتاز کر لیتے تھے
اور جس میں گمان ہوتا کہ وہ کسی دوسرے کا کلام ہے۔ اُسکو روایت ہی نہ کرتے
تاکہ کہیں کاذبوں میں شریک نہ ہوجائیں۔

شمس العلما مولوی شبلی صاحب سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں کہ بعض محدثین کا قول ہے
اثر یہجم علی قلوبہم لا یمکنہم ردہ وحیاۃ نفسانیہ لامعدل لہم۔ یعنی وہ ایک اثر ہے جو آئمہ
حدیث کے دل پر وارد ہوتا ہے۔ اور وہ اوسکو رد نہیں کر سکتے۔ اور نفسانی
اثر ہے جس سے گریز نہیں ہوسکتا۔ محدثین کا یہ دعوی بالکل صحیح ہے بے شبہ
فن روایت کی ممارست سے ایک ملکہ یا ذوق پیدا ہوتا ہے۔ جس سے خود تمیز
ہوجاتی ہے۔ کہ یہ قول رسول اللہؐ کا ہوسکتا ہے یا نہیں انتہی۔ اسی ملکہ اور ذوق کو
ہم اسلامی درایت سے تعبیر کرینگے۔ غرضکہ اسلامی درایت کے مخالف
جتنی حدیثیں تھیں سب صحت کے دائرہ سے خارج کر دی گئیں۔ رہیں وہ
حدیثیں جنکو دوسری ملت والے یا معمولی عقلیں خلاف درایت سمجھتے ہیں انکو
بلا تکلف روایت کی اسلئے کہ اجنبی لوگوں کی درایت میں جو چیز امکان عادی کے
خلاف ہو۔ وہ قابل قبول نہیں اور ہمارے دین میں امکان عادی تو کیا بلکہ امکان ذاتی کی مخالف
جو امور سمجھے جاتے ہیں اُن کا وقوع بلکہ ضرورت قرآن شریف سے ثابت ہے۔
مثلاً بعد فنا ہڈیاں بوسیدہ بلکہ خاک ہونے کے بعد پھر مردوں کا زندہ ہو کر قبروں سے
نکلنا۔ اور ایک لکڑی کا اژدہا بنجانا وغیرہ امور اس طور پر ثابت ہیں کہ جب تک اُن کا
یقین نہ ہو آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اسکے سوا ہزاروں مسلمان ایسے امور نبی صلی اللہ

علیہ وسلم سے ہمیشہ دیکھا کئے کہ جنکو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ ان یقینی اور متواتر شہادتوں نے
مسلمانوں کی درایت کو دوسری اقوام کی درایت سے ممتاز کر دیا تھا اور یہ کوئی نئی
بات نہیں۔ درایتوں میں فرق ہوا ہی کرتا ہے۔ دیکھ لیجیے جس زمانہ میں ریل اور تار
وغیرہ عجائب روزگار کی خبریں سُنی جاتی تھیں۔ تو اونکو عقلاً مخالف درایت سمجھکر قبول
نہیں کرتے تھے اور اب تک یہی بات جاری ہے کہ اس قسم کی کوئی نئی خبر
سُنی جاتی ہے تو بعضوں کی درایت قبول کرلیتی اور بعضوں کی نہیں قبول کرتی پھر
مشاہدہ یا تواتر سے معلوم ہونے کے بعد طوعاً و کرہاً ماننا پڑتا ہے۔ غرضکہ اسلامی
درایت کے مخالف جتنی حدیثیں تھیں وہ سب موضوع قرار پائیں اور جتنی حدیثیں
صحیح سمجھی گئیں مثلاً معراج وغیرہ کی جنکے سمجھنے میں عقل حیران ہوتی ہے وہ اسلامی
درایت کے موافق ہیں۔ اُن کی صحت میں کوئی مسلمان کلام نہیں کرسکتا۔

اگر کہا جائے کہ درایت ایک قسم کی چیز ہے جس میں تمام افراد انسانی برابر ہیں۔
اِسلئے درایت اسلامی کوئی علیحدہ چیز نہیں ہوسکتی۔

تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہر فن کی کثرت مزاولت سے ایک ایسی قوت آدمی میں
پیدا ہوتی ہے جو دوسرے میں نہیں ہوسکتی۔ اِسلئے اُس کی درایت بھی الگ ہوجاتی ہے
درایتوں کا متفاوت ہونا اس سے ظاہر ہے کہ امریکہ اور یورپ کے صناع
جن عجائبات کا ایجاد کرتے ہیں اُن کا سمجھنا اوروں کو دشوار ہوتا ہے اکثر
ایجادیں تو ایسی ہیں کہ ناواقف شخص جب تک نہیں دیکھتا اُن کے وجود کو نہیں
تسلیم کرتا دیکھئے ایسے شخص کی اور موجد کی درایت میں کس قدر فرق ہے
فیثاغورث اور حکما سے جدیدہ کے مقلدوں کی درایتیں بالکل الگ ہیں

اُن کی درایت جن باتوں کو قبول کرتی ہے۔ دنیا میں کسی عقلمند کی درایت انکو قبول نہیں کرسکتی۔ اور نہ سابق کے حکمائے نے اُن کو قبول کیا تھا مثلاً اُن کے یہاں مسلّم ہے کہ آدمی پر تین سو نوے (۳۹۰) من ہوا کا وزن ہے اور وہ دابتی بھی ہے مگر آدمی کو عادت ہونے کی وجہ سے اُس کی حس نہیں ہوتی۔

آدمی ہر چیز کو اُلٹی دیکھتا ہے مثلاً سر نیچے اور پاؤں اوپر۔ اور عادت کی وجہ سے سیدہی سمجھتا ہے۔ ہم ہر سال ایک بار اُنیس کروڑ میل ثوابت کے نزدیک ہوجاتے ہیں۔ اور پھر چھ مہینے کے بعد اُنیس کروڑ میل اُن سے دور ہوجاتے ہیں اور ہر ستارہ اُنیس کروڑ میل نزدیک ہونے پر بھی اتنا ہی نظر آتا ہے جو اُنیس کروڑ میل دور ہونے پے نظر آتا تھا۔ اس قرب و بعد میں نہ اُن کی جسامت محسوسہ میں کچھ تفاوت آتا ہے نہ اُن کے باہمی محسوس فاصلوں میں۔ حالانکہ دو چار میل کے قرب و بعد میں محسوسات کے مقدار محسوس میں تفاوت ظاہر طور پر محسوس ہوتا ہے۔

آفتاب اور زمین و کواکب میں کشش ہے ایک دوسرے کو ہر وقت کھینچتے رہتے ہیں۔ اگر دم بھر یہ کام نہ کریں تو تمام عالم تباہ ہوجائے۔

آفتاب زمین کے دس لاکھ حصّوں سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ اور ساڑھے نو کروڑ میل سے زیادہ زمین سے دور ہے اتنی دور سے زمین باوجود لاکھوں حصّے چھوٹے ہونیکے آفتاب کو اُسی قوت اور زور سے کھینچتی ہے جس قوت سے آفتاب زمین کو کھینچتا ہے۔ اور اسیطرح ایک دوسرے کو دفع بھی کرتے ہیں ورنہ کشاکشی میں ایک دوسرے سے ٹکراسے جاتے۔

ساڑھے نو کروڑ میل کے فاصلے سے زمین آفتاب کو کھینچتی ہے جو اس سے

دس لاکھ حصّے بڑا ہے مگر ایک چڑیا کو جو دس پانچ ہاتھ کے فاصلہ پر اوڑتی ہے
نہیں کھینچ سکتی۔ حالانکہ قوت جاذبہ اُس کی اِس فاصلہ پر نہایت قوی ہوتی ہے
کیونکہ قوت جاذبہ اُسیقدر گھٹتی ہے جس قدر دوری کا مربع بڑھتا ہے۔
الحاصل مقلدین فیثاغورث کی درایتیں ایک خاص قسم کی ہیں جنکے موافق دوسرے
عقلا کی درایتیں نہیں ہوسکیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقلدوں کی
درایتیں بھی ایک خاص قسم کی ہیں۔ اور جس طرح فیثاغورثی درایتوں پر الزام مخالفت
نہیں لگایا جاتا۔ اسیطرح اسلامی درایتوں پر بھی الزام مخالفت کوئی لگا نہیں سکتا۔
مولوی شمس العلما صاحب نے جو سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ جو روایت درایت
کے مخالف ہے موضوع ہے اور درایت کی چند صورتیں بیان کرکے
لکھا ہے کہ اس قسم کے قواعد حدیث کی تحقیق وتنقید میں بھی استعمال کئے
جاتے ہیں۔ اور انہیں کا نام اصول درایت ہے علّامہ ابن جوزی جو فن حدیث
میں بڑا ہی پایہ رکھتے تھے لکھتے ہیں کہ جس حدیث کو تم دیکھو کہ عقل کے
مخالف یا اصول کے مناقض ہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ حدیث موضوع ہے اُس میں
راویوں کی تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہیں اسی طرح وہ حدیث بھی موضوع
ہے۔ جو حس و مشاہدہ سے باطل ہو انتہیٰ۔ اس سے بھی وہی ثابت ہوتا ہے
کہ جو ہم نے کہا ہے کہ درایت سے مراد درایت اسلامی ہے کیونکہ خود ابن
جوزی رح نے ایک کتاب موضوعات دو جلدوں میں لکھی ہے جس میں اکاد
حدیث بخاری ومسلم بھی غلطاً لکھدی ہے اُس میں نہ معراج کی حدیثوں کو موضوع بتایا
نہ معجزات وغیرہ کی حدیثوں کو جو صحاح میں ہیں حالانکہ معمولی درایت والا عقلمند

آدمی نہ معراج کے واقعہ کی تصدیق کر سکتا ہے نہ معجزات کی جن میں جمادات کا باتیں کرنا اور انگلیوں سے چشمہ پانی کا جاری ہو جانا اور قلب حقائق وغیرہ امور خارق عادت ثابت ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ عقل و اصول سے اُنکی مراد اسلامی عقل و اصول ہے ورنہ صحاح میں جتنی روایتیں اس قسم کی ہیں سب کو موضوعات میں داخل کر دیتے کیونکہ اُنہوں نے اِس کتاب میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جو روایت اُن کی تحقیق میں موضوع ثابت ہوتی ہے اُسکے پورے الفاظ بلکہ اسناد بھی بیان کر دیتے ہیں۔

یہ بات ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتی ہے کہ ابن جوزی تو بڑے محدث ہیں ایک معمولی آدمی بھی یہی کہے گا کہ ہمارا دین نقلی ہے۔ ابتدا سے دیکھئے تو یہی ثابت ہوگا کہ عقل کو اُس میں دخل ہی نہیں دیا گیا۔ مثلاً جبریل علیہ السلام جب وحی لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عقلی ثبوت اُنسے نہیں طلب کیا اور یہ نہیں فرمایا کہ کیونکر معلوم ہو کہ تم فرشتے ہو اور خدائے تعالےٰ نے اپنا کلام تمہارے ساتھ بھیجا ہے بلکہ خود آنحضرت کے سینۂ مبارک میں ایک انشراحی کیفیت پیدا ہو گئی جس سے حضرت نے اُن کی تصدیق فرمالی۔ پھر جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضرت نے خبر دی اُنہوں نے بھی کوئی عقلی ثبوت نہیں طلب کیا بلکہ اُنکا بھی شرح صدر ہوا اور تصدیق کر لی۔ اور بعضوں نے جو دلیل طلب کی کہ انہوں نے بھی کوئی عقلی دلیل نہیں طلب کی کہ شکل اوّل او رکسی شکل سے نبوت ثابت کیجائے بلکہ ایسے امور طلب کئے جنکا وقوع خلاف عقل اور خارق عادات ہو مثلاً چاند کا دو ٹکڑے ہونا یا جمادات کا گواہی دینا وغیرہ امور چنانچہ جو کچھ انہوں نے چاہا حضرت نے

کرد کہا دیا ہرچند ہر ایک واقعہ کا ثبوت تواتر سے نہیں ہے۔ مگر جو حدیثیں اس باب
میں وارد ہیں اُنسے نفس معجزہ پر تواتر معنوی ثابت ہے امام سیوطی رح نے خاص
معجزات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک کتاب دو جلدوں میں لکھی ہے جس کا
نام خصائص کبریٰ ہے۔ اور کئی کتابیں اس باب میں بنام شواہد النبوۃ وغیرہ قدما
نے لکھی ہیں۔ جنکے دیکھنے کے بعد کوئی مسلمان نفس معجزہ کے وقوع کا انکار
نہیں کرسکتا۔ غرضنکہ جہاں تک غور کیا جائے ہمارے دین کی بنیاد اُن اصول پر
قائم ہے جو معمولی عقلوں کے خلاف ہیں۔ اسی وجہ سے یہ دین آسمانی تسلیم
کرلیا گیا ہے۔ اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ہمارا دین بالکل مخالف عقل ہے
بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو اصول اور مسائل اس میں بیان کئے گئے ہیں وہ عقل
کے بھی مطابق ہیں۔ چنانچہ اکثر علما نے انکو مدلل بدلائل عقلیہ کردیا ہے مگر اس
سے یہ لازم نہیں آتا کہ خوارق عادات کا وقوع نہیں ہوا۔ بلکہ خوارق کے وقوع
کے بعد بھی عقل کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ کیونکہ یہ عقل ہی سے سمجھنا پڑیگا۔
کہ جنکو خوارق عادات دکھانے کی قدرت دی گئی وہ بیشک خدا کے رسول ہیں
جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تمام عالم کو پیدا کیا اور جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرسکتا
ہے۔ یہ بات قابل تسلیم ہے کہ جب تک معجزات کی تائید نہ ہو کوئی دین آسمانی
نہیں ہوسکتا کیونکہ عقلی اخلاقی اور تمدنی اصول حکمائے نے بھی قائم کئے اور ہر
سلطنت بحسب ضرورت قائم کیا کرتی ہے۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ معجزات کو باطل ٹھہرا کے صدہا کتابوں اور ہزارہا صحابہ
اور تابعین کو جھوٹے قرار دینے میں دین کا کیا فائدہ سوچا گیا۔ یہود ونصاریٰ

مجوس ہنود وغیرہ جو تقریباً کل روے زمین پر بستے ہیں انہیں کوئی فرقہ ایسا نہیں جو خوارقِ
عادات کا منکر ہو۔ یہ لوگ تو ہم پر معجزات کے بارے میں الزام نہیں لگا سکتے۔
رہا ایک فرقہ حکما جو یورپ میں ترقی کر رہا ہے سو اس کے مقابلہ میں ہم اعتراف
بھی کرلیں کہ ہمارے اسلاف نے غلطی کی جو خوارق کے قائل ہوگئے یا وہ جتنی
روایتیں ہیں غلط ہیں اور اس کے بعد اپنے دین کے عقلی اصول جو موجود ہیں
پیش کریں بلکہ اور بھی کچھ اضافہ کردیں تو بھی امید نہیں کہ یہ فرقہ اسلام قبول کرے
سرسید صاحب نے انہیں کے خیال سے غالباً یہ تدبیر نکالی تھی مگر اب تک نہیں
سنا گیا کہ اس تدبیر نے کسی حکیم یا جاہل کو مسلمان بنایا بلکہ یہی سنا جاتا ہے کہ جو نصاریٰ
مسلمان ہوتے جاتے ہیں ان کے رہبر وہی پرانی کتابیں ہیں اور دراصل ان کے
ایمان کا سبب ہی کچھ اور ہے وہ اس آیۂ شریفہ میں مذکور ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ ومن یرد اللہ

ان یہدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما

یصعد فی السماء کذلک یجعل اللہ الرجس علی الذین لایومنون ترجمہ جس شخص کو خدا چاہتا ہے
کہ اُسے راہ راست دکھائے اُسکے سینہ کو (قبول) اسلام کے لئے کھول دیتا ہے
اور جس شخص کو چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے اُسکے سینہ کو تنگ (اور) بھنچا ہوا کردیتا
ہے۔ گویا اسکو آسمان میں چڑھنا پڑتا ہے جو لوگ ایمان نہیں لاتے اُنپر اسیطرح
اللہ کی پھٹکار پڑتی ہے اس سے ظاہر ہے کہ نہ معجزات کی کتابیں پیش کرنے
سے کوئی ایمان لاتا ہے نہ عقلی دلائل قائم کرنے سے جب تک شرح صدر
من جانب اللہ نہ ہو۔ پھر محض ایک موہوم خیال پر وہ بھی ایسا کہ جن کا غیر مفید ہونا عملاً
ثابت ہوگیا۔ ایک حصۂ دین کا باطل ٹھہرانا اور اپنی کتابوں اور اپنے اسلاف کو جھوٹے

قرار دینا کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ دین کی مصلحت اور خیر خواہی تو اس میں ہے کہ اصول نقلیہ اور عقلیہ دونوں ثابت رکھے جائیں۔ اور بحسب ضرورت اور مصلحت وقت ہر ایک کو کام میں لایا جاوے۔ یہ بات مشاہد ہے کہ جب کوئی واعظ اپنی پُر زور تقریر میں خوارق عادات کا ذکر کرتا ہے تو دلوں پر ایک خاص قسم کا اثر پڑتا ہے چنانچہ اسی قسم کی تقریروں سے کرور ہا بے دین لوگ مسلمان ہوئے جن کے یادگار اب بھی کرور ہا موجود ہیں۔

یہ بحث ضمناً آگئی ابتدا سے بحث یہ تھی کہ زنادقہ وغیرہ مخالفین اسلام نے جو حدیثیں بنائی تھیں محدثین نے درایت اسلامی اور دوسرے قرائن و دلائل سے مدد لیکر اُن حدیثوں کو موضوع قرار دیا۔ مگر اس سے بڑھ کر اور ایک آفت کا سامنا محدثین کو ہوا وہ یہ کہ بعض بزرگوں نے بھی کمال خوش اعتقادی سے حدیثیں بنائیں چنانچہ ابن جوزی نے موضوعات میں لکھا ہے کہ ابو عصمہ نوح ابن مریم مروزی سے پوچھا گیا کہ حضرت آپ نے ہر ایک سورہ کی فضیلت میں جو روایتیں کی ہیں۔ عن اکرمہ ابن عباس رضؓ یہ آپ کو کہاں سے مل گئیں عکرمہ کے شاگردوں کے پاس تو ان روایتوں کا وجود نہیں کہا بات یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ابو حنیفہ کی فقہ اور ابن اسحٰق کے مغازی میں ہمہ تن مشغول ہیں اسلئے حسبۃً للہ یہ حدیثیں بنائیں تاکہ ان فضائل کو دیکھ کر تو بھی لوگ قرآن شریف زیادہ پڑھا کریں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ قاضی تھے ابن حبان سے اُن کا حال پوچھا گیا۔ تو کہا صرف ایک صدق تو اُن میں نہیں۔ باقی کل فضائل کے جامع ہیں۔ ابن مبارک رحہ سے اُن کا حال پوچھا گیا کہا لا الٰہ الا اللہ کہا کرتے تھے یعنی مسلمان ہیں یہ سب صحیح مگر تھے بڑے

جو تشلیے کہ فقہ حنفیہ کی شہرت اور درس و تدریس کو دیکھ نہ سکے اور حسبۃً للہ حدیثیں بناڈالیں۔

یحییٰ ابن سعید قطان رح جو تنقیح و تنقید حدیث میں متسند مانے جاتے ہیں اُن کا قول ابن جوزی رح نے موضوعات میں نقل کیا ہے کہ کذب میں اُن لوگوں سے زیادہ میں نے کسی کو نہیں پایا جو خیر و زہد کی طرف منسوب ہیں۔ ان بزرگوں نے کچھ تو خیرخواہی کے جوش میں حدیثیں بناڈالیں اور کچھ اوروں سے سنکر بیان کردیا اور اُس کی کچھ تحقیق نہیں کی کہ راوی مُستند ہے یا نہیں۔ کیونکہ حُسن ظن ان حضرات کا اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ کسی مسلمان کو جھوٹا سمجھتے ہی نہ تھے اسلئے جس نے جو کچھ روایت کی اُس کو صحیح مان لیا۔

تہذیب التہذیب میں رواد بن الجراح کے حال میں ابن عدی کا قول نقل کیا ہے کہ اکثر روایتیں اُن کی ایسی ہوتی ہیں کہ دوسرے راویوں سے اُن کی تصدیق نہیں ہوتی مگر وہ شیخ صالح ہیں۔ اور صالحین کی روایتوں میں کچھ نہ کچھ نکارت ہوتی ہے۔

میزان الاعتدال میں عبدالرحمٰن بن ثابت کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ زاہد اور مستجاب الدعوات تھے مگر امام بخاری اور نسائی وغیرہ نے ان کی حدیثوں میں کلام کیا ہے۔

عبدالواحد ابن زید کے ترجمہ میں میزان میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ زاہد اور صوفیہ کے شیخ تھے چالیس سال انہوں نے عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی اور مجاب الدعوات تھے مگر محدثین نے اُن میں کلام کیا ہے۔

چنانچہ بخاری رح کہتے ہیں کہ اُن کو محدثین نے ترک کردیا اور امام احمد کا قول ہے

کہ اُن کی احادیث موضوع ہوا کرتی ہیں۔
میزان الاعتدال میں امام ذہبی رح نے انہیں لوگوں کو ذکر کیا ہے جنہیں محدّثین نے کلام کیا ہے اُس میں اویس قرنی رح کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ میں نے اُن کو اِس کتاب میں صرف اسوجہ سے ذکر کیا ہے کہ بخاری نے انکو ضعفا میں ذکر کیا ورنہ اِس کتاب میں اُن کو ہرگز ذکر نہ کرتا۔ کیونکہ وہ اولیا اللہ صادقین سے ہیں۔
اویس قرنی رض وہ شخص ہیں کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی فضیلت بیان کی ہے۔ اور عمر رض اُن سے خواستگار دعا ہوے اُن کے فضائل مسلم شریف وغیرہ میں موجود ہیں۔
تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادق رض کی روایتوں کو ساری اُمت نے مُستند سمجھا ہے۔ مگر بخاری نے کہا کہ وہ قابل احتجاج نہیں۔
ابن معین رح کا قول ہے کہ ہم اُن اقوام میں کلام کرتے ہیں جو جنّت میں داخل ہوچکے ہیں۔ مطلب یہ کہ صلحا میں جو کلام کیا جاتا ہے اُس سے یہ بتلانا منظور نہیں کہ اُن کے دین میں کوئی نقص تھا بلکہ سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے مقدس مستجاب الدعوات اور جنتی ہیں۔ یہاں تک کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی فضیلتیں بیان کیں۔ مگر چونکہ تنقیح و تنقید حدیث کی خدمت مفوض ہے۔ اِسلیے جب تک پوری شرطیں نہ پائی جائیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ جس سے حدیث لیتے ہیں۔ اُسکی تحقیق کیجاے کہ وہ عدل وضابط ہے کسی کی رعایت نہیں کیجاتی گو ثقہ ولی اور مستجاب الدعوات ہو یہاں تک کہ خود اپنے باپ کی رعایت نہیں کی جاتی تھی۔
جریر ابن حازم کا حال ابھی معلوم ہوا کہ وہ شیخ الشیوخ تھے۔ اعمش۔ ایوب۔ ابن مبارک

اور وکیع جیسے اُن کے شاگرد تھے اُن کے فرزندوں نے جب دیکھا کہ حافظہ میں فرق آرہا ہے تو اُن کو چھوڑ کر تلاش حدیث میں دوسرے اساتذہ کے یہاں گئے۔ دیکھئے جب اُن کے صاحبزادے تلاش حدیث میں نکلے ہونگے۔ تو محدثین نے ضرور پوچھا ہوگا کہ آپ اپنے گھر کی دولت کو چھوڑ کر گدائی کو کیوں نکلے تو اُنہوں نے ضرور اپنے والد کا نقص بیان کیا ہوگا۔ دیکھئے جسکے پدر بزرگوار ایسے ہوں کہ عمر بھر نیک نام اور شیخ الشیوخ اور مرجع انام بنے رہے کیا اُس کی طبیعت گوارا کرگی کہ اپنے والد کا نقص اور بے اعتباری ظاہر کر کے خود بھی ذلیل بنے مگر سبحان اللہ نفس قدسی اِسے کہتے ہیں کہ دین کے معاملہ میں نہ ذلت کی پروا نہ عزت کا خیال کل اکابر محدثین کا یہی حال رہا ہے۔

تہذیب التہذیب میں ابن السقا کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ دارقطنی وغیرہ محدثین کے اُستاد ہیں۔ اور حدیث میں امام سمجھے جاتے ہیں۔ ایک بار اُنہوں نے ایک حدیث پڑھی جو اوروں کے خلاف تحقیق تھی۔ وہ سُنتے ہی لوگوں نے اُن کو اُٹھا دیا۔ اور جس جگہ بیٹھے تھے۔ اُسکو دھو ڈالا۔

میزان الاعتدال میں جارودی کے ترجمہ میں حاکم رح کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے محمد یعقوب سے بارہا سُنا ہے کہ ابوبکر جارودی رح جب کبھی اپنے دادا کی قبر پر سے گذرتے تو کہتے کہ اے جد بزرگوار اگر آپ بہز ابن حکیم کی روایت بیان نہ کرتے تو میں آپ کی زیارت ضرور کرتا۔

تعصب کی انتہا ہوگئی اگر جد امجد نے کوئی روایت غلط بھی کی تھی تو اُس سے کافر نہیں ہوگئے تھے جو زیارت سے احتراز کیا گیا۔ زیارت سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوتا

کہ کچھ پڑھ کر بخش دیتے جس سے اُس خطا کی معافی کی توقع تھی۔ مگر بہز ابن حکیم کی اُس روایت کے ساتھ اتنا بغض تھا کہ اگر کبھی خون جوشش بھی کہتا ہوگا تو اُس حدیث کا خیال انکو زیارت سے روک دیتا تھا۔ اگر ان کی اس حرکت کو جنون سے تعبیر کریں تو بے موقع نہ ہوگا مگر ایسے جنون پر ہزار عقلوں کو قربان کرنا چاہیئے کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام پاک کی حمایت وحفاظت میں اُن کی یہ حالت تھی۔ غرضکہ محدثین کی حالت احتیاط حدیث میں عجب قسم کی ہوگئی تھی۔ گو بعض حرکات اُنکے ہم لوگ نہیں سمجھ سکتے مگر اصل منشأ اُن کا کمال احتیاط تھی جس قدر حدیثیں بنانے میں لوگوں نے جرأت کی۔ اُس سے زیادہ ان حضرات نے احتیاط میں زیادتی کی اگر کسی سے ایک بات خلاف دیکھتے تو اُس کی صحیح حدیثیں بھی ترک کر دیتے۔

تہذیب التہذیب میں ابراہیم ابن محمد کے حال میں لکھا ہے کہ نعیم ابن حماد کہتے ہیں کہ اُن کی کتابوں کی نقل میں پچاس اشرفیاں میں نے خرچ کیں۔ جب سب کی نقل ہوگئی تو انہوں نے ایک روز اور ایک کتاب نکالی جس میں قدر کا مسئلہ تھا کہ تقدیر کوئی چیز نہیں اور دوسری کتاب نکالی جس میں جہم کی رائے تھی جسکے قائل جہمیہ ہیں۔ میں نے کہا کیا آپ کی بھی یہی رائے ہے۔ کہا ہاں یہ سنتے ہی وہ تمام کتابیں جو نہایت شوق سے بصرف زر کثیر نقل کرائی تھیں سب پھاڑ کر پھینکدیں

تہذیب التہذیب میں محمد ابن حمید کا قول نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی جعفر سے میں نے دس ہزار حدیثیں لکھیں۔ ایک روز انہوں نے کہا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں فاسق تھے یہ سنتے ہی میں نے وہ کل حدیثیں جو لکھی تھیں پھینک دیں۔

مولنا واستادنا مولوی محمد عبدالحی صاحب مرحوم نے الرفع والتکمیل میں لکھا ہے کہ شعبہ رح سے پوچھا گیا کہ آپ نے فلاں شخص کی حدیث کو کیوں ترک کر دیا کہا میں نے اُس کو دیکھا کہ گھوڑے پر سوار ہے اور اُس کو ایڑیں مار رہا ہے" فقط ایڑ مارنا تو عیب کی بات نہیں جسکو شعبہ رح جیسے جلیل القدر شیخ الشیوخ نے قابل ترک سمجھا ہو البتہ کوئی ناشایستہ خلاف شان حرکات اُس میں ضرور تھے جس سے اُنہوں نے اُس کو ترک کر دیا۔

اُس میں مولنائے موصوف نے لکھا ہے کہ شعبہ رح منہال ابن عمر کے یہاں طلب حدیث کے لئے گئے دیکھا کہ گھر میں سے طنبور کی یا خوش الحان قراءت کی آواز آرہی ہے یہ سنتے ہی باہر ہی سے لوٹ گئے اور پھر اُس سے حدیث نہیں لی" معلوم نہیں مقامی خصوصیات کیا تھیں جن سے انکو ترک کرنے پر مجبور ہوئے بہر حال اتنا تو معلوم ہوا کہ احتیاطیں اس درجہ کی تھیں۔

اسی میں لکھا ہے کہ ابن عیینہ رح سے پوچھا گیا کہ زاذان سے آپ روایت کیوں نہیں کرتے۔ کہا وہ باتیں بہت کیا کرتے تھے۔

اُسی میں لکھا ہے کہ جریر رح نے سماک ابن حرب کو دیکھا کہ کھڑے ہوئے پیشاب کر رہے ہیں اس لئے اُن کو ترک کر دیا اُسی میں لکھا ہے کہ جو محدثین اعمال کو جزو ایمان سمجھتے تھے۔ اہل کوفہ سے روایت نہیں کرتے تھے اسلئے کہ وہ اعمال کو جزو ایمان نہیں سمجھتے ہیں۔ بہت سے محدثین نے امام ابو حنیفہ رح سے روایت نہیں کی اسوجہ سے کہ انکو اہل رائے سمجھتے تھے۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ مکی ابن ابراہیم نے حمید طویل سے حدیث نہیں لی۔ اس وجہ سے

و سیاہ لباس پولیس والوں کا سا پہنتے تھے ۔
ہمیں یہاں صرف یہ بتلانا منظور ہے کہ اُن کی احتیاطیں کیسی تھیں نہ ولی کی ولایت اُنکے فرض منصبی ادا کرنے میں مانع ہوتی تھی ۔ نہ قرابت واحباب کی محبت نہ اپنی کسرشان کا خیال ۔ غرضکہ ان حضرات نے احتیاط کا حق ادا کر دیا ۔ اب رہی یہ بات کہ وہ ضرورت سے زیادہ کام میں لائی گئی سو اُس میں وہ حضرات معذور ہیں اسلئے کہ جب آدمی کسی طرف ہمہ تن مشغول ہوتا ہے تو وقتاً فوقتاً نئی نئی باریکیاں اور نزاکتیں اُسکے خیال میں آتی جاتی ہیں جنکو ہر کوئی سمجھ نہیں سکتا ۔ اور ادنیٰ ادنیٰ بات جسکو اور لوگ قابل توجہ نہیں سمجھتے اُسکو بڑی معلوم ہونے لگتی ہے آپنے دیکھا ہوگا کہ جن لوگوں کو خفقان صحت کا خیال زیادہ ہوتا ہے ۔ وہ کھانے پینے میں بلکہ ہر ایک کام میں کیسی کیسی احتیاطیں کرتے ہیں کہ اُن کی صحت بجاے خود ایک سخت بیماری ہو جاتی ہے اسی طرح جنکو طہارت کا زیادہ خیال ہوتا ہے ۔ اُن کی احتیاط وسواس کے درجہ تک پہونچ جاتی ہے ۔ جس کی وجہ سے وہ آبدست اور غسل وغیرہ میں اتنا پانی خرچ کرتے ہیں کہ شریعت میں وہ اسراف اور حرام ہے ۔ اور باوجودیکہ خود بھی وہ اُسکی بُرائیاں جانتے ہیں ۔ مگر طبیعت سے مجبور ہیں ۔ اُس احتیاط کو چھوڑ نہیں سکتے ۔ اِسیطرح محدثین کو ہمیشہ احتیاط کا خیال لگا رہتا تھا ۔ اور ہمیشہ اِس خیال میں رہتے کہ جو حدیث لیجاے کسی متدین اور محتاط شخص سے لیجاے پھر تدین کی نزاکتوں میں جس قدر خیال ترقی کرتا گیا تدین کا دائرہ تنگ ہوتا گیا ۔ یہانتک کہ گھوڑے کو زیادہ ایڑیں مارنا بھی خلاف تدین محسوس ہونے لگا ۔ چونکہ ہر معاملہ میں طبیعت کو بڑا ہی دخل ہے اِسلئے جن اہل احتیاط کی طبیعتوں میں حرارت

ابن حزم کا حال

زیادہ تھی وہ لوگ مغلوب الغیظ ہونے کی وجہ سے اس امر میں بہت افراط کرتے تھے
جیسا کہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ جن علما کی طبیعتوں میں حرارت اور غصہ زیادہ ہوا کرتا ہے
اپنی طبیعت کے مخالف ادنیٰ ادنیٰ بات میں بھی بُرا بھلا کہدیتے ہیں بلکہ فاسق اور
کافر کہنے میں بھی تامل نہیں کرتے اور تکفیر کی روایتوں کو چھپاں کرنے کی فکر
میں پڑ جاتے ہیں اور کسی طرح چھپاں کر بھی دیتے ہیں اس طبیعت کے لوگ
محدثین میں بھی بہت گذرے ہیں ۔ ایک ابن حزم رحمہ کو دیکھ لیجئے کہ کس قدر انکی مزاج
میں تشدد ہے ملل ونحل میں عیسیٰ علیہ السلام کے مشہور حوارئین کا جہاں ذکر کرتے
ہیں تو سطروں کی سطریں نئی نئی گالیوں اور لعنتوں کی لکھ ڈالے ہیں ۔ اسی طرح
معتزلہ وغیرہ فرقِ اسلامیہ پر بھی ہمیشہ لعنت کرتے رہتے ہیں اکثر مقامات کے
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی فرقہ کے عقائد کو نقل کرکے قبل اسکے کہ انکو رد
کریں خوب سی گالیاں دے لیتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ نقل مضمون
کے وقت انہوں نے نہایت ضبط سے کام لیا ورنہ جوش طبیعت سے معلوم
ہوتا ہے ۔ کہ اثنائے نقل میں بھی دو چار لعنتیں لکھ دیتے ۔ محلّی اور اس کی
شرح میں انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے ۔ کہ کسی مسئلہ میں ایک صحیح حدیث لکھدیتے
ہیں اُسکے بعد کسی مجتہد کا نام لکھتے ہیں کہ اُس نے اس کے خلاف کیا اور
ساتھ ہی لعنت غرضکہ اُن کی اکثر تصانیف لعنت سے بھری ہوئی ہیں ۔ اور تحقیق
کی یہ حالت کہ امام سخاوی رحمہ نے فتح المغیث میں لکھا ہے کہ ابن حزم رحمہ کا
قول ہے کہ ابو عیسیٰ ترمذی اور ابو القاسم بغوی مجہول ہیں لیجئے اسلامی تمام دنیا میں
ترمذی معروف ومشہور ہیں مگر حضرت اُن کو پہچانتے ہی نہیں ۔ پھر طریقہ یہ کہ جس کے

مخالف ہوتے ہیں تو اُس کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دیتے ہیں کہ اُس کے حاشیۂ خیال میں نہیں۔ چنانچہ طبقات الشافعیہ میں امام سبکی رح نے لکھا ہے کہ ملل و نحل میں انہوں نے ابو الحسن اشعری رح کا مذہب بیان کیا ہے کہ اُن کے نزدیک ایمان صرف معرفت بالقلب کا نام ہے خدا کو دل سے پہچان لے تو بس ہے۔ پھر اگر زبان سے اقسام کے کفریات بکے اور یہ بھی کہے کہ میں یہودی ہوں یا نصرانی ہوں تو بھی وہ مسلمان اور جنتی ہے۔ حالانکہ کل اشاعرہ بلکہ تمام مسلمانوں کا مذہب یہ ہے کہ جو کفریات بکے یا کفار کے سے کام کرے تو وہ کافر مخلد فی النار ہے۔ اور لکھا ہے کہ محققین نے اُن کی کتابوں کو دیکھنے سے منع کیا ہے اِس لئے کہ اہل سُنّت کی وہ بہت تحقیر کیا کرتے ہیں انتہیٰ۔ ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ ایسے مغلوب الغیظ حضرات تحقیق مسائل یا جرح و تعدیل کی خدمت اپنے ذمہ لیں تو مسلمانوں کو مقتول نہیں تو مجروح تو ضرور کر دیں گے۔ بہر حال اِس قسم کی تحریرات میں وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ مرفوع القلم سمجھے جائیں۔

ابن جوزی کا حال

اسی طرح ابن جوزی رح کا بھی حال ہے۔ انکی طبیعت کا انداز تلبیس ابلیس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ کسی مذہب اور فرقہ کو اُنہوں نے چھوڑا ہی نہیں سب پر کچھ نہ کچھ الزام لگا دیا۔ علاوہ فرق باطلہ کے صوفیہ کے تو وہ دشمن ہی ہیں ہاتھ دھو کر اُن کے پیچھے پڑ گئے۔ یہاں تک کہ مشہور ہے کہ انہوں نے حضرت غوث الثقلین محی الدین جیلانی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کی تھی اور فقہا تو بیچارے کس شمار میں محدثین کو بھی انہوں نے نہیں چھوڑا۔ اس طبیعت کے لوگ کب کسی کے مقلد ہو سکتے ہیں جہاں انہوں نے دیکھا کہ حدیث کی اسناد میں ایسا شخص ہے کہ سابق کے محدثین نے اُسکو کاذب

وغیرہ کہا تو اب وہ جامعہ کے باہر ہیں نہ بخاری کو مانیں نہ مسلم کو صاف کہدیتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ امام سیوطی رح اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں لکھا ہے کہ حاکم ابن حبان اور عقیلی وغیرہ حفاظ کی عادت ہے کہ کسی حدیث کی سند میں کوئی راوی مخدوش ہو تو اسکو وہ باطل لکھتے ہیں ابن جوزی اُس سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ متن حدیث ہی موضوع ہے اور اس متن حدیث کو اسی کتاب موضوعات میں داخل کر دیتے ہیں حالانکہ متن سے اُن حفاظ کو کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر دوسری صحیح سندوں سے وہ متن ثابت ہوتا ہے۔ اسوجہ سے تمام علما نے یہاں تک کہ آخر میں ابن حجر عسقلانی رح نے ابن جوزی پر الزام لگایا ہے کہ یہ اُن میں سخت عیب تھا اور اسی میں لکھا ہے کہ ابن جوزی رح نے حدیث

اذا بلغ العبد اربعین سنۃ امنہ اللہ من البلا یا الثلث کو اپنی کتاب موضوعات میں داخل کیا ہے اور وجہ یہ لکھی کہ اُس کی اسناد میں عباد بن عباد ہیں جن کی نسبت ابن حبان نے یروی المناکیر کہا ہے۔ اسلئے وہ مستحق ترک ہیں۔ اور حدیث صحیح نہیں۔ امام سیوطی رح نے ابوالفضل عراقی کا قول نقل کیا ہے۔ کہ ابن جوزی نے جو عباد ابن عباد کو ضعیف قرار دیا وہ خبط ہے۔ ابن حبان رح نے جن عباد ابن عباد کی نسبت یروی المناکیر کہا وہ فارسی ہیں۔ اور اس روایت میں عباد ابن عباد مہلّی ہیں اور یہ وہ شخص ہیں۔ کہ شیخین نے اُن کی حدیثوں سے احتجاج کیا۔ اور احمد اور ابن معین اور ابو داؤد ونسائی وغیرہم نے اُن کی توثیق کی انتہیٰ۔ اس قسم کے دھوکوں سے انہوں نے بعض صحاح کی حدیثوں کو بھی موضوع قرار دیا اسلئے اُن کا مجرد قول قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

شمس العلما مولوی شبلی صاحب نے سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ محدث ابن جوزی رح نے بہت سی حدیثوں کو موضوعات میں داخل کیا ہے جنکو دوسرے محدثین صحیح اور حسن کہتے ہیں۔ ابن جوزی نے تو قیامت کی کہ صحیحین کی بعض حدیثوں کو موضوع لکھدیا بیشک ابن جوزی نے اس افراط میں غلطی کی انتہا۔ نہایت درست ہے جب انکی طبیعت اور اتفاق علما سے معلوم ہو گیا۔ کہ بلا تحقیق ایسی باتیں لکھدیتے ہیں تو اُن کی تحریر سے کوئی حدیث موضوع نہیں ہو سکتی اور نہ دوسرے محدثین کی تحقیق پر اُن کی تحریر کا اثر ہو سکتا ہے۔ البتہ امام بخاری رح جیسے مستند محدث کی تحقیق قابل وثوق ہے

اس موقع میں جرح و تعدیل کے متعلق تھوڑا سا حال معلوم کر لینا بھی مناسب ہو گا۔

فتح المغیث میں امام سخاوی رح نے لکھا ہے کہ صحابہ ہی کے زمانہ میں بعض ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جنپر انہوں نے لعن وطن کی لیکن وہ بہت کم اور ممتاز تھے۔ پھر تابعین کے زمانہ میں بھی اُن کی ایسی کثرت نہ ہوئی جو قابل توجہ ہو اسلیئے کہ اکثر متبوع اور مقتدا صحابہ موجود تھے۔ جو کل عدول ہیں۔ اور جو غیر صحابہ تھے وہ اکثر ثقات تھے۔ اُن کے ہوتے اہل بدعت کے یہاں کون جاتا۔ قرن اول جس میں صحابہ اور کبار تابعین تھے۔ اُن میں کوئی مقتدائے دین ضعیف نہیں پایا گیا اُن کے بعد اوساط تابعین میں اگرچہ ضعفا پائے گئے مگر اُن میں صرف تحمل اور ضبط حدیث کی نسبت کلام ہوا البتہ جب تابعین کا زمانہ قریب الختم ہوا یعنی سنہ ڈیڑھ سو کے حدود میں اسوقت توثیق اور جرح کی ضرورت ہوئی چنانچہ ابو حنیفہ رح نے کہا کہ جعفر جعفی سے بڑھ کر جھوٹا میں نے نہیں دیکھا اور اعمش اور امام مالک رح شعبہ اور اوزاعی وغیرہم نے بھی جرح و تعدیل کی۔ اُن کے بعد یحیی ابن سعید قطان

حال جرح و تعدیل

ابن مہدی وغیرہ اُنکے بعد امام شافعی رح اور ابو عاصم نبیل وغیرہ اُن کے بعد حمیدی اور یحیٰی ابن یحییٰ وغیرہ آئمۂ جرح و تعدیل ہوئے اُن کے بعد جرح و تعدیل کی کتابیں تصنیف ہونے لگیں اس کے بعد کے بھی بہت سے طبقات آئمۂ فن کے سخاوی رح نے ذکر کئے جن کے بیان کی یہاں ضرورت نہیں۔

مطالعہ کتب رجال سے معلوم ہوتا ہے کہ جرح و تعدیل کا عام قاعدہ یہی رہا ہے کہ حتی الامکان مشتبہ لوگوں سے احتراز رہا خصوصاً صحابہ میں تو نہایت ہی اسکا تشدد رہا چنانچہ سنن دارمی میں روایت ہے۔ عن نافع عن عمر رض انہ جاءہ رجل فقال ان فلانا یقرء علیک السّلام فقال بلغنی انہ قد احدث فان کان قد احدث فلا تقرأ علیہ السّلام یعنی ایک شخص ابن عمر رض کے یہاں آکر کہا کہ فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے فرمایا میں نے سُنا ہے کہ اُس نے کوئی نئی بات ایجاد کی ہے۔ اگر یہ واقعی ہے تو اُس کو ہمارے طرف سے جواب سلام نہ کہنا جب جواب سلام میں یہ احتیاط تھی تو اُس کی اور باتوں کی کیا وقعت ہوگی۔ تقریباً یہی طریقہ اکابر تابعین میں بھی جاری رہا چنانچہ دارمی میں یہ روایت ہے۔ عن اسما ابن عبید قال دخل رجلان من اصحاب اہل الاہواء علی ابن سیرین رح فقال یا ابا بکر نحدثک بحدیث قال لا قال فنقرأ علیک آیۃ من کتاب اللہ قال لا لتقومان عنی اولا قومن قال فخرجا فقال بعض القوم یا ابا بکر وما کان علیک ان یقرأ علیک آیۃ من کتاب اللہ تعالیٰ قال انی خشیت ان یقرأ علی آیۃ فیحرفانہ فیقر ذلک فی قلبی۔ یعنی اسما کہتے ہیں کہ دو شخص اہل ہوا یعنی فرق باطلہ کے ابن سیرین کے پاس آئے اور کہا کہ ہم ایک حدیث آپ کو سنانا چاہتے ہیں۔ کہا میں نہیں سنتا کہا قرآن کی ایک آیت سناتے

ما کان علیہ الصحابۃ

ہیں کہا میں نہیں سنتا۔ اب تم یہاں سے جاتے ہو یا میں چلا جاؤں یہ سُنکر وہی چلے گئے لوگوں نے پوچھا حضرت اگر قرآن کی آیت آپ اُن سے سنتے تو کیا ہرج تھا فرمایا اس بات کا خوف تھا کہ اُس کے معنی کو اپنے مطلب کی جانب پھیر دیں اور وہی بات میرے دل میں جم جاے۔ ابن جوزی رح نے تلبیس ابلیس میں لکھا ہے کہ ایوبؒ سے ایک بدعتی نے کہا کہ میں آپ سے ایک کلمہ کہوں فرمایا نہیں بلکہ آدھا کلمہ بھی مت کہہ اسی میں لکھا ہے کہ معمر کہتے ہیں کہ طاؤس جو اعلیٰ درجہ کے تابعی ہیں بیٹھے تھے اور اُن کے پاس اُن کے فرزند بھی تھے اتنے میں ایک شخص معتزلی آیا۔ اور کسی مسئلہ میں گفتگو شروع کی طاؤس رح نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں رکھ لیں۔ اور فرزند سے کہا تم بھی کانوں میں انگلیاں رکھ لو تاکہ اُس کی بات سُننے میں نہ آئے کیونکہ یہ دل ضعیف ہے پھر کہا اے فرزند خوب زور سے کان بند کرلو۔ اور برابر یہی کہتے رہے یہاں تک کہ وہ اٹھ کر چلا گیا۔" اگرچہ ظاہرا یہ حرکت ہمارے زمانہ کے لحاظ سے بدنما معلوم ہوتی ہے مگر چونکہ اُن حضرات کو خوف خدا بیحد تھا اور دین کی قدر تھی۔ وہ خیال کرتے تھے کہ عقلی باتوں کو عقل جلد قبول کرلیتی ہے کہیں ایسا نہو کہ کوئی بات دل میں جم جاے یا دل کا میلان بھی ہو جاے جسپر خداے تعالیٰ مطلع ہوتا ہے۔

اسی میں لکھا ہے کہ عیسیٰ بن محل الضبی رح کہتے ہیں کہ ایک شخص ہمارے ساتھ ابراہیم کے یہاں جو تابعی تھے جایا کرتا تھا۔ ابراہیم کو خبر ملی کہ وہ شخص فرقہ مرجیہ میں شامل ہوا ہے اُنہوں نے اُس سے فرمایا اب جو تم ہمارے یہاں سے جاتے ہو پھر ہمارے یہاں نہ آنا" فرقہ مرجیہ کا عقیدہ ہے کہ قرآن شریف میں عذاب کی

آیتیں فقط دھمکانے کے لئے ہیں ورنہ جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلیا وہ قطعی جنتی ہے۔ چاہے نماز وغیرہ پڑھے یا نہ پڑھے اور اُسکے گناہ کچھ نہیں لکھے جاوینگے بلکہ نیکیاں لکھی جاینگی۔

اسی میں لکھا ہے کہ محمد ابن داؤد الحداد کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ابن عیینہ رح سے کہا کہ ابراہیم بن یحییٰ تقدیر کے معاملہ میں کلام کرتا ہے۔ فرمایا کہ لوگوں کو اُس کے حال سے ہوشیار کردو۔ اور اپنے رب سے عافیت مانگو۔ ہم کو دین کی اصلی صورت جو نظر آرہی ہے۔ سو صحابہ اور تابعین ہی کی ان احتیاطوں کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اہل ہوا اور بدعتیوں کے خیالات اگر اسوقت سے روایتوں میں شامل ہوجاتے تو یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ اصل دین کیا تھا اور کیا ہوگیا۔

مولوی شمس العلما صاحب نے سیرۃ النعمان میں مقدمہ صحیح مسلم سے لکھا ہے کہ بشر عدوی ابن عباس رض کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنی شروع کی۔ انہوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ بشر نے کہا ابن عباس رض میں رسول اللہ سے روایت کررہا ہوں آپ سنتے نہیں فرمایا ایک زمانہ میں ہمارا یہ حال تھا کہ کسی کو قال رسول اللہ کہتے سنتے تھے تو فوراً ہماری نگاہیں اٹھ جاتی تھیں لیکن جب سے لوگوں نے نیک وبد میں تمیز نہیں رکھی ہم صرف اُن حدیثوں کو سنتے ہیں جن کو ہم خود جانتے ہیں۔" غرضکہ اُس زمانہ میں صحیح حدیثیں محفوظ تھیں اسلئے کہ تقریباً کل مقتدا اساتذہ متدین تھے۔ اور احادیث کے لینے میں احتیاطیں زائد کی جاتی تھیں۔

امام سخاوی رح کے قول سے ابھی معلوم ہوا کہ یہ وہی زمانہ ہے جس کے

متصل امام ابو حنیفہ رہ ہیں خوش قسمتی سے آپ کو تدوین فقہ کے وقت نہایت آسانی سے صحیح صحیح حدیثیں مل گئیں جس میں موضوع ہونے کا احتمال اگر نکالا بھی جائے تو بہت سے قرائن سے رد ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد جب تدین کم ہوتا گیا اور کذاب اور وضاع نئی نئی باتیں بنانے لگے جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں دی ہے۔

عن ابی ہریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی الاخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا انتم ولا آباؤکم فایاکم وایاہم لایضلونکم ولایفتنونکم

رواہ مسلم۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہونگے ایسی ایسی حدیثیں بیان کریں گے کہ نہ تم نے (اے امتیو) سنیں نہ تمہارے آباؤ اجداد نے۔ سو اُنسے بہت بچو۔ اُن کو نزدیک نہ آنے دو کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں۔ اور فتنہ میں نہ ڈال دیں" اس پیشینگوئی کے ظہور کی ابتدا اسی زمانہ میں ہو چکی تھی اسلیئے اُس زمانہ کے محدثین کو بڑی بڑی محنتیں اٹھانی پڑیں جس قدر اُنھوں نے موضوعات کے رواج دینے کی فکریں کیں محدثین نے احتیاط سے اُن کا مقابلہ کیا۔ مثلاً دیکھا کہ راویان حدیث کے احوال مختلف ہیں۔ فن رجال مدون کر دیا جس میں ہر ایک راوی کی نسبت جو کچھ محدثین کے خیال تھے بیان کر دیئے تاکہ مشتبہ راویوں سے حدیث لینے میں احتیاط کی جائے۔ بعض محدثین ایسے بھی تھے کہ ضعفا سے روایت کر کے اُن کے نام نہیں تبلاتے تھے جس کو تدلیس کہتے ہیں ایسے لوگوں کی تحقیق کر کے خاص اُن کے ناموں کی کتابیں لکھدیں جیساکہ تدریب الراوی

امام سیوطی رحمہ نے لکھا ہے۔ اسیطرح بعض محدثین مستند تو تھے مگر آخر عمر میں اُن کے حافظہ میں نقصان آگیا تھا اور بعض لوگ آخر عمر میں اُنسے پڑھ کر چاہتے تھے کہ اُنکے پہلے شاگردوں کے ساتھ مساوات حاصل کریں حالانکہ اُن کی حدیثوں میں ضعف ہوتا تھا۔ اِس لئے محدثین نے تحقیق کر کے ایسے اساتذہ کے نام اور اُن کے اوائل و آخر کے شاگردوں کے نام اور اُن کے حالات کے کتابیں مدون کریں تاکہ لوگوں کو اُن اساتذہ کے ناموں سے دہوکا نہ ہووے۔ غرضکہ کسی بات میں ذرا بھی شبہ ہوتا تو ایک جماعت متوجہ ہو کر اس قدر تحقیق کرتی کہ مشتبہ نام کو نہ رنج پائے شدہ شدہ ان تحقیقوں سے فن حدیث کے سو فن ہو گئے چنانچہ شیخ الاسلام ابن حجر رح نے النکت میں اور امام سیوطی رح نے تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ علم حدیث سو انواع پر مشتمل ہے ہر نوع ایک مستقل علم بن گئی ہے اگر کوئی طالبعلم ان علوم میں اپنی تمام عمر صرف کر ڈالے جب بھی اُن کی انتہا کو نہیں پہونچ سکتا۔ مطلب یہ کہ ایک شخص ان تمام علوم حدیثیہ کا جامع نہیں ہو سکتا اہل علم غور کر سکتے ہیں کہ سوائے حدیث شریف کے کونسا ایسا علم ہے کہ جس کے سو حصّے اس غرض سے کئے گئے ہوں کہ ہر ایک حصّہ کی طرف ایک جم غفیر علما کا متوجہ ہو کر اُس کی تحقیق اور تکمیل کرے کیا یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ ہزاروں مستند علما نے جس کام میں اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا کیا وہ ایسا فضول اور بے اصل سمجھا ہے کہ اُن کی اوقات ضائع ہوئی۔ یا اُن کی وہ کوشش اور جانفشانیاں بالکل فضول تھیں۔ اب اگر کوئی اجنبی شخص جسکو فن حدیث سے کوئی تعلق نہ ہو چند مختلف ضعیف اقوال نقل کر کے اس فن کو بے اعتبار قرار دے تو کیا عقلا اُس کی

تصدیق کر سکتے ہیں عقل کی رو سے تو ہرگز نہیں کر سکتے۔ یہ تو کمال فخر کا موقع تھا کہ اپنے اسلاف کے کارنامے پیش کرکے اوروں سے پوچھتے کہ کوئی امت ایسی بھی ہے کہ اپنی نبی کے اقوال اور افعال اور دین کی باتوں کو ایسی جانفشانیوں سے محفوظ رکھا ہو افسوس ہے کہ امت کے منتخب افراد نے جو اپنی گران بہا عمریں صرف کرکے قابل افتخار خزانے ہمیں دے گئے ہیں۔ اُس کا شکریہ کیا جارہا ہے۔ کہ چند ناقصوں کی کارروائیاں پیش کرکے اُن کی تمام جانفشانیاں خاک میں ملائی جارہی ہیں انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

جواب مولوی شمس العلما شبلی صاحب

اب ہم چند اقوال شمس العلما صاحب کے سیرۃ النعمان سے نقل کرتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ ہمارے امام صاحب کی طرفداری کے جوش میں فن حدیث اور محدثین پر انہوں نے حملے کیے ہیں۔ شاید بعض احناف اس سے خوش ہو گئے ہونگے۔ مگر میں اس خیال کے بالکل مخالف ہوں ہمیں اتنے تعصب کی ضرورت نہیں کہ جن حضرات نے قوم پر اعلیٰ درجہ کا احسان کیا ہو اُن کو برائی سے یاد کریں اور اُنکی نکتہ چینیاں کرکے معاذاللہ اُن کو رسوا کریں۔ اور علاوہ اُسکے اگر حدیث ہی بے اعتبار ہو جائیگی تو فقہ بطریق اولیٰ بے اعتبار ہو جائیگی۔ اِسلئے کہ فقہ کا دار و مدار حدیث پر ہے کسی حنفی کا یہ خیال نہیں کہ امام صاحب ایک عقلمند متقن شخص تھے اپنی عقل کی رہبری سے قاعدے ایجاد کرتے۔ اور مسائل تراشتے تھے۔ چنانچہ خود شمس العلما صاحب نے سیرۃ النعمان میں چند دلائل و قرائن سے ثابت کیا ہے کہ امام صاحب اعلیٰ درجہ کے محدث تھے۔ اور حدیث کو قیاس پر مقدم کیا کرتے تھے **قولہ** صا۱۵ زبانی روایت سے

گذر کر تحریر نہیں بھی جعل شروع ہوگیا تھا مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ ابن عباس حضرت علی رض کے فیصلہ کی نقل لے رہے تھے بیچ میں الفاظ چھوڑتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ واللہ علی نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔ اسی طرح ایک اور دفعہ عبداللہ ابن عباس نے حضرت علی رض کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی سب عبارت مٹا دی"

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کے شیعہ اور اعدا میں افراط و تفریط بہت کچھ ہوئی۔ روافض خوارج کی ابتدا اسیوقت سے ہوئی مگر دونوں جماعتیں الگ الگ اور اہل سنت اُنسے ممتاز رہے کسی نے انکو اپنا اوستاد بنا کر اُنسے روایتیں اسوقت نہیں لیں کیونکہ صحابہ اور اکابر تابعین کے ہوتے اُنسے روایت کرنیکی ضرورت ہی کیا دیکھئے جہاں مسلم شریف میں ابن عباس رض کی روایت مذکورہ لکھی ہے اسی کے متصل یہ دو روایتیں بھی لکھی ہیں۔ ایک یہ ہے لما احدثوا تلک

الاشیاء بعد علی علیہ السلام قال رجل من اصحاب علی قاتلہم اللہ بای علم افسدوا یعنی شیعہ نے جب نئی نئی باتیں بنائیں تو علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا خدا اُن کو غارت کرے کیسے اعلیٰ درجہ کے علم کو انہوں نے تباہ کر دیا" اس سے ظاہر ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کے اصحاب اُسوقت ممتاز تھے اور جانتے تھے کہ شیعہ نے آپکے علوم و احادیث میں جعلسازیاں کی ہیں اس وجہ سے کوئی روایت اُنسے نہیں کرتے تھے۔

دوسری حدیث مسلم شریف میں یہ ہے کہ جس کا ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ علی کرم اللہ وجہہ کی وہی روایت قابل تصدیق سمجھی جاتی تھی جو اصحاب

عبداللہ ابن مسعود رضؓ کے ذریعہ سے پہونچے۔" انتہی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ شیعہ اہل سُنت وجماعت سے خارج تھے۔ اور اُن کی روایتیں نہیں لیجاتی تھیں۔

الحاصل گو اس زمانہ میں جعل شروع ہوگیا تھا۔ مگر بفضلہ تعالیٰ ہمارے محدثین نے جعلسازوں کو ایسے پھٹکار کر رکھا تھا کہ اُن کی کوئی جعلی بات اُن کے پاس نہ آسکے۔

قولہ ص ۱۵۱ لوگوں کو وضع حدیث کی زیادہ جرأت اِس وجہ سے ہوتی تھی کہ اسوقت تک اسناد وروایت کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا جو شخص چاہتا قال رسول اللہ کہدیتا تھا اور اثبات سند کے مواخذہ سے بری رہتا تھا۔ ترمذی نے کتاب العلل میں امام ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگ اسناد نہیں پوچھا کرتے تھے جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ کچھ ہوئی تاکہ اہل سُنت کی حدیثیں لیجائیں اور اہل بدعت کی ترک کیجائے۔ لیکن حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف نہ تھی اِسلئے یہ احتیاط چنداں مُفید نہ ہوئی اور غلطیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا انتہی

افسوس ہے اس مقام میں مولوی صاحب محققانہ انداز سے بہت دُور ہوگئے جس سے ناواقف لوگ خیال کرنے لگے کہ ایک زمانۂ دراز تک جو شخص چاہتا حدیثیں بناکر قال رسول اللہ کہدیتا۔ اور اُسکو کوئی نہ پوچھتا کہ فی الواقع وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے یا نہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے اِسلئے کہ ابن سیرین رحؒ کی ولادت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہے جیساکہ تذکرۃ الحفاظ میں مصرح ہے جس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اسناد کے پوچھنے کا زمانہ بھی پایا ہے۔ اور صرف قال رسول اللہ کہنے کا بھی۔ اِسلئے کہ

صرف قال رسول اللہ جس زمانہ میں کہا جاتا تھا وہ صحابہ کا زمانہ ہے جس کا اکثر حصہ انہوں نے پایا ہے چونکہ صحابہ کل عدول ہیں اُن کی کوئی خبر غلط نہیں ہوسکتی اور جس قدر تابعین کے زمانہ میں رہ گئے تھے وہ ممتاز تھے اور ہر شخص جانتا تھا کہ یہ صحابی ہیں جب وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تو اُن کی صحابیت خود ایک اعلیٰ درجہ کی سند تھی جس کے مقابلہ میں سند کا مطالبہ کمال درجہ کی گستاخی تھی۔ پھر صحابہ ہی کے زمانہ میں جب فتنہ پیدا ہوا اور مُفسدوں نے تقلیداً قال رسول اللہ کہنا شروع کیا تو اُن کا خود یہ کہنا باعث مواخذہ ہوا کیونکہ سب جانتے تھے کہ وہ صحابی نہیں بلکہ اُن کا سن وسال خود گواہی دیتا تھا کہ اُنہوں نے وہ حدیث بنائی ہے یا کسی سے سنکر کہا اسلئے اُنسے اسناد کا مواخذہ کیا جاتا اور اُن کا مجرد قول قابل توجہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ بشیر عدوی نے جب حدیث پڑھی تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اُسکی طرف التفات بھی نہیں کیا۔ اور یہ انتظام ہوگیا کہ وہی روایتیں لیجائیں جو اہل سنت کے ذریعہ سے پہونچیں جیسا کہ علی کرم اللہ وجہہ کی وہی روایتیں لیجاتی تھیں جو اصحاب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے پہونچتیں۔ اور اہل بدعت سے حدیث تو کیا قرآن بھی نہیں سُنا جاتا تھا۔ جیسا کہ ابن سیرین کی روایت سے ابھی معلوم ہوا۔ اب بتائیے ایسا کون سا زمانہ آیا کہ ہر بدعتی اور جعلساز قال رسول اللہ کہدیتا اور اُس کی روایتیں خوش اعتقاد سنکر شائع کردیتے۔

مولوی صاحب نے ابن سیرین رح کے قول کو نہیں سمجھا۔ انہوں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ پہلے زمانہ میں صحابی ہو یا غیر صحابی قال رسول اللہ کہدیتا اور اُس کی روایت منظور ہو

اور مشہور ہوجاتی تھی۔ اُن کے قول کا صحیح مطلب وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے جس پر تاریخی شہادت بھی موجود ہے۔

اب غور کیجئے کہ مولوی صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں کہ (حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف نہ تھی یعنی پہلے ہی سے ہوچکی تھی اور غلطیوں کا سلسلہ جاری رہا) کیسی سخت غلطی ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔

ابن سیرین رح کا قول جو مولوی صاحب نے نقل کیا ہے اس کی اصل عبارت یہ ہے

فلما وقعت الفتنة سالوا عن الاسناد لكي ياخذوا حديث اهل السنة ويدع حديث اهل البدع۔

معلوم نہیں مولوی صاحب نے سالوا کا ترجمہ (کچھ پوچھ ہوئی) کس قرینہ سے کیا ہے۔ ابن سیرین رح کا مقصود تو یہ ہے کہ اس غرض سے (کہ حدیثیں صرف اہل سنت کی لیں اور اہل بدعت کی چھوڑ دیں۔) اسناد کو پوچھنے لگے اس قرینہ سے تو صاف ظاہر ہے کہ اسناد کی تحقیق میں نہایت اہتمام اور کوشش کیجاتی تھی تاکہ غرض حاصل ہو نہ یہ کہ سرسری طور پر تبرکاً کچھ پوچھ لیتے۔

قولہ حضرت علی کی خلافت شروع ہی سے پُرآشوب رہی۔ ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی اور اگرچہ کثرت اور انتشار زیادہ تر زمانۂ مابعد میں ہوا۔ لیکن خود صحابہ کے عہد میں اہل بدعت نے سینکڑوں ہزاروں حدیثیں ایجاد کر لیں تھیں انتہیٰ۔

یہ وہی بات ہے جو ابن سیرین رح نے کہی تھی کہ فتنہ کے زمانہ سے اسناد کی تحقیق شروع ہوئی۔ اسمیں شک نہیں کہ صحابہ ہی کے عہد میں اہل بدعت نے

حدیثیں بنانی شروع کردی تھیں۔ مگر اُس سے اسلام کو کچھ ضرر نہیں پہونچا اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نئے خیالات اور نئی باتیں دین میں ایجاد کرنے اور اُن کو رواج دینے سے ہمیشہ منع فرمایا کئے چنانچہ کتب حدیث پر جن کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ اس باب میں کس کثرت سے روایتیں وارد ہیں۔ منجملہ اُن کے چند ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں لکھے جاتے ہیں۔

شر الامور محدثاتہا وکل بدعۃ ضلالۃ یعنی تمام کاموں میں بدتر محدثات ہیں یعنی نئی نئی باتیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

من احدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فہو رد یعنی جو کوئی ہمارے دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو اُس میں نہیں سو وہ مردود ہے۔

من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ یعنی جو کوئی تم میں سے میرے بعد زندہ رہیگا۔ بہت اختلاف دیکھے گا تو تم کو لازم ہے کہ میرے طریقہ کو اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو خوب مضبوط پکڑو۔

اتبعوا السواد الاعظم من شذ شذ فی النار یعنی بڑی جماعت کے پیرو رہو جو اس سے علحدہ ہوگیا وہ دوزخی ہے۔

ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاذۃ القاصیۃ والناحیۃ وایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعۃ والعامۃ یعنی شیطان آدمیوں کا بھیڑیا ہے جس طرح سب سے الگ چرنیوالے بکری کو بھیڑیا لیجاتا ہے اسی طرح مسلمانوں سے علحدہ ہونیوالے کو شیطان ہلاک کرتا ہے تو تم کو لازم ہے کہ جماعت کو نہ چھوڑو۔

من وقّر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ہدم الاسلام یعنی جو کوئی بدعت والے شخص کی توقیر کرے تو اس نے اسلام کے ڈہانے پر مدد کی۔

من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ یعنی جو کوئی جماعت سے ایک بالشت بہر دور ہو جاوے اُسنے ربقۃ الاسلام کو اپنی گردن سے نکال لیا۔ اِن کے سوا اور روایتیں بھی بکثرت ہیں جنکو سب صحابہ خوب جانتے تھے۔ اور امتثال امر نبوی میں صحابہ جسقدر مستعد اور سرگرم اور راسخ قدم تھے ہر شخص جانتا ہے کہ وہ حضرات صرف اشارہ پر جان دینے کو سعادت ابدی سمجھتے تھے۔ پھر جب صراحۃً ہمیشہ بدعت کے قلع وقمع کا ارشاد فرمایا گئے تو غور کیا جائے کہ اہل بدعت کے ساتھ اُن کا معاملہ کس قسم کا ہوگا۔ کیا وہ اسبات کو گوارا کر سکتے تھے کہ کسی بدعتی کو منصب روایت کی توقیر حاصل ہو جس سے اسلام کے منہدم کرنے والوں میں نام لکھا جائے۔

ابن سبا جو اصل میں یہودی تھا اُسنے مسلمانوں میں شامل ہو کر بحیلہ محبت اہل بیت تشیع کی بنیاد ڈالی۔ اور کچی جھوٹی حدیثوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت کو شیخین رضی اللہ عنہما پر بیان کرنا شروع کیا۔ آپکو وہ سخت ناگوار ہوا اور فرمایا کہ جو شخص مجھکو شیخین پر فضیلت دے اُس کو افترا کی حد اسّی دُرّے مارونگا اسیطرح اور بہت سی نئی نئی باتیں ایجاد کر کے خفیہ تعلیم سے ایک گروہ کو اپنا ہمزبان بنالیا۔ جب آپ کو اطلاع ہوئی تو اُس گروہ کو مع ابن سبا جلاوطن کر دیا جیسا مولانا شاہ عبدالعزیز رح نے تحفہ میں اس گروہ کا حال مفصل لکھا ہے۔

غور کیجئے ایسا گروہ جو محبت کا دم بھرتا اور جان نثاری کو اپنی سعادت سمجھتا تھا انکو صرف نئے خیالات اور بدعتوں کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جلاوطن کر دیا تو اور بدعتیوں کے ساتھ آپ کا اور دوسرے صحابہ کا کیا حال ہوگا جب مجلسوں میں اہل بدعت کا ذلیل ہونا اور جلاوطنی کی سزا پائی شہرۂ آفاق ہوئی ہوگی۔ تو ایسا کون بیوقوف ہوگا جو اُن سے حدیثیں لیکر دائمی رسوائی حاصل کرے ہاں نوخیز ضعیف الایمان جدت پسند طبائع اُن کے ابلہ فریبیوں کے دام میں آجاتے تھے۔ جس سے مذاہب باطلہ کے گروہ بن گئے جس طرح اس زمانہ میں قادیانی وغیرہ مذاہب باطلہ کا شیوع ہو رہا ہے مگر یہ بات مشاہد ہے کہ اُن کے خیالات اور بنائی ہوئی باتیں اہل حق ہرگز قبول نہیں کرتے یہی حال اُس زمانہ میں تمام جعل سازوں کا تھا اور اگر دھوکہ دیکر کوئی جعلساز موضوع حدیثیں بیان کر دیتا۔ تو اس سے سند پوچھی جاتی جس کی تحقیق ہونے پر وہ رسوا ہوتا جیسا کہ ابن سیرینؒ کے قول سے مستفاد ہے۔

الحاصل صحابہ کے زمانہ میں اہل بدعت کا موضوع حدیثیں بنانا اسلام کے حق میں مضر نہوا بلکہ اہل بدعت کی قلعی کھلگئی اور اُنکی روایتیں اور خیالات انہیں فرقوں میں محدود رہے ورنہ اُن کے بعد طوفان بے تمیزی اور خلط ملط کے زمانہ میں اگر اُن کے موضوعات پیش ہوتے تو اُن کی پوری کامیابی ہوجاتی اور احادیث صحیحہ اور موضوعہ میں کوئی امتیاز نہ رہتا۔

**قولہ** غرض تمام ممالک اسلامیہ میں گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے اور سینکڑوں ہزاروں درسگاہیں قائم ہوگئیں۔ لیکن جس قدر اشاعت کو وسعت حاصل

ہوتی جاتی تھی اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوتا جاتا تھا۔ ارباب روایت کا دائرہ اِسقدر وسیع تھا کہ اُس میں مختلف خیال مختلف عادات مختلف عقائد مختلف قوم کے لوگ شامل تھے۔ اہل بدعت جا بجا پھیل گئے تھے اور اپنے مسائل کی ترویج میں مصروف تھے سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گزر جانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا۔ ان اسباب سے روایتوں میں اس قدر بے اعتنائیاں ہوئیں۔ کہ موضوعات اور اغالیط کا ایک دفتر بے پایاں طیار ہوگیا۔ یہاں تک امام بخاری رحؒ نے اپنے زمانہ میں صحیح صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا۔ تو کئی لاکھ میں سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۷۳۹۷ حدیثیں ہیں۔ اُس میں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں انتہیٰ۔

یہ درست ہے کہ اہل بدعت اپنے مسائل کی ترویج میں مصروف ہوئے جسطرح ہمارے زمانہ کے اختراعی مذاہب والے مصروف ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مذاہب حقہ میں اُن کی روایتیں ہرگز نہیں لیجاتی۔ اختلاف زمانہ کے اعتبار سے اتنا فرق ضروری ہے کہ ہمارے زمانہ کے علما اُن کی طرف توجہ نہیں کرتے اور چونکہ وہ ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا نئی باتیں پُرجوش طبائع کو ناگوار ہوتی تھیں اسلئے اُن کے رد میں زیادہ تر اہتمام ہوتا تھا۔ بہرحال جس قدر مخالفوں کی کوششیں زیادہ ہوئیں محدثین نے احتیاط اور حفاظت میں زیادہ تر اہتمام کیا جس پر فن رجال گواہی دے رہا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اُن کے اثر تعلیم سے مذاہب باطلہ کے فرقے بن گئے سو یہ بات دوسری ہے۔ اس میں طبائع کی مناسبت اور انفعال کو دخل تام ہے

موضوع حدیثوں کا دین پر کوئی اثر نہیں ہوا

جدّت پسند طبیعتیں ہمیشہ مذاہب باطلہ کو مدد دیتے آئے اسی کو دیکھ لیجئے کہ قادیانی
مذہب کے خیالات کو نہ کوئی عقلمند مطابق عقل سمجھتا ہے نہ کوئی دیندار مناسب دین
جن کا حال افادۃ الافہام سے معلوم ہو سکتا ہے۔ پھر مرزا صاحب کی زندگی میں
یہ کہنے کو گنجایش تھی کہ جب وہ عیسیٰ موعود ہیں تو دجال کو کبھی نہ کبھی قتل ضرور کریں گے
مگر اُن کے مرنے سے تو ثابت ہو گیا کہ وہ عیسیٰ موعود ہرگز نہیں تھے۔ کیونکہ نہ انہوں
نے مسلمانوں کے دجّال کو قتل کیا جس کا حال احادیث میں مذکور ہے۔
اور نہ اپنے تاویلی دجال یعنی پادریوں کو باوجود اسکے ان کے پیرو اب بھی
یہی کہے جاتے ہیں کہ وہ عیسیٰ موعود ضرور تھے۔ بلکہ کرشن جی بھی تھے بلکہ سب
کچھ تھے اور ان خیالات کے رد میں کتابیں لکھی گئیں۔ ماہانہ پرچے شائع ہوئے
اخباروں میں مضحکے اُڑائے گئے۔ مگر اُن کو جنبش نہیں اور کچھ بھی کہدے
اسکو جواب فرض کر لیتے ہیں۔ غرضکہ اس قدر پُراثر تعلیم اور پُرزور ترویج پر ہم
دیکھتے ہیں کہ اس مذہب کے نئی باتوں کا ذرا بھی بُرا اثر مذاہب حقہ پر نہیں
پڑا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کسی مذہب کے شیوع سے اور دوسرے مذاہب
پر اثر نہیں پڑتا بہرحال کئی اسباب سے ہم یقیناً کہتے ہیں کہ اہل سُنت کا مذہب
اہل بدعت کی کارروائیوں سے محفوظ رہا اور صحیح حدیثوں میں اُن کا کوئی تصرف
نہیں ہونے پایا۔

مختلف خیالات مختلف عادات مختلف عقائد مختلف قوم کے لوگ جو ہمارے
دین میں داخل ہوتے گئے اُن سے ہمارے دین میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ بلکہ
خود اُن کے خیالات اور عادات بدلتے گئے۔ باوجودیکہ اس وقت ہماری قوم

میں افلاس ہے مگر یورپین ہنود وغیرہ جو مسلمان ہوتے ہیں تو اسلام کا طریقہ اختیار کرکے
اپنے طریقہ کو خیرباد کہدیتے ہیں اُسوقت تو اسلام کی حالت ظاہری بھی دوسری
اقوام سے بدرجہا بہتر تھی۔ غرضکہ ان اسباب کو احادیث کے ضعف میں کوئی دخل
نہیں۔ البتہ اُس زمانہ میں جعلساز ہوکے بھی دیا کرتے تھے تو اُن کی وجہ سے
محدّثین نے بھی اسناد میں بہت سے شروط لگاکر تشدد کردیا۔ اور عدم
واقفیت سے کسی نے ایسے لوگوں سے روایت لی بھی تو اطلاع کے بعد
لکھے ہوئے اجزا تلف کردئے جاتے تھے۔ جیساکہ ابھی معلوم ہوا کہ ابصرف
زرکثیر جو کتابیں لکھوائی گئیں تھیں مخالفت اعتقاد کی وجہ سے سب پھاڑدی گئیں
پھر جیسا جیسا زمانہ گذرتا گیا مخالفت بڑہتی گئی اور منافرت گھٹتی گئی یہاں تک کہ
ہر مذہب کے لوگ مستند شیوخ کے حلقوں میں شریک ہوکر بحسب لیاقت و
قابلیت فن حدیث میں کمال حاصل کرنے لگے۔ اور بعض افراد اُنمیں ایسے
سربرآوردہ بھی نکلے کہ شہرۂ آفاق ہوئے ایسے لوگوں سے بعد اس کے
کہ اُن کا صدق مسلم اور مکرر تجربوں سے ثابت ہوا۔ ہمارے محدثین نے بھی
روایت کی ہے اور اُن کو مستند بھی جانتے تھے جیساکہ تذکرۃ الحفاظ میں ترجمہ
ابن رمیح میں لکھا ہے۔ کہ ابن معین کا قول ہے کہ اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہوجائیں
توہم اُن کی حدیث کو نہ چھوڑینگے" وجہ یہ ہے کہ صدق ایک علیحدہ مستقل صفت
ہے۔ اُسکو کچھ مذہب سے تعلق نہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض یورپین
اور ہندو ایسے راستگو ہوتے ہیں کہ عموماً اُن کا اعتبار ہوتا ہے اور بعض
مسلمان ذی علم ایسے جھوٹے ہوتے ہیں کہ خود اُن کے دوستوں کو اُنکے قول کا

کا اعتبار نہیں ہوتا۔ چونکہ ابن معین رح کو مکرر تجربوں سے عبدالرزاق کے صدق کا یقین ہو گیا تھا۔ اِس لئے انہوں نے اُن لوگوں کے جواب میں جو عبدالرزاق پر شیعیت کا الزام لگاتے تھے کہا کہ وہ شیعی تو کیا اگر مرتد بھی ہو جائیں تو جھوٹ نہ کہیں گے اسلئے ہم اُن کی حدیث نہ چھوڑیں گے۔ غرضکہ اہل بدعت سے جو روایتیں لی گئی ہیں وہ غفلت سے نہیں لی گئیں۔ جس سے بے احتیاطی کا الزام عائد ہو۔ یہ بات مشاہد ہے کہ جن کو اپنی ہوشیاری اور تجربہ کاری پر پورا بھروسہ ہوتا ہے وہ ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ مگر جہاں دھوکے کا اندیشہ ہوتا ہے احتیاط سے زیادہ تر کام لیتے ہیں بہرحال دھوکا نہیں کھاتے۔ اسیطرح نقادان حدیث نے اہل بدعت وغیرہم سے حدیثیں لیں پھر جن میں شرائط صحت پورے پائے اُن کو صحیح کہا اور جن میں نہیں پائے علی حسب مدارج ضعیف منکر موضوع وغیرہ میں داخل کر دیا۔ بہرحال جن پر صحت کا اتفاق ہے وہ یقیناً صحیح ہیں۔

مولوی صاحب نے اشاعت حدیث پر جو حکم لگا دیا کہ اُس سے اعتماد و صحت حدیث کا معیار کم ہوتا گیا۔ اس میں نظر غائر اور واقعہ سے مدد نہیں لی ورنہ یہ کبھی نہ کہتے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ جس قدر اہل بدعت پھیلتے گئے۔ محدثین احتیاط زیادہ کرتے گئے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ متاخرین نے بہ نسبت متقدمین کے حدیث کی تحقیق زیادہ کی۔ یہاں تک کہ ایک ایک حدیث سو سو طریقوں بلکہ اُس سے بھی زیادہ سے حاصل کی ہرچند

فاعتبروا یا اولی الابصار

ظاہراً یہ کام فضول معلوم ہوتا ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جاوے تو مقتضائے احتیاط یہی تھا اس کی توضیح اس مثال سے ہوسکتی ہے کہ کسی بیمار کو کسی دوا کی ضرورت ہو اور ایسا مشتبہ شخص اُسکو لاوے جس کا حال معلوم نہ ہو کہ وہ اُس کا دشمن ہے۔ یا دوست۔ تو وہ اُس دوا کو لے تو لیگا مگر اُسوقت تک اُس کا استعمال نہ کریگا جب تک کئی حکیموں کی زبانی معلوم نہ ہو کہ وہ وہی دوا ہے جو اُس کے مرض کے لئے مفید ہے اِسیطرح محدثین نے جب دیکھا کہ اشاعت حدیث کرنے والے اہل بدعت بھی بکثرت ہیں اور خلط ملط کی وجہ سے اُن کا امتیاز مشکل ہے اِس لئے ایک ایک حدیث کو متعدد طریقوں سے حاصل کرتے جس سے اطمینان ہوجاتا۔ کہ حدیث صحیح ہے اب دیکھئے اشاعت حدیث سے اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوا یا زائد۔

عدم کتابت حدیث کی وجہ

قولہ سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گذر جانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا" بات یہ ہے کہ وہ اسلام کی ترقی کا زمانہ تھا ہر طالب علم کی ہمت ہمہ تن مصروف تھی کہ کمال حاصل کرکے جن حضرات کے حافظے قوی تھے وہ اِس فکر میں رہتے تھے کہ جس قدر سبق زیادہ حاصل ہو بہتر ہے چنانچہ ابھی معلوم ہوا کہ تحصیل حدیث کے زمانہ میں کھانا پکانا نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے لکھنے کے وقت کو بھی تحصیل حدیث ہی میں وہ صرف کرتے تھے وہ جانتے تھے کہ اگر حدیثوں کو لکھ لیں اور دفتر گم ہوجاوے تو کل محنت برباد ہوجائیگی اِسلئے وہ ہمیشہ حدیثوں کو ازبر کرنے کی کوشش میں رہتے اور طبیعت کو لکھنے کی عادی ہی نہیں بناتے تھے۔ اُسوقت کے محدثین نے اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا ہے کہ

جب تک لکھنے کا طریقہ نہیں تھا حافظے قوی تھے۔ اور جب سے اس طریقہ کی بنیاد پڑی حافظوں میں ضعف آگیا۔ اور تعجب نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا لاتکتبوا عنی یعنی احادیث مت لکھا کرو اس میں جہاں اور مصلحتیں تھیں ایک مصلحت یہ بھی ہو کہ حدیثیں کل محفوظ رہیں۔ کیونکہ لاتحفظوا عنی تو فرمایا ہی نہیں۔ بلکہ بجائے اس کے فلیبلغ الشاہد الغائب کہکر تاکید فرمادی کہ حدیثیں یاد رکھکر اُن کی اشاعت کرو۔ اس حفظ کی بدولت علاوہ احادیث کے جرح و تعدیل میں جو کچھ اساتذہ سے سُنتے تھے ہر وقت اُن کے پیش نظر رہتا تھا جس محدث اور راوی سے کوئی حدیث سُنتے تو حافظہ اس راوی کے حالات اور اُس حدیث سے جو امور متعلق ہیں سب پیش کر دیتا پھر اپنی ذاتی تحقیق علاوہ اُسکے ہوتی غرضکہ شدہ شدہ اُن کے حافظے کتبخانے اور وہ حضرات خود ناطق کتابیں ہو گئے تھے۔ جیساکہ ابن تیمیہ رح نے رفع الملام میں لکھا ہے۔ فکانت دواوینہم

صدورہم التی تحوی اضعاف مافی الدواوین وہذا امر لایشک فیہ من علم القضیۃ یعنی قدما کے پاس اگرچہ کتابیں نہ تھیں۔ مگر اُن کے سینوں میں ان کتابوں سے کئی حصے زیادہ حدیثیں جمع تھیں۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ کوئی واقف شخص اس میں شک نہیں کرسکتا۔ انتہیٰ۔ اس سے بہت بڑا فائدہ ہوا کہ جو روایت وہ کسی سے سنتے فوراً سمجھ جاتے کہ وہ روایت صحیح ہے یا ضعیف و موضوع وغیرہ۔ اس وجہ سے جعلساز اُن کے روبرو اپنی روایتیں پیش کرنے سے خوف کرتے تھے۔ ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اُن حضرات کے حافظہ سے تصحیح احادیث میں جس قدر مدد ملی ممکن نہیں کہ کتابت سے مل سکتی۔

اُس سے اتنا ہی ہوتا کہ ہر قسم کی روایتوں کا ذخیرہ فراہم ہو جاتا جس کو صحت وغیر صحت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ کتابت کی وجہ سے حافظوں میں ضعف آجاتا جس سے روایت لینے کے وقت نہ راوی کے حال کا علم نہ رجال اسناد کی خبر نہ یہ معلوم کہ دوسرے اساتذہ کن الفاظ سے اُس حدیث کو روایت کرتے ہیں الحاصل اسباب حفاظت احادیث صحیحہ میں ایک قوی سبب یہ بھی ہے کہ اوائل میں صرف حافظہ ہی سے یہ کام متعلق رہا گویا من جانب اللہ یہ حفاظت ہوئی کہ مدتوں کسی کو لکھنے کا خیال ہی نہ آیا اور جب ایک سو سال کی کوششوں سے صحیح صحیح حدیثیں جمع ہوگئیں تو اُسوقت لکھنے کی اجازت ملی۔

اب دیکھئے باوجودیکہ حفاظتِ احادیث صحیحہ جو قوت حافظہ سے ہوئی کتابت سے ممکن نہ تھی مگر مولوی صاحب اُسی کو سب سے زیادہ مضر بتلاتے ہیں۔

---

قولہ ان اسباب سے روایتوں میں اسقدر بے احتیاطیاں ہوئیں کہ موضوعات اور اغالیط کا ایک دفتر بے پایاں تیار ہوگیا۔ انتہی۔

یہ درست ہے اگر کل فرق باطلہ سے قطع نظر کرکے صرف روافض ہی کی کتابیں دیکھ لیجائیں تو ایک دفتر بے پایاں پیش نظر ہو جائیگا۔ مگر اُس سے ہمارے محدثین کو کیا تعلق ہر ایک فرقہ کے یہاں اُن کے مخترعات کا دفتر رکھا ہوگا ہمارے یہاں تو وہی حدیثیں محفوظ چلی آرہی ہیں جنکی حفاظت میں ہزارہا محدثین قرناً بعد قرنٍ مصروف رہے۔ البتہ اہل بدعت کے خلط ملط سے متاخرین کی کتابوں میں چند موضوع حدیثیں داخل ہوگئیں۔ جنکو محدثین نے چھانٹ کر الگ بھی کردیا۔ چنانچہ موضوعات کی کتابوں میں وہ لکھی جاتی ہیں اور انمیں بھی بہت سی حدیثیں ایسی ہیں

موضوعات سے جدا [illegible]

کہ محققین نے اُن کو موضوعات سے خارج کردیا - اگر یقینی موضوعات دیکھی جائیں تو سو دو سو سے زیادہ نہ ہوں گی -
غرضکہ موضوعات اور اعالیت کا دفتر بے پایاں اہل سُنت وجماعت کے یہاں تیار ہوجانا غلط محض ہے -

قولہ امام بخاری نے صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھہ حدیثوں میں صرف دو ہزار کئی سو ملیں انتہی -

یہ عجیب بات ہے کہ صحابہ نے بڑے اہتمام سے تمام حدیثیں پہونچادیں - اور تابعین نے نہایت شوق سے اُن کو لیا - اور تبع تابعین وغیرہم قرناً بعد قرن بڑی جانفشانیوں سے انکو حاصل کرکے حفاظت کرتے رہے اور خود امام بخاری بھوکے پیاسے تمامی اسلامی دنیا میں تحصیل کی غرض سے ایک مدت دراز تک پھرا کئے - اور مرمر کے جو حاصل کیا سو دو ہزار کیونکہ دوسری حدیثیں تو بیکار ہوگئیں -

معلوم نہیں مولوی صاحب سے کس نے کہدیا کہ جامع لکھنے سے مقصود امام بخاری کا صحیح حدیثوں کو جدا کرنا تھا فتح الباری میں امام بخاری کا قول نقل کیا ہے کہ جامع میں میں نے وہی حدیثیں داخل کیں جو صحیح ہیں اور بہت سی صحیح حدیثوں کو اس خیال سے چھوڑدیا کہ کتاب بڑی ہوجائیگی - اگر اُن کا یہ مقصود ہوتا جو مولوی صاحب نے سمجھا ہے - تو اپنے جامع کو لاکھہ حدیثوں کا مجموعہ بناتے کیونکہ فتح الباری وغیرہ میں اُن کا قول مصرح نقل کیا ہے - کہ لاکھہ صحیح حدیثیں مجھی یاد ہیں یہ تو اُن کو یاد تھیں اور اُن کے اوستاد امام احمد رح کو سات لاکھہ سے زیادہ

میں نے وضع کی ہیں تاکہ کم مایہ اور کم عقل مسلمانوں کے دل میں کچھ نہیں تو شبہ ہی پیدا ہو جائے اور بے دینوں کو دستاویز مل جائے کہ اسلام میں کوئی بات قابل اعتبار نہیں۔ اگر فی الواقع اُس نے حدیثیں بنائی تھیں تو علماء کے روبرو پیش کر دیتا کہ یہ روایتیں جو محدثین کے یہاں دائر و سائر ہیں میری بنائی ہوئی ہیں اور اُس کو محدثین تسلیم بھی کر لیتے تو ایک بات تھی۔ ابھی معلوم ہوا کہ ایک ایک حدیث اُس زمانہ میں سو سو طریقوں سے لیجاتی تھی۔ تو بتائیے کہ ایک غیر متدین شخص کی بنائی ہوئی حدیثوں کو کس نے مانا ہو گا۔ غرضکہ عبد الکریم کی طرف سے کوئی شہادت پیش نہیں ہوئی۔ کہ فی الواقع اُس کی طرف سے دین میں رخنہ پڑ گیا پھر ایسے مخالف شخص کا یہ اقرار کہ میں نے دین میں رخنہ ڈالدیا مسلمانوں کے ضرر پر کیوں کر قابل سماعت ہو سکتا ہے۔ بلکہ وہ درحقیقت مجرد دعوے ہے۔ جو نہ شرعاً قابل قبول ہے نہ قانوناً نہ عرفاً۔

قولہ بہت سے ثقات اور پارسا تھے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرتے تھے۔ حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں نے بہت ضرر پہونچایا۔ کیونکہ اِن واضعین کے تفقہ اور تورع و زہد کی وجہ سے یہ حدیثیں اکثر مقبول ہو گئیں۔ اور رواج پا گئیں۔

بعض نیک نیت بزرگوں نے جو فضائل اعمال میں حدیثیں بنائی گو وہ فعل بُرا تھا مگر اُس سے دین میں کوئی رخنہ نہیں پڑا۔ اِسلئے کہ بہت سے بہت اُس کا اثر ہوا سو یہ ہوا کہ جو سورہ مہینے میں مثلاً ایک بار پڑھا جاتا تھا لوگ اُسکو روز پڑھنے لگے۔ جس کی شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ پھر اُن حضرات نے راز میں کہہ بھی دیا

کہ فلاں فلاں حدیث ہم نے بنائی ہے اس سے اُن احکام شرعیہ پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔ جو حلت وحرمت سے متعلق ہیں اور نہ یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ اسیطرح اور حدیثیں بنائی ہوں گی۔ کیونکہ وہ حضرات اپنی طرف سے احکام ثابت کرنے کو حرام سمجھتے تھے۔

تولہ وضع کے بعد مساہلات۔ غلط فہمیاں۔ بے احتیاطوں کا درجہ تھا جنکی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول اللہ کی طرف بے قصد منسوب ہو گئے بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے۔ اور اکثر حروف تفسیر حذف کر دیتے تھے جس سے سامعین کو دہوکا ہوتا تھا۔ اور وہ اُن کے تفسیری جملوں کو بھی حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے تعجب یہ ہے کہ اس قسم کے مسامحات بڑے بڑے آئمۂ فن سے صادر ہوے امام زہریؒ جو امام مالکؒ کے اُستاد اور حدیث کے ایک بڑے رکن تھے۔ اُن کی نسبت علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں وکذا کان الزہری لیفسر الحدیث کثیرا وربما اسقط اداۃ التفسیر یعنی اسیطرح زہری اکثر حدیث کی تفسیر کرتے تھے اور وہ حروف جن سے اُس عبارت کا تفسیر ہونا ظاہر ہو چھوڑ دیا کرتے تھے۔ وکیع کا بھی یہی حال تھا وہ اکثر حدیث کے بیچ بیچ میں یعنی کہکر بیان کرتے جاتے اور اکثر یعنی کا لفظ چھوڑ دیتے تھے جس سے سامعین کو اشتباہ ہوتا تھا۔ کتب رجال واصول حدیث میں اس قسم کی اور بہت مثالیں ملتی ہیں۔

اہل انصاف پر ظاہر ہوگیا ہوگا کہ احادیث کے ضعیف اور موضوع قرار دینے کی غرض سے جس قدر احتمالات پیدا کئے گئے تھے بفضلہ تعالیٰ سب بے اصل

ثابت ہوئے وَالحمدُ للہ علیٰ ذٰلک ۔ اب مسامحات اور غلط فہمیوں کا درجہ ہے یہاں بھی مولوی صاحب نے پَر کا کبوتر بنادیا۔ بات اتنی تھی کہ بعض احادیث کے معنی ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتے تھے اِسلئے بعض محققین تدریس کے وقت اُن کی تفسیر کی اور اُسکو لفظ یعنی کہہ کر ممتاز بھی کردیا۔ اور جہاں قرینہ اُس کی تفسیر ہونے پر تھا لفظ یعنی کو کبھی حذف بھی کردیا۔ جیسا کہ سخاوی رح کی عبارت مذکورۂ میں مصرح ہے ۔ وربما اسقط اداۃ التفسیر اِس تغیر کی ضرورت اِس وجہ سے ہوئی کہ بعض طلبہ مضمون حدیث غلط سمجھے تھے جیسا کہ مسلم شریف میں ہے ۔ کہ حدیث نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تیخذ الرّوح غرضاً کو ایک محدث نے ان تیخذ الروح عرضا روایت کی لوگوں نے مطلب پوچھا تو کہا کہ ہوا لینے کے لئے دریچہ عریض نہ رکھا جائے حالانکہ مطلب اُس کا یہ ہے کہ کسی جاندار کو نشانہ نہ بنایا جائے ۔ ایسے موقع میں روح کی تفسیر میں یعنی الحیوان الذی فیہ الروح اور غرض کی تفسیر میں یعنی الہدف کہا جائے۔ تو سوائے توضیح مطلب کے معنی میں کوئی زیادتی نہ ہوگی خواہ لفظ یعنی مذکور رہو یا محذوف البتہ اہل احتیاط کو یہ بھی گوارا نہ تھا ۔ اِسلئے انہوں نے بیان کردیا کہ فلاں فلاں محدث کبھی ایسی زیادتی کیا کرتے ہیں ۔ اس سے اُن کا مقصود یہ نہیں کہ اس قسم کی تفسیروں سے حدیثوں میں اشتباہ پیدا ہوگیا کیونکہ ان امور سے اصل حدیث میں اشتباہ ممکن نہیں اسلئے کہ مثلاً وکیع رح نے لفظ یعنی کو حذف بھی کردیا تو وکیع اس حدیث کے موجد تو تھے ہی نہیں آخر کسی شیخ سے انہوں نے لی تھی پھر شیخ سے وہی اکیلے راوی نہ تھے ۔ اور بھی صدہا محدثین اُن کے شاگرد تھے جنہوں نے وہ روایت اُن سے کی علیٰ ہذا القیاس ہر درجہ کے شیخ

سے وہ روایت راویوں میں محفوظ چلی آئی جس سے محدثین کو صاف معلوم ہوگیا کہ وہ زیادتی صرف وکیع کی روایت میں ہے۔

فتح المغیث میں لکھا ہے کہ حدیث بدؤ الوحی میں التحنث کا لفظ وارد ہے زہری کی روایت میں التحنث التعبد ہے چونکہ تحنث کے معنی تعبد ہیں اس قرینہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بطور تفسیر یہ لفظ بڑہایا گیا ہے اس قسم کی زیادتی سے ظاہر ہے کہ معنی میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ چونکہ یہ حضرات اکابر دین ہیں۔ جن کی جلالت شان پر تمام محدث متفق ہیں۔ اسلئے ممکن نہیں کہ کوئی زیادتی انہوں نے ایسی کی ہو کہ جس سے معنی میں تغیر واقع ہو اگر ایسی زیادتی ہوتی تو محدثین اس کی تصریح ضرور کر دیتے۔

مولوی صاحب کو اکا دُکا لفظ جو کہیں مل گیا اُسپر انہوں نے طوفان برپا کر دیا کہ ہزاروں اقوال رسول اللہ کی طرف بے قصد منسوب ہو گئے بھلا دس بیس قول تو ان اکابر دین کے ایسے پیش کریں جن سے معنی حدیث میں تغیر واقع ہوا ہو۔ اور وہ حدیث میں شامل ہو گئے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ وہ پیش نہیں کر سکتے۔ الحاصل اول تو غیر ممتاز زیادتیاں مستند محدثین نے نہیں کیں اور اگر بادی النظر میں غیر ممتاز ہیں تو محققین نے دوسری روایتوں سے تحقیق کر کے ایک ایک لفظ کو ممتاز کر دیا۔ کہ حدیث میں داخل نہیں۔ بطور تفسیر بڑہا ہوا ہے۔

قولہ بڑی آفت تدلیس کی تھی جس کا ارتکاب بڑے بڑے ائمۂ فن کرتے تھے اس تدلیس نے اسناد کے اتصال کو بالکل مشتبہ کر دیا تھا ان کے سوا اور بہت سی بے احتیاطیاں تھیں جن کی تفصیل اصول حدیث کی کتابوں میں مل سکتی ہے

بیشک مدلسین بھی گذرے ہیں مگر محققین نے ہر ایک مدلس کا نام لکھدیا ہے جیسا
کہ فن رجال سے ظاہر ہے اور تدریب الراوی میں امام سیوطی رح نے لکھا ہے
کہ خطیب نے ایک کتاب خاص مدلسین کے ناموں کی لکھی ہے۔ اور نیز ابن
عساکر نے بھی ایک کتاب اسی باب میں لکھی ہے۔
غرضکہ جس بات میں ذرہ بھی بے احتیاطی ہوئی محدثین نے تحقیق کر کے تصریح
کردی کہ فلاں حدیث میں فلاں قسم کی بے احتیاطی ہوئی اور اسکو ضعیف یا
موضوع میں داخل کردیا جیسا کہ اصول حدیث اور دوسرے فنون حدیث سے ظاہر ہے
جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ جتنی حدیثیں موضوع تھیں سب موضوعات کی کتابوں
میں داخل کردی گئیں۔ اور ان کے سوا سب حدیثیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
ارشادات ہیں۔ تو اُسکے بعد اگر کوئی شخص کسی حدیث کے معنی سمجھ میں نہ آنیکی
وجہ سے اسکو موضوع کہدے تو مسلمانوں کے نزدیک اُن کا یہ قول ہرگز
قابل اعتبار نہیں ہوسکتا کیونکہ ناسمجھی سے حدیث تو کیا قرآن کو بھی بعضوں نے
موضوع کہدیا۔ چنانچہ ملل ونحل میں عبدالکریم شہرستانی رح نے لکھا کہ خوارج
میں ایک فرقہ ہے کہ سورہ یوسف کو وہ خدا کا کلام نہیں سمجھتا۔ اس وجہ سے
کہ اُس میں عشق کا قصہ مذکور ہے۔ جس کا بیان کرنا خدا کی شان سے بعید ہے
اگر ایسے لوگوں کی بات چل جائے تو ہر خود غرض اپنے مضر مطلب حدیثوں کو
موضوع کہدیگا جس سے ہزارہا محدثین کی جانفشانیاں اکارت ہوجائینگی
مولوی صاحب نے سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ اس قسم کی حدیثیں ایجاد ہونے
لگیں کہ میری اُمت میں ۷۲ فرقے پیدا ہونگے جن میں صرف ایک جنتی ہوگا باقی سب دوزخی

اور اُس کے بعد لکھتے ہیں (کہ امام ابوحنیفہ کی نکتہ شناسی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے دائرہ کو جو من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کی وسعت رکھتا ہے۔ اصلی وقعت پر قائم رکھا) انتہیٰ۔

یہ بات بالکل غلط ہے کہ امام صاحب کا یہ قول ہے کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کے کہدینے سے آدمی قطعی جنتی ہو جاتا ہے۔ اگر یہی بات ہو تو یہ ماننا پڑیگا کہ امام صاحب معاذ اللہ قرآن کی مخالفت کرتے تھے۔ کیونکہ قرآن شریف میں ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار کچھ شک نہیں کہ منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہونگے انتہیٰ۔ حالانکہ منافق لا الٰہ الا اللہ بلکہ محمد رسول اللہ بھی کہتے اور نماز روزہ بلکہ جہاد وغیرہ میں شریک رہتے تھے اور قرآن شریف میں ہے۔ ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا اور جو مسلمان کو عمداً مار ڈالے تو اُس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیگا۔ اس میں یہ ارشاد نہیں کہ قاتل کافر ہو تو اُس کی یہ سزا ہو گی۔ اور لا الٰہ الا اللہ کہنے والا جنت میں چلا جائیگا۔ اور قرآن شریف میں ہے۔ ان الذین فتنوا المومنین والمومنات ثم لم یتوبوا فلہم عذاب جہنم ولہم عذاب الحریق۔ یعنی جو دین سے بچلانے لگے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو پھر توبہ نہ کی تو اُن کو عذاب ہے دوزخ کا اور انکو عذاب ہے آگ لگنے کا۔

ان کے سوا اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے ظاہر ہے کہ آدمی گناہوں کی وجہ سے دوزخ کا مستحق ہوتا ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر۔ خود مولوی صاحب نے سیرۃ النعمان میں لکھا ہے۔ کہ امام صاحب قرآن کے مقابلہ میں حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں

تو اب بتائیے کہ اتنی آیتوں کے مقابلہ میں ایک حدیث پر انہوں نے کیونکر عمل کیا ہو گا۔

بہر حال حدیث من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ کے قرینہ سے ۷۳ مذہب والی حدیث کو موضوع قرار دینا باطل ہے۔ اسلئے کہ قرآن شریف میں جو عقائد بیان کئے گئے ہیں اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تصریح کر دی جنکو صحابہ نے سُنکر یاد رکھا اور انہی اعتقادوں پر عمر بھر رہے ایسے اعتقادوں کو خلاف عقل کہہ کر کوئی شخص نہ مانے اور اقوال صحابہ اور احادیث کو موضوع قرار دے اور قرآن کے معنی کو بگاڑ کر اپنی مرضی کے مطابق بنائے تو اُسکے گنہگار اور خطاکار ہونے میں کیا تامل کیونکہ نہ اُس نے خدا کی بات مانی نہ رسول کی نہ مسلمانوں کا طریقہ اختیار کیا۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولّی ونصلہ جہنم وساءت مصیراً۔ جو شخص راہ راست ظاہر ہوئے پیچھے پیغمبر کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے رستے کے سوا دوسرے رستے ہولے تو جو رستہ اُس نے اختیار کر لیا ہے ہم اُسکو اُسی رستے چلائے جائینگے اور آخر کار اُسکو جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ بہت بُری جگہ ہے انتہیٰ۔

اور گنہگار اور خطاکار کا دوزخی ہونا اس آیت سے ثابت ہے قولہ تعالیٰ۔ بلیٰ من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولٰئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون یعنی کیوں نہیں جسنے کمایا گناہ اور گھیر لیا اُسکو اُسکے گناہ نے سو وہی ہیں لوگ دوزخی وہ ہمیشہ دوزخ میں رہینگے۔

غرضکہ جتنے اسلام میں فرق باطلہ ہیں جن کا مخالف قرآن و حدیث و طریقہ صحابہ ہونا

ثابت ہے اُن کا وزخی ہونا قرآن سے ثابت ہے اور یہی بات اُس حدیث شریف سے بھی ثابت ہے رہا یہ کہ تہتر فرقوں کی تعین حدیث میں ہے سو جب اس پیشین گوئی کے مطابق فرقوں کی کثرت مشاہد ہے تو اس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے فرقوں پر حق تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمادیا تھا اور وہ کل تہتّر تھے۔ اور چونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تفصیل نہیں بتائی تھی۔ اِسلئے علما کی تخمین میں فرق آجاے تو حدیث سے اُسکو تعلق نہیں۔

ہر ذیعلم اس بات کو جانتا ہے کہ قرآن وحدیث میں اکثر مقامات ایسے ہیں کہ ہر شخص اُن کو کما حقہ سمجھ نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے فقہا کی ضرورت ہوئی جن میں عمر بھر کی محنت اور جانفشانی کے بعد توضیح مُشکلات اور توفیق اختلافات کی صلاحیت پیدا ہوئی اب اگر کوئی اجنبی بمجرد اس کے کہ کوئی حدیث سمجھ میں نہ آے اور اختلافات میں توفیق نہ دے سکے۔ اور اُسکو موضوع قرار دیدے تو اُس کا قول قابل التفات نہیں ہو سکتا۔

قولہ۔ تابعین اور صحابہ نے بالمعنیٰ حدیثیں روایت کیں۔ اور روایت بالمعنیٰ سے اصل روایت کا اصلی حالت پر قائم رکھنا قریباً ناممکن ہے۔

صحابہ کی حالت تمام مسلمان جانتے ہیں کہ دین میں وہ کیسے محتاط تھے جس قسم کی احتیاطیں خدا و رسول نے اُن کو سکھلائی تھیں اُسی مطابق اُن کا عمل تھا بعض صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنے سے منع فرمایا تھا انہوں نے اس درجہ کی احتیاط کی کہ اگر سواری کی حالت میں کوڑا گرجاتا تو خود اوتر کر لیتے اور کسی سے نہ مانگتے۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت نے فرمایا۔ دع ما یریبک الی مالا یریبک یعنی

جس بات میں شک ہو اُس کو چھوڑ دو اور اُس بات کو اختیار کرو جس میں کوئی شک نہ ہو اسی پر ان حضرات کا عمل رہا اب غور کیا جاے کہ اگر روایت بالمعنی جائز نہ ہوتی تو ایسے محتاط حضرات جنہوں نے اپنی جانوں کو دین کے کاموں میں وقف کر دیا تھا اُسکو کیونکر جائز رکھتے۔ بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو بات فرماتے اوّل تو وہ عام فہم ہوتی کیسا ہی غبی جنگلی آدمی ہوتا سمجھ جاتا۔ پھر عادت شریف یہ تھی کہ جو ضروری بات ہوتی اس کو مکرر تین تین بار فرماتے تاکہ اُس کا مطلب بخوبی ذہن نشین ہو جیساکہ کتب سیر سے ظاہر ہے چونکہ صحابہ مامور تھے کہ جو بات سُنیں اوروں کو پہونچا دیں اِسلئے موافق عرف وعادت کے اُس مضمون کو پہونچا دیا کرتے تھے کیونکہ ہر ملک وقوم کے لوگ جانتے ہیں کہ کوئی پیام کسی کو کہلایا جاتا ہے تو ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ مضمون پہونچانے کی ضرورت ہے نہ کہلانے والے کا یہ مقصود ہوتا ہے کہ بعینہ سب الفاظ پیام نقل کیے جایئں نہ پیام لیجانیوالا اس کا خیال کرتا ہے۔ ہاں کبھی مقصود یہ ہوتا ہے کہ الفاظ بعینہ نقل کئے جائیں مگر اُسوقت تصریح کردیجاتی ہے کہ میں جو کہہ رہا ہوں لفظ بلفظ اُس کو سنا دیا جاے غرضکہ صحابہ اپنے عرف کے موافق حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو نقل کیا کرتے تھے۔ اگر اس عرف کے خلاف حضرت کا مقصود ہوتا تو لفظ بلفظ کلام مبارک کو نقل کرنے کی تاکید فرمادیتے حالانکہ اس قسم کا تشدد کسی روایت میں دیکھا نہیں گیا بلکہ بعض روایات میں تصریح وارد ہے کہ روایت بالمعنی کا مضائقہ نہیں۔ جیساکہ کنز العمال میں ہے عن یعقوب بن عبد اللہ

بن سلیمان ابن اکیمۃ اللیثی عن ابیہ عن جدہ قال اتینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فقلت بابینا انت وامنا یا رسول اللہ انا نسمع منک الحدیث ولا نقدر علی تادیتہ کما

سمعنا منک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا لم تحلوا حراما ولا تحرموا حلالا واصبتم المعنی فلا باس بہ یعنی سلیمان ابن اکمہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یارسول اللہ ہم آپ سے کوئی حدیث سُنتے ہیں تو ہم سے نہیں ہو سکتا۔ کہ جس طرح سُنتے ہیں بلا کم وکاست روایت کردیں فرمایا جب حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کرو اور معنی برابر بیان کردو تو کوئی مضائقہ نہیں اور دوسری روایت بھی کنز العمال میں طبرانی اور ابن مردویہ سے نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی میری طرف سے کوئی جھوٹی روایت کرے تو وہ دوزخی ہے۔ اُسپر صحابہ نے پوچھا کہ بعض حدیثوں کے بیان کرنے میں کمی وزیادتی ہوجاتی ہے۔ کہا اسپر بھی عذاب ہوگا۔ فرمایا میرا مقصود یہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ ایسی بات میری طرف سے بیان نہ کی جاوے جسمیں اسلام پر عیب لگایا جاوے۔

غرضکہ روایت بالمعنی میں اقسام کے احتمالات پیدا کرکے حدیثوں کو ساقط الاعتبار کرنا خلاف حدیث وطریقہ صحابہ ہے۔ ان تابعین کے بعد جب اہل مذاہب باطلہ اور خود غرض روایت بالمعنی کے ضمن میں اپنی اغراض پورے کرنے لگے اسوقت امام صاحب نے روایت بالمعنی میں کلام کیا جیساکہ سیرۃ النعمان میں مولوی شمس العلما صاحب نے لکھا ہے۔ (لیکن امام ابوحنیفہ نے اس اجازت کو صحابہ او تابعین تک محدود کردیا اور اور لوگوں کے لئے روایت بالالفاظ کی قید لگائی)

مولوی صاحب نے احادیث کو ساقط الاعتبار کرنے کی اور بھی تدبیریں بتائی ہیں جنکا ماحصل یہ ہے کہ پہلے تو یہ یقین نہیں کہ رواۃ اسناد فی الواقع ثقہ مذابط القلب ہیں

یا نہیں اور اگر ہیں بھی تو روایت متصل ہے یا نہیں خصوصاً معنعن میں تو ثبوت اتصال بہت ہی مشکل ہے اور اگر اتصال ثابت بھی ہو تو صحابہ کے کل اقوال حدیث مرفوع ہونے پر دلالت نہیں کرتے مثلاً اس قسم کے الفاظ (کہ یہ امر سنت ہے) انکی مرفوعیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر مرفوع ہونا بھی ثابت ہو گیا تو خبر احاد سے یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔

عقلا کی عادت ہے کہ جب کسی بات کو ماننا یا کوئی کام کرنا منظور نہیں ہوتا تو اقسام کے احتمالات پیش کر دیتے ہیں چنانچہ یہ حکایت مشہور ہے کہ ایک رات کسی صاحب کا عزیز بیمار ہوا انہوں نے اپنے ملازم سے حکیم کے یہاں جانے کو کہا چونکہ تھا وہ بڑا ہوشیار لگا باتیں بنانے کہ حضرت رات بہت ہو گئی ہے معلوم نہیں حکیم صاحب میرے لیئے دروازہ کھولتے ہیں یا نہیں۔ اور اگر کھولا بھی تو معلوم نہیں دوا تیار ہے یا نہیں۔ اور اگر تیار بھی ہو تو دیتے ہیں یا نہیں۔ اور اگر دے بھی تو معلوم نہیں کہ مفید ہو گی یا نہیں۔ اسلیئے بہتر یہی ہے کہ یہ تجویز موقوف رکھی جاے۔ مگر اس قسم کی باتیں اجنبیت اور بے تعلقی میں سوجھتی ہے۔ اگر وہ خود ملازم یا اس کا کوئی عزیز بیمار ہوتا تو اس وقت بجاے اسکے کہ احتمالات پیدا کرے ادنیٰ احتمال پر توجہ کرتا۔ دیکھئے جب کسی کے سر یا اور کسی عضو میں شدت سے درد ہو تو وہ ہر کسی سے دوا پوچھتا ہے۔ پھر اگر کوئی دوا کسی نے بتلادی تو اس کا نہایت ممنون ہو کر اس دوا کا استعمال کرتا ہے اور نہ یہ پوچھتا ہے کہ بھائی تمہارے پاس طبابت کی کوئی سند بھی ہے یا نہیں اور نہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ دوا مفید ہو گی یا مضر۔

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ شاہی حکم کسی کی طلبی کا آجاے تو اس کی تعمیل کس قدر

ضروری سمجھی جاتی ہے اور یہ نہیں پوچھا جاتا کہ حکم نامہ لانے والا چپراسی سرکاری آدمی ہے یا کوئی دغاباز ہے جو کسی خاص غرض سے یہ کام کیا ہے اسلئے کم از کم دو گواہوں سے اُس کا سرکاری آدمی ہونا ثابت کیا جاے اور نہ یہ پوچھا جاتا ہو کہ اس کا کیا ثبوت کہ وہ حکمنامہ خاص ہمارے نام ہے ہے ممکن ہے کہ کسی دوسرے شخص کے نام سے ہو کیونکہ ایک نام کے کئی آدمی ہوتے ہیں اور نہ یہ پوچھا جاتا ہے کہ دستخط اور مہر جعلی ہے یا اصلی کیونکہ جعلساز جعلی سکے تک بنایا کرتے ہیں غرضکہ اُس حکمنامہ کی تعمیل کئے بغیر چارہ نہیں۔ صرف قرائن سے جو ظن غالب ہوجاتا ہے اُس کی تعمیل پر مجبور کرتا ہے اگر بات بات میں علم قطعی کی ضرورت سمجھی جاے تو دنیا کے بہت سے کاروبار ملتوی اور درہم و برہم ہوجائینگے۔ یہ امر مشاہد ہے کہ لاکھوں روپیوں کے معاملے تار کے ذریعہ طے ہوتے ہیں حالانکہ تار کی خبر قطعی نہیں ہوسکتی ممکن ہے کہ کوئی دوسرے شخص نے تار دیدیا ہو مگر قرائن سے جب ظن غالب ہوجاتا ہے تو اُسپر عمل کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا اسی طرح دین میں بھی ظن غالب قابل اعتبار قرار دیا گیا ہے۔ اِس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ دو شخصوں کی گواہی سے حقوق ثابت ہوجاتے ہیں حتی کہ قصاص کا حکم صرف دو گواہوں سے ثابت ہوتا ہے حالانکہ عقلاً اور شرعاً آدمی کی جان قابل حفاظت ہے اب غور کیجئے کہ وہ حضرات جن پر اسلام کی اشاعت اور ابقا کا مدار سمجھا جاے تو بے موقع نہ ہوگا۔ ہر زمانہ میں ہزارہا تھے جنہوں نے اپنے سب کاروبار دنیوی چھوڑکر صرف اِس بات میں کوشش کی کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد تلف نہ ہونے پائیں کیا ایسے ضعیف احتمالوں سے اُن کی جانفشانیاں بیکار ہوجائینگی

کیاان ہزارہا مقتدایان اہل سلام کی متواتر خبروں سے ظن غالب بھی نہ ہوگا۔ کہ یہ احادیث جن کی خبر ہر قرن کے علما نے دی ہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہیں۔

غرضکہ جس مسلمان کے دل میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور اُن کے کلام مقدس کی وقعت ہوگی۔ اُس کا یہ خیال ہوگا کہ بجائے اِسکے کہ معتبر حدیثوں میں احتمال پیدا کرے ضعیف حدیثوں پر عمل کرنے کو بھی اپنی سعادت اور نجات سمجھیگا ہاں احادیث متعارضہ اور ضعیفہ وغیرہ میں اُسکو ظن غالب حاصل کرنے کی ضرورت ہوگی سو اگر وہ مجتہد ہو تو قرائن وغیرہ سے مدد لیکر اجتہاد کریگا ورنہ کسی مُستند مجتہد کی تقلید کرکے اِس ظن غالب پر عمل کرے گا۔ کہ مجتہد نے جو تمام آیات و احادیث پر غور کرکے اجتہاد سے حکم دیا ہے وہ موافق قرآن و حدیث ہے۔

یہ ضمنی بحث تھی کلام اس میں تھا کہ محدثین رحمہم اللہ نے بڑی بڑی جانفشانیوں سے احادیث نبویہ کے حفاظت کی سو آپ نے دیکھ لیا کہ اُن کی اوالعزمیاں اور حافظے اور جانبازیاں کس قسم کی تھیں۔ تعصب کو دُور کرکے ان حضرات کے کارنامو کے ساتھ دوسرے تمام ادیان اور اسلامی فرقوں کے کارناموں کا مقابلہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ اپنے نبی کے کلام پاک کی حفاظت کا افتخار جو اہل سُنّت و جماعت کو حاصل ہے وہ کسی کو حاصل نہیں دراصل یہ صرف تائید آسمانی ہے کہ حق تعالیٰ نے بمصداق واللہ یختص برحمتہ من یشاء ایک جماعت کو اس کام کے لئے خاص فرما کر ہر طرح سے اُن کی مدد کی ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء اور اپنے سچے دین کو قیامت تک محفوظ کردیا۔

اس میں شک نہیں کہ دوسرے ادیان حقہ میں بھی دیندار لوگ تھے مگر اُن سے حفاظت دین نہ ہو سکی۔ اور اپنے خالص دین کو کھو بیٹھے۔ اِس کی تصدیق میں ہم چند امور پیش کرتے ہیں۔ جن سے اہل اسلام اور اہل ادیان سابقہ کا موازنہ ہو جائیگا اور اہل انصاف سمجھ جائینگے کہ قسام ازل نے دین کی حفاظت مسلمانوں ہی کی قسمت میں رکھی تھی۔

دیکھئے موسیٰ علیہ السّلام نے جب اپنے صحابہ کو عمالقہ کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے صاف کہدیا کہ حضرت وہ ایک زبردست قوم ہے ہم اُن سے لڑ نہیں سکتے اس کام کے لئے آپ اور آپ کا خدا تشریف لیجائیں۔ ہم یہاں ٹھہرے رہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے قالوا یا موسےٰ انا لن ندخلها ابدا ما داموا فیها فاذهب انت وربک فقاتلا انا ههنا قاعدون۔ یہ بنی اسرائیل کا حال ہے جن پر موسیٰ علیہ السّلام نے یہ احسان کیا تھا کہ فرعون کی غلامی سے اُن کو آزاد کرا دیا۔ اور طرفہ یہ کہ تفسیر ابن جریر میں لکھا ہے کہ وہ لوگ چھ لاکھ مقاتل یعنی سپاہی تھے۔ اب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا حال سُنیئے۔ کہ ہنوز کسی قسم کی دنیوی ترقی انہوں نے نہیں دیکھی اور بے سامانی کی یہ حالت کہ جنگ بدر میں صرف تین سو تیرہ شخص تھے جن میں صرف دو تین گھوڑے اور ستر اونٹ اور کل لشکر میں آٹھ تلواریں اور چھ زرہ تھے۔ اور مقابلہ ایک ایسے شجیع نبرد آزما قبیلہ قریش کا تھا جس کی دہاک ملک عرب پر بیٹھی ہوئی تھی ایکہزار لشکر جرار زرہ پوش مسلح) لیکر معرکہ جنگ میں آن پہونچے تھے۔ ایسی حالت میں حضرت نے صرف اُن سے رائے لی انہوں نے مرضی مبارک پاکر

بالاتفاق کہدیا کہ حضرت ہمیں آپ بنی اسرائیل تصور نہ فرمائیں جنہوں نے اذہب انت وربک کہا تھا۔ ہم ہر طرح سے رفاقت پر آمادہ اور جانبازی کے لئے مستعد ہیں چنانچہ اس سچی عقیدت او جان نثاری کا یہ اثر ہوا کہ نہ صرف اُن کافروں کو ہزیمت ہوئی بلکہ تمامی ملک عرب پر مسلمانوں کا رعب چھا گیا۔ پھر یہ جانبازیاں حضرت ہی کے زمانہ تک محدود نہیں تھیں بلکہ خلفاء کے زمانہ میں بھی دین کے لئے وہ جانفشانیاں کیں کہ جن کی نظیر ملنی دشوار ہے۔

اب عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے کہ اُنہی میں وہ شخص بھی تھا جس نے آپ کو گرفتار کرادیا جیسا کہ انجیل متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا میں ہے کہ یہوداہ عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب میں تھا وہ سپاہیوں اور سرداروں کو لیکر وہاں آیا جہاں عیسیٰ علیہ السلام تشریف رکھتے تھے اور اُسنے کہہ رکھا تھا کہ میں جسے چوموں وہی عیسیٰ ہے تم اُسے گرفتار کرلو اور عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر کہا اے ربی سلام اور یہ کہکر چوم لیا یہ دیکھتے ہی سپاہیوں نے فوراً آپ کو گرفتار کرلیا لیجئے یہوداہ جو اعلیٰ درجہ کے مُقرّب صحابی تھے اور نہایت خوش اعتقادی سے ربی کا اعتراف بھی کررہے ہیں۔ اور سلام بلکہ قدمبوسی بھی ہورہی ہے اُن کی حالت یہ تھی۔ برخلاف اسکے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس رات مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی کفار مکہ نے حضرت کے قتل کا مصمم ارادہ کرلیا تھا۔ ایسی پُرخطر حالت میں آپ نے علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ تم میری جگہ سو رہو اور آپ روانہ ہوگئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُسوقت یہ بھی خیال نہ کیا کہ قاتلوں کے محاصرہ میں رات کیسی گزرے گی۔ اور بیفکری سے حضرت کے بستر مبارک پر

ارام کیا اور اس قسم کے صدہا واقعات کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہیں۔
موسیٰ علیہ السلام کی اُمت بارہا مرتد ہو گئی چنانچہ ابن حزم رح نے ملل میں لکھا ہے
کہ موسیٰ علیہ السلام کے وفات کے بعد ساٹھ سال ہی کے اندر کل بنی اسرائیل
مرتد ہو کر علانیہ بُت پرستی کرنے لگے اور آٹھ سال تک بُت پرستی جاری رہی پھر
عسال کے زمانہ میں چالیس سال تک ایمان پر رہے اُسکے بعد پھر مرتد ہو کر اٹھارا
سال بُت پرستی کرتے رہے غرضکہ داؤد علیہ السلام کے زمانہ تک پوری قوم سات بار
مرتد ہوئی اسی طرح ہر زمانہ میں کسی بادشاہ کے دباؤ سے ایمان لاتی پھر مرتد بھی ہو جاتی
جس کی تفصیل ابن حزم رح نے لکھی ہے اور یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر کوئی زمانہ ایسا آیا تھا بلکہ بفضلہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اُمت
کی زیادتی اور ترقی ہی ہوتی رہی۔
اب عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب اور اُمت کا بھی حال سُن لیجئے۔ آپ کے رفع
کے وقت کل آپ کے اصحاب ایک سو بیس تھے جیسا کہ ابن حزم رح وغیرہ نے
لکھا ہے مگر اُن کی سعی سے چند روز میں سات سو کی تعداد ہو گئی تھی۔ لیکن پولس
جو یہودیوں کا بادشاہ تھا اُس نے اُن کو گمراہ کرنے کی غرض سے ترک دنیا کر کے
اُن میں جا ملا اور اُن کا معتمد علیہ بنکر اپنے الہاموں کے ذریعہ سے انکو اُن کے
قبیلہ سے منحرف کیا اور تمام حرام چیزوں کو حلال کر دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اُن
کے اعتقاد میں خدا بنا دیا اور سوائے ایک شخص کے جو اپنے چند رفقا کے
ساتھ علٰحدہ ہو گیا سب نے اُس کی پیروی کر کے آسمانی خالص دین کو خیر باد کہدیا
یہ واقعہ ہم نے افادۃ الافہام میں بالتفصیل لکھا ہے۔ الجواب الفسیح میں لکھا ہے

امتوں کا موازنہ

کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سے چار ہی سال میں یہاں تک نوبت پہونچ گئی۔
اب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا حال سنئے کہ وفات شریف کیوقت، ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ تھے، جیسا کہ امام نووی رح نے لکھا ہے اور روز افزوں ترقیوں سے خالص دین کو ان حضرات نے شرق سے غرب تک پہونچا دیا۔ مسیلمہ کذاب نے شرکت فی النبوۃ کا دعوےٰ کر کے تدابیر سے کس قدر ترقی کی مگر چند ہی روز میں وہ مع اعوان و رفقا السانیست و نابود کر دیا گیا کہ اس کا نام لیوا کوئی نہ رہا۔ شرک کا تو کیا ذکر صحابہ کو بدعت سے اس قدر احتراز تھا کہ گو بدعت حسنہ اور عمدہ ایجاد کی اجازت حضرت نے دی تھی مگر اس خیال سے کہ آخر وہ بھی بدعت ہے ضروری امور میں بھی ذرا غور و تامل سے کام لیا جاتا تھا چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کرنے کی جب درخواست کی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دیر تک یہی فرماتے رہے کہ یہ کام حضرت کے زمانہ میں نہیں ہوا تو اب کیونکر کیا جاوے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ جب بدعت حسنہ میں یہ احتیاط ہو تو بدعت سیئہ سے انہیں کس قدر احتراز ہوگا۔

کتب سماوی کی حفاظت کا حال

کتاب آسمانی کی حفاظت یہود کر سکے نہ نصاریٰ کیونکہ یہود ابتدا سے بت پرستی پر فریفتہ اور شیدا تھے۔ چنانچہ خود موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ ہمیں بھی ایک بت بنا دیجئے کما قال تعالیٰ وقالوا یا موسیٰ اجعل لنا الٰہا کما لہم الہۃ اور خود ہرون علیہ السلام کے روبرو بالاعلان گوسالہ پرستی کی جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہے جب انبیا کے زمانہ میں ان کا یہ حال تھا تو بعد کی کیا حالت ہوگی اسی وجہ سے جب موقع پاتے سب کے سب مرتد ہو کر بت پرستی کرنے

لگتے اب بتائیے کہ ایسی طبیعت والوں سے اُس مقدس آسمانی کتاب کی حفاظت کیونکر ہو سکے جو بُت پرستی کی دشمن ہو۔ آخر یہ ہوا کہ ایک نسخہ توراۃ کا جو کاہن ہارونی کے پاس تھا اُس کو بھی لیکر جلا دیا جیسا کہ ابن حزمؒ نے لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ توراۃ کے کل ایک سو دس ورق تھے اُسکی بھی حفاظت اُنسے نہ ہو سکی۔ اور انجیل کی نسبت لکھا ہے کہ خود نصاریٰ مُعترف ہیں کہ یہ چار انجیلیں جو متی مرقس لوقا۔ یوحنا کی مشہور ہیں یہ انہیں لوگوں کی تصنیفیں ہیں جن میں تاریخی حالات جمع کیے ہیں۔ چونکہ انہی اناجیل اربعہ پر اُنکے دین کا مدار ہے اِس سے ظاہر ہے کہ انجیل آسمانی کو انہوں نے کھو دیا۔ اب قرآن شریف کی حفاظت کا حال دیکھیے کہ اِس چودھویں صدی میں بھی اُس کا زیر و زبر تک کوئی غلط نہیں پڑھ سکتا۔

غرضکہ ان امور کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دین موسوی اور عیسوی وغیرہ چونکہ منسوخ ہونے والے تھے اِسلئے غیب سے سامان ہی ایسا ہوا کہ اقسام کی خرابیاں اور بدنمائیاں اُنمیں پیدا ہوگئیں یہاں تک تو ہوا کہ یہود نے عزیرؑ کو خدا کا بیٹا بنا لیا اور نصاریٰ نے عیسیٰؑ کو جسکی وجہ سے ایک ناسخ دین کی ضرورت ہوئی جو خالص توحید ثابت کرے اور چونکہ یہ ناسخ دین محمدی قیامت تک رہنے والا تھا اِسلئے اِس میں قدرتی اہتمام اور انتظام کی ضرورت تھی اسی وجہ سے ایسے لوگ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بنائے گئے۔ جو تمام عالم میں منتخب اور برگزیدہ تھے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اختار اصحابی علی جمیع العالمین۔ اور فرماتے ہیں ان اللہ اختارنی واختار اصحابی کذا فی کنز العمال اور اُمت بھی ایسی بنائی گئی کہ بہ نسبت دوسری اُمتوں کے

اس اُمت مرحومہ کا یقین بڑا ہوا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما اعطیت امۃ من الیقین افضل مما اعطیت امتی رواہ ابو نعیم فی الحلیہ کذا فی کنوز الحقایق۔ اُن کے بعد ہر زمانہ میں ایسے متدین علما پیدا کئے کہ انبیا کی طرح انہوں نے دین کی حفاظت کی کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ غرض اہل انصاف کو ضرور ماننا پڑے گا کہ محدثین رضی اللہ عنہم وشکر سعیہم نے اپنی جان پر کھیل کر اس دین کی حفاظت کی۔ اور خالص دین کو ایسا محفوظ کر دیا کہ قیامت تک اُسمیں باطل کی آمیزش نہ ہو سکی یہی وجہ ہے کہ باطل فرقوں کے لوگ محدثین اور فن حدیث کے دشمن ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اقسام کے احتمال پیدا کر کے مسلمانوں کی نظروں میں حدیث کو بے وقعت کر دیں مگر یاد رہے کہ یہ بات ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل خلاف مرضی ہے۔ جیسا کہ اِس حدیث شریف سے ثابت ہے۔ عن ابی رافع قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اُلفین احدکم متکیا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ رواہ احمد و ابو داؤد والترمذی وابن ماجہ والبیہقی کذا فی المشکوۃ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اُمتیوں سے کسی کو میں ایسی حالت پر نہ پاؤں کہ اُسکو حدیث پہونچے جس میں میں نے کسی کام کے کرنے کا حکم کیا ہے۔ یا کسی چیز سے منع کیا ہے اور وہ کوچ پر ٹیکا لگائے ہوئے کہے کہ یہ کچھ میں نہیں جانتا جو کچھ قرآن میں ہم پاتے ہیں۔ اُس کی اتباع کرتے ہیں" اور ایک روایت یہ ہے۔ عن المقداد ابن معدیکرب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اوتیت القرآن ومثلہ

معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم لہذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ الحدیث رواہ ابوداؤد والدارمی وابن ماجہ کذا فی المشکوۃ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اللہ نے قرآن دیا اور اُسی کے برابر اُس کے ساتھ دیا آگاہ رہو کہ قریب ہے کہ ایک شخص پیٹ بھرا ہوا کوچ پر ٹیکا لگائے ہوئے کہیگا کہ اِس قران کو تم لازم پکڑو جو چیز اُس میں حلال ہے اُسکو حلال سمجھو اور جو چیز حرام ہے اُسکو حرام سمجھو حالانکہ جو اللہ کے رسول نے حرام کیا وہ بھی ایسا ہی ہے جیسے اللہ نے حرام کیا انتہی۔ اور ایک روایت یہ ہے۔ عن العرباض بن ساریۃ قال قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایحسب احدکم متکئا علی اریکتہ یظن ان اللہ لم یحرم شیئاً الا ما فی القرآن الا انی واللہ امرت ووعظت ونہیت عن اشیاء انہا کمثل القرآن او اکثر رواہ ابوداؤد وکذا فی المشکوۃ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا بعضے لوگ اپنی کوچ پر تکیہ لگائے ہوئے گمان کرتے ہیں کہ اللہ نے صرف اُنہی چیزوں کو حرام کیا جو قرآن میں ہیں۔ آگاہ رہو خدا کی قسم میں نے حکم بھی کیا ہے نصیحتیں بھی کی ہیں اور بہت سی چیزوں سے منع بھی کیا ہے یہ امور قرآن کے برابر یا اُس سے بھی زیادہ ہیں انتہی۔ غرضکہ متعدد حدیثوں سے یہ پیشین گوئی ثابت ہے کہ بعض مرفہ الحال کوچوں پر بیٹھے ہوئے یہ کہیں گے کہ حدیث کو ماننے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں صرف قرآن ہمیں کافی ہے۔ چنانچہ اس کی تصدیق بھی ہوگئی اب مسلمانوں کو چاہیئے کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکے قول کو رد کردیا اسی طرح وہ بھی رد کردیں اور یہ خیال کرلیا کریں کہ مرفہ الحال لوگ اس قسم کی باتیں کریں تو

اُن کو زیبا اور سزاوار ہے اِسلئے کہ آخر سعادت کا ایک حصہ اُن کو دنیا میں مل چکا ہے اگر غربا بھی اُن کی سی کہنے لگیں تو خسر الدنیا والاخرہ کا مضمون اُنپر صادق آجاے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشن گوئی کی کہ بعضے لوگ کوچوں پر بیٹھے ہوے کہینگے کہ ہم حدیث کو نہیں جانتے قرآن ہمارے لئے کافی ہے اور فرمایا کہ قرآن سے زیادہ اوامر ونواہی وغیرہ مجھے دئے گئے ہیں جس سے مقصود حضرت کا ظاہر ہے کہ جس طرح قرآن ماناجاتا ہے احادیث کے ماننے کی بھی ضرورت ہے۔ اِس سے یہ پیشین گوئی بھی ثابت ہوگئی کہ قیامت تک مسلمانوں کو صحیح حدیثیں پہونچتی رہیں گی جنکے ماننے کی اُن کو ضرورت ہے۔ خداے تعالےٰ نے یہ پیشین گوئیاں پوری کیں کہ ایسے محدثین پیدا کئے جنہوں نے جان دیکر صحیح حدیثوں کو محفوظ کردیا جو قیامت تک انشاراللہ تعالی محفوظ رہیں گی کیونکہ آخری زمانہ میں جب علوم دینیہ کی حفاظت میں مسلمانوں کی ہمتیں قاصر ہوں تو ایک ایسی تدبیر بتلادی کہ ایک ایک کتاب کے ہزاروں نسخے بلازحمت اسلامی دنیامیں ہروقت موجود رہ سکتے ہیں چنانچہ لاکھوں نسخے کتب حدیث کے اسوقت مسلمانوں کے پاس موجود ہیں اور وقتاً فوقتاً اُن کی کثرت ہوتی جاتی ہے یہ ثمرہ اور نتیجہ محدثین کی جانفشانیوں کا ہے جنہوں نے صحیح حدیثوں کو کتابوں میں محفوظ کردیا ہے۔

غرضکہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے حق تعالی نے ایک اولوالعزم قوم کو پیدا کیا جن کی سعی اور جانفشانی کا پورا حال لکھنا امکان سے خارج ہے اُن کو

حق تعالیٰ نے حدیثوں کے یاد رکھنے کے لئے حافظے ایسے قوی دئے
تھے کہ اُن کے خیال کرنے سے عقل حیران ہوتی ہے ۔

الحاصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محدثین کو جو فرمایا تھا کہ احادیث یاد رکھ کر
فقہا کو پہونچائیں سو ان حضرات نے اُس کی پوری پوری تعمیل کی اور فقہا نے
اُس ارشاد مبارک کی یہ تعمیل کی کہ مقصود شارع معلوم کرنے میں جو دقتیں
واقع ہوئی تھیں جن کا حال اوپر مذکور ہوا اپنی کوشش اور اجتہاد سے انکو رفع کر کے
ہر مسئلہ میں تمام آیات و احادیث متعلقہ سے جو مقصود شارع ثابت ہوتا ہے
اُس کو بیان کر دیا اس کا ثبوت اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہر زمانہ میں محدثین
بکثرت موجود رہتے تھے مگر جن سے فتویٰ لیا جاتا تھا یعنے فقہا تعداد میں بہت
کم ہوتے تھے کیونکہ اُن سے دو کام متعلق تھے ایک قرآن و احادیث
کا ذخیرہ ہر مسئلہ میں فراہم کرنا دوسرا اُس میں غور و اجتہاد کر کے مسلمانوں کو
ایسی بات بتلانی جو قابل عمل اور شارع کی مرضی کے مطابق ہو اور ظاہر ہے
کہ ہر محدث میں اجتہاد کی صلاحیت نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث شریف فرب حامل
فقہ غیر فقیہ ۔ سے ظاہر ہے ۔ اسیوجہ سے سب صحابہ فتویٰ نہیں دیتے تھے ۔
بلکہ چند حضرات اس کام کے لئے مخصوص تھے جیسا کہ امام ذہبی نے تذکرۃ
الحفاظ میں لکھا ہے عن مسروق قال کان اصحاب الفتویٰ من الصحابۃ عمر و علی
و عبد اللہ و زید و ابی و ابو موسیٰ و عن سلیمان ابن یسار قال ما کان عمر و عثمان یقدمان
علی زید احدا فی الفتویٰ والفرائض والقراءۃ ۔ ابن جوزی رح نے تلقیح میں لکھا
ہے کہ حاکم نے عباس دوری کا قول نقل کیا ہے کہ کل صحابہ کا علم ان چھ صحابہ کو

قرون ثلاثہ کے فقہا اور اہل فتویٰ

پہونچا عمر علی ابن مسعود ابی ابن کعب معاذ بن جبل اور زید ابن ثابت رضی اللہ عنہم اور یہی طبقہ فقہائے صحابہ کا ہے۔ اور امام ذہبی رح نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہا نے ایکبار خطبہ میں فرمایا کہ جسکو فقہ کی کوئی بات پوچھنی ہو معاذ سے پوچھے دیکھئے صحابہ کے اجماع سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ فتویٰ دینا ہر محدث کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے منتخب افراد درکار ہیں اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما نے یہ بات بتلادی کہ فتویٰ کے لئے ایک ماہر شخص کی ضرورت ہے اور ایسا شخص موجود ہو تو وہ کام دوسرے سے متعلق نہ کیا جاوے اور ابو داؤد میں یہ روایت ہے۔ عن ابن مسعود رض قال لا رضاع الا ما شد العظم وانبت اللحم قال ابو موسیٰ لا تسالونا وہذا الحبر فیکم۔ یعنی جب ابن مسعود رض نے مسئلہ رضاعت میں فتوے دیا کہ رضاعت انہی ایام میں معتبر ہے کہ اوس سے ہڈی مضبوط ہو اور گوشت پیدا ہو یعنی ایام شیر خوارگی اور طفولیت میں اسپر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب تک یہ عالم یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ تم میں موجود ہیں ہم سے کوئی مسئلہ نہ پوچھو۔ تذکرۃ الحفاظ میں شعبی رض کے حال میں انکا قول نقل کیا ہے۔ ماکنت اعرف فقہاء الکوفۃ الا اصحاب عبد اللہ یعنی شعبی کہتے ہیں کہ کوفہ کے فقہا میں صرف عبد اللہ ابن مسعود کے اصحاب کو میں پہچانتا ہوں۔ قیس نے انسے پوچھا کیا علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب کو آپ نہیں جانتے کہا نہیں۔ کہا حارث اعور کو پہچانتے ہو کہا ہاں انسے میں نے فرائض کا علم سیکھا تھا مگر اُس سے مجھے وسواس کا خوف تھا معلوم نہیں انہوں نے کس سے سیکھا تھا کہا ابن صبوہ کو آپ پہچانتے ہو کہا ہاں لیکن وہ فقیہ نہ تھے پوچھا صعصعہ کو

آپ پہچانتے ہو کہا وہ خطیب تھے فقیہ نہ تھے انتہیٰ۔ اس سے ظاہر ہے
کہ اکابر دین ہر محدث کو فقیہ نہیں سمجھتے تھے۔
تذکرۃ الحفاظ میں مسروق کوفی رح کے حال میں لکھا ہے کہ شعبی رح کا قول ہے
کہ مسروق شریح سے زیادہ فتویٰ دینا جانتے تھے توالی التاسیس بمعالی ابن
ادریس میں شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحنے لکھا ہے کہ فضل فرا کہتے ہیں
کہ ایک بار میں امام احمد ابن حنبل کے ہمراہ حج کو گیا اور انہیں کے ساتھ مکہ معظمہ
میں ایک مکان میں فروکش ہوا صبح ہوتے ہی وہ فرودگاہ سے نکلے اور تھوڑی
دیر کے بعد میں بھی نکلا۔ اور اس خیال سے کہ اُن کی رفاقت میں رہوں انکو
مسجد میں ڈھونڈا مگر نہ ابن عیینہ کے حلقہ میں ملے نہ اور کسی محدث کے حلقہ میں
بہت تلاش کے بعد دیکھا کہ ایک اعرابی کے ساتھ بیٹھے ہیں میں نے کہا
حضرت ابن عیینہ کو چھوڑ کر آپ کہاں بیٹھے ہو۔ فرمایا خاموش اگر تمہیں حدیث
سند عالی کے ساتھ نہ ملیگی تو سند نازل کیساتھ مل جائیگی۔ مگر اُن کی عقل کو
تم فوت کروگے تو پھر نہ پاؤگے افقہ فی کتاب اللہ یعنی ان سے زیادہ قرآن
سمجھنے والا میں نے نہیں دیکھا میں نے پوچھا یہ کون ہیں کہا محمدؐ ابن ادریس
شافعی رح اور اُسی میں لکھا ہے کہ جب امام شافعی رح بغداد میں آئے تو امام احمد
ابن حنبل رح نے اُن کی ملازمت اختیار کی یہاں تک کہ اگر وہ سوار ہو کر کہیں جاتے
تو اُن کی سواری کے ساتھ ہو لیتے اور محدثین کے حلقہ کو جس میں یحییٰ بن معین وغیرہ
ہمیشہ جاتے تھے چھوڑ دیا۔ اسپر یحییٰ بن معین نے عتاب آمیز کلمات اُن کو
کہلائے امام احمد نے جواب میں کہلایا کہ تم بھی اگر اُس سواری کی دوسری جانب

رہو گے تو اُس حلقہ سے زیادہ نافع ہے اور کہا کہ اگر فقہ چاہتے ہو تو شافعی کی بغلہ کی دُم تھامے رہو انتہیٰ۔

دیکھئے اکابر محدثین کے نزدیک فقہ کی یہ قدر و منزلت اور یہ وقعت تھی کہ اکابر محدثین کی صحبت اور سندعالی پر فقہا کی صُحبت کو ترجیح دیتے تھے۔ اور ہر محدث کو فقیہ نہیں کہتے تھے بلکہ خاص خاص محدثین پر فقیہ کا اطلاق کیا جاتا تھا جیسے مسروق جابر ابن زید حسن بصری شعبی۔ عمرو بن دینار علی ابن مسہر۔ حماد۔ امام مالک سفیان ثوری۔ عبداللہ ابن مبارک وغیرہم رحمہم اللہ جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ وغیرہ سے ظاہر ہے۔

تذکرۃ الحفاظ میں فقیہ عراق علقمہ رح کے حال میں لکھا ہے کہ وہ ابن مسعود رض کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ قابوس ابن ابی ظبیان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ صحابہ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس کیوں جاتے ہو کہا میں نے بہت سے صحابہ کو دیکھا ہے کہ اُن کے پاس جاتے اور اُنسے فتویٰ پوچھتے تھے۔ انتہیٰ دیکھئے صحابہ باوجود اُس جلالت شان کے جو لازمہ صحابیت ہے علقمہ رح سے فتویٰ پوچھتے تھے حالانکہ وہ تابعی ہیں وجہ اُس کی یہی تھی کہ وہ فقیہ تھے۔

تذکرۃ الحفاظ میں عبدالرحمن ابن غنم کے حال میں لکھا ہے کہ وہ فقیہ شام ہیں عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو اِس غرض سے شام بھیجا تھا کہ لوگوں کو فقہ سکھائیں چنانچہ تابعین شام نے اُنسے فقہ سیکھی انتہیٰ۔ دیکھئے عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فقہ کا یہ اہتمام تھا۔

تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ طلحہ بن عبداللہ المدنی اور خارجہ ابن زید اپنے

زمانہ میں مفتی تھے۔ لوگ انہیں کے قول پر عمل کرتے تھے اور ایاس ابن معاویہ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر تم فتویٰ چاہتے ہو تو حسن بصری کے پاس جاؤ اور ابوبکر ابن عیاش کا قول نقل کیا ہے کہ اصحاب فتویٰ تین شخص تھے۔ حبیب ابن ابی ثابت اور حکم اور حماد۔

م ح یحییٰ ابن معین کہتے ہیں کہ فقہا چار ہیں ابوحنیفہ۔ سفیان۔ مالک۔ اور اوزاعی رحمہم اللہ اس قسم کی اور روایتیں بکثرت ہیں جن سے ظاہر ہے کہ قرون ثلثہ میں یعنی زمانہ صحابہ سے آئمہ مجتہدین کے وقت تک فقہا خاص خاص حضرات ہوتے تھے اور کمال وقعت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے اور زمرہ محدثین میں وہ اعلیٰ درجہ کے محدث سمجھے جاتے تھے۔ اُس زمانہ میں محدث اور فقیہ میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت نہ تھی جیسا کہ فی زمانناخیال کیا جاتا ہے بلکہ عموم خصوص مطلق کی نسبت تھی یعنی ہر محدث فقیہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ ایسے محدث کو فقیہ سمجھتے تھے جس میں اعلیٰ درجہ کی سمجھ اور قوت اجتہادی ہو۔

خ کسی نے اعمش رح سے کوئی مسئلہ پوچھا انہوں نے فرمایا اس کا جواب ابوحنیفہ خوب جانتے ہیں میرا ظن غالب ہے کہ اُن کے علم میں برکت دی گئی۔

اس سے ظاہر ہے کہ اکابر محدثین خود فتویٰ نہیں دیتے تھے بلکہ فقہا کو اس کام کے اہل سمجھتے تھے۔ یہاں یہ بات معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ جس طرح فقہا کو محدثین کی طرف اس بات میں احتیاج ہے کہ احادیث اُن کے ذریعہ سے حاصل کریں اسیطرح محدثین کو فقہا کی طرف معانی حدیث معلوم کرنے میں احتیاج تھی کیونکہ محدثین کو تحصیل احادیث اور تحقیق رجال میں اتنی فرصت نہیں تھی

کہ تحقیق معنی بھی کرتے یہ کام انہوں نے فقہا کے ذمہ کردیا تھا جیسا کہ جامع ترمذی سے معلوم ہوتا ہے۔ قال الفقہاء وہم اعلم بمعانی الحدیث اور حافظ مزی رح نے تہذیب الکمال میں لکھا ہے قال البخاری سمعت علی ابن المدینی یقول التفقہ فی معانی الحدیث نصف العلم ومعرفۃ الرجال نصف العلم یعنی امام بخاری علی ابن المدنی کا قول نقل کرتے ہیں کہ فہم معنی حدیث نصف علم ہے اور معرفت رجال نصف علم ہے۔ اور ابھی معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن ابن غنم کو صرف فقہ سکھانے کے لئے شام کو بھیجا تھا تو الی التاسیس میں لکھا ہے کہ ایکبار کسی نے کوئی مسئلہ امام احمد رح سے پوچھا آپنے فرمایا فقہا سے پوچھو۔ ابو ثور سے پوچھو یعنی ابراہیم ابن خالد ابن یمان کلبی سے جو مشہور فقیہ تھے اس سے ظاہر ہے کہ محدثین کے نزدیک مسلم ہے کہ مسائل فقہا ہی سے پوچھے جائیں۔ مختصر کتاب النصیحۃ مولفہ خطیب بغدادی رح میں امام شافعی رح کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص صرف حدیثوں ہی کو جمع کرتا ہے اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی رات کو لکڑیاں جمع کرتا ہے۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوگا کہ سانپ کو لکڑی سمجھ کر اُٹھا لیگا۔ اور وہ اُس کو ضرر پہونچائیگا۔ اور اُس میں ابوالعباس ابن عقدہ رح کا قول نقل کیا ہے کہ احادیث کی روایت کم کرو وہ انہی کے لئے سزاوار ہے جو احادیث کے تاویلات کو جانتے ہیں یہ بات ظاہر ہے کہ تاویلات کو جاننے والے فقہا ہیں محدثین کا وظیفہ صرف نقل متن حدیث ہے۔

اور اُس میں اعمش رح کا قول نقل کیا ہے کہ بہت ساری حدیثیں یاد کرلینے سے آدمی فقیہ نہیں ہوتا۔ فقیہ وہی ہوتا ہے جو معانی میں غور و فکر اور استنباط کرے

اور اُس میں نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمہ نے اپنے بھانجے ابوبکر اور اسمعیل سے کہا
میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں حدیث کا بہت شوق ہے اور اُس کو طلب کرتے ہو کہا ہاں
فرمایا اگر تم دوست رکھتے ہو کہ خدا تعالٰی اُس کا نفع تمہیں دے تو حدیث کی روایت
کم کرو اور فقہ حاصل کرو اور اعمش رح کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں
حدیث سُن چکا یعنی تحصیل حدیث سے فارغ ہوا تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ اب
فتویٰ دینے کے لئے مسجد میں بیٹھ جانا چاہیئے چنانچہ مسجد کے ایک ستون کے
پاس بیٹھ گیا۔ مگر پہلا ہی سوال جو پیش ہوا مجھسے اُس کا جواب نہ ہو سکا۔ انتہیٰ۔
اِس قول سے آپکا کمال تدین ثابت ہے ورنہ ممکن تھا کہ کچھ نہ کچھ دل سے جواب
دیدیتے۔ مقصود یہ کہ صرف حدیث شریف سے کام نہیں چل سکتا۔ فقہ کی ضرورت
ہے۔ اور اُس میں نقل کیا ہے کہ ایک جگہ محدثین کا مجمع تھا جس میں یحییٰ ابن
معین اور ابو خیثمہ اور خلف ابن سالم وغیرہم موجود تھے اور ہر طرف سی تحقیقات
پیش ہو رہے تھے کہ فلاں حدیث کا فلاں راوی ہے اور فلاں حدیث
صرف ایک ہی راوی سے مروی ہے کہ اتنے میں ایک عورت آئی۔ اور
اُس نے پوچھا کہ ایک غسالہ حائضہ ہے وہ میت کو غسل دے سکتی ہے
یا نہیں کسی نے اُس کا جواب نہ دیا اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اِسی حیرانی
میں تھے کہ ابو ثور (جو فقیہ تھے) اتفاقاً آگئے اُن کو دیکھتے ہی سب نے اُس سے
کہا کہ اُن سے پوچھ انہوں نے سُنتے ہی کہدیا کہ ہاں غسل دیسکتی ہے اور عائشہ رضؓ
کی وہ حدیث پڑھی۔ ان حیضتک لیست فی یدک اور یہ حدیث کنت افرق راس
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا حائض۔ یہ سُنتے ہی سب نے کہا ہاں بہت ٹھیک

یہ حدیث فلاں فلاں راویوں سے ہمیں پہونچی ہے اور اُسکے اتنے طریق ہیں اور یہ حدیث معروف ہے۔ اس عورت نے کہا حضرات اب تک آپ کہاں تھے۔ غرضکہ حدیثوں کا یاد رکھنا اور ہے اور اُنسے مسائل کا استخراج اور ہے اس کام کیلئے فقہا موضوع ہیں اور خود محدثین اُن کی طرف محتاج ہیں۔ اور طبقات الحفاظ وغیرہ۔ کتب رجال سے ظاہر ہے کہ بعض بعض محدثین خاص طور پر فقہ سیکھتے تھے

م ص۔ ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ اگر ابو حنیفہ رح تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو تابعین بھی اُن کی طرف محتاج ہوتے۔

م ص۔ ابن مبارک رح فرماتے ہیں کہ علما ابو حنیفہ سے مستغنی نہیں ہو سکتے کچھ نہیں تو تفسیر حدیث میں تو ضرور محتاج ہیں اور لکھا ہے کہ ابن مبارک رح اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ آثار و احادیث کو ضروری سمجھو۔ مگر اُن کے لئے ابو حنیفہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ احادیث کے معنی جانتے ہیں۔

م ص ک۔ عبداللہ بن ابی لبید کہتے ہیں کہ ایک روز یزید ابن ہٰرون کی مجلس میں ہم بیٹھے تھے مغیرہ رح نے ابراہیم کا قول بیان کرنا چاہا ایک شخص نے کہا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اقوال بیان کیجئے یزید ابن ہٰرون نے کہا کہ اے احمق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اقوال کی تفسیر ہے اگر تجھے معنی معلوم نہ ہوں تو حدیث کو لیکر کیا کرے گا۔ تم لوگوں کی ہمت صرف احادیث کے سُن لینے کی طرف متوجہ ہے اگر علم کیطرف تمہاری ہمت مبذول ہوتی تو ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ اور اُن کے اقوال کو دیکھتے پھر اُس معترض کو مجلس سے اُٹھا دیا۔

خلاصۃ التہذیب میں یزید بن ہرون کا حال لکھا ہے کہ وہ امام احمد وغیرہ اکابر محدثین کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ دیکھئے یزید ابن ہارون جیسے جلیل القدر محدث کس تصریح سے فقہ کی طرف احتیاج محدثین کی ثابت کر رہے ہیں۔

امام موفق ابن احمد رح نے مناقب امام ابی حنیفہ رح میں ثابت زاہد کا قول نقل کیا ہے کہ جب سفیان ثوری رح سے کوئی دقیق مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے کہ اس مسئلہ میں سوائے اُس شخص کے جس پر ہم حسد کرتے ہیں (ابو حنیفہ) کوئی شخص عمدہ تقریر نہیں کر سکتا۔ پھر امام صاحب کے شاگردوں سے پوچھتے کہ اس مسئلہ میں تمہارے استاد کا کیا قول ہے۔ اور وہ جو جواب دیتے اُسی کے موافق فتویٰ دیتے۔

سفیان ثوری رح وہ شخص ہیں کہ امیر المومنین فی الحدیث سمجھے جاتے تھے اور عبداللہ ابن مبارک رح اُن کی نسبت کہتے ہیں کہ میرے علم میں فن حدیث میں روئے زمین پر کوئی اُن سے زیادہ نہیں۔ ذکرہ الامام ذہبی فی تذکرۃ الحفاظ۔

جب سفیان ثوری جیسے شخص فتویٰ دینے میں امام صاحب کے قول کی طرف محتاج ہوں تو ظاہر ہے کہ محدثین کو فقہ کی طرف کس قدر احتیاج ہے

ایک روز ایک حدیث پیش ہوئی جس کا مضمون غامض تھا۔ وکیع رح کھڑے ہو گئے اور ٹھنڈی سانس بھر کے کہا اب ندامت سے کیا فائدہ وہ شخص یعنی (ابو حنیفہ) کہاں ہیں جن سے یہ اشکال حل ہوتا۔ اور وہ

محدثین سے کہا کرتے تھے اے قوم تم حدیثیں طلب کرتے ہو اور اُن کے معنی نہیں طلب کرتے ۔ اس میں تمہاری عمر اور دین ضائع ہو جائے گا۔ مجھے آرزو آتی ہے کہ کاش ابو حنیفہ کی فقہ کا عُشر مجھیں ہوتا ایک روز انہوں نے حضار مجلس سے کہا اے لوگو حدیث سُننا بغیر فقہ کے تم کو کچھ نفع نہ دیگا اور تم میں سمجھ پیدا نہ ہو گی جب تک اصحاب ابو حنیفہ کے ساتھ نہ بیٹھو اور وہ اُن کے اقوال کی تفسیر نہ بیان کریں۔

خلاصۃ التہذیب میں وکیع رح کا حال لکھا ہے کہ وہ امام احمد وغیرہ اکابر محدثین کے استاد ہیں ۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

دیکھئے وکیع رح کے قول سے کس قدر احتیاج فقہ کی طرف ثابت ہوتی ہے۔

م ت ص ۔ عبداللہ ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ میں نے مسعر رح کو ابو حنیفہ کے حلقہ میں دیکھا ہے کہ روبرو بیٹھے ہوئے اُن سے سوال اور استفسار کر رہے ہیں ۔ مسعر ابن کدام کا حال خلاصہ تذہیب میں لکھا ہے کہ شعبہ اور سفیان ثوری وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں باوجود تبحر کے مسعر رح کا امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھنا اور استفسار کرنا کیسی کھلی دلیل احتیاج پر ہے۔

م ۔ داؤد طائی رح کہتے ہیں خدا کی قسم ابو حنیفہ حلال و حرام و نجات اُخروی کے مسائل سب سے زیادہ جانتے ہیں ۔ باوجود اُس کے وہ متورع اور عابد ہیں۔

م ۔ علی ابن عاصم کا قول ہے کہ ابو حنیفہ کے اقوال علم کی تفسیر ہیں ۔ اگر کوئی اُن کے اقوال کو نہ دیکھے تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دے گا۔

خلاصہ میں علی ابن عاصم کا قول لکھا ہے کہ وہ امام احمد ابن حنبل وغیرہ اکابر محدثین کے استاد ہیں اُن کی مجلس میں تیس ہزار سے زیادہ لوگ جمع ہوتے تھے حلال وحرام کا سمجھنا جب فقہ پر موقوف ہے تو اس سے بڑھ کر کیا احتیاج ہوگی۔

م - یزید ابن ہرونؒ کا قول ہے کہ ابوحنیفہ کی کتابوں کے مطالعہ سے آدمی مستغنی نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ میں یزید ابن ہرون کا حال لکھا ہے کہ وہ امام احمد واسحٰق وغیرہ اکابر محدثین کے استاد ہیں ستر ہزار تک شایقین حدیث اُن کی مجلس میں جمع ہوتے تھے اور کل صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ دیکھئے مستغنی نہ ہونا عین احتیاج ہے

م ص ک - عفان بن سیار کہتے ہیں کہ مثال ابوحنیفہ کی طبیب حاذق کی سی ہے جو ہر بیماری کی دوا جانتا ہے۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں نسائی میں موجود ہیں۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بیمار کو طبیب حاذق کی طرف احتیاج کس درجہ کی ہوتی ہے۔

م ص ک - ابن مبارک رح فرماتے ہیں اگر میں سفیان کی بات سُنتا تو ابوحنیفہ کی ملاقات فوت ہوجاتی جس سے میری مشقت اور خرچ جو تحصیل علم میں ہوا تھا سب ضایع ہوجاتا۔ اگر میں اُن سے ملاقات نہ کرتا اور اُن کی صحبت نصیب نہ ہوتی تو میں علم میں مفلس رہجاتا۔ اور فرماتے کہ وہ شخص محروم ہے جسکو ابوحنیفہ کے علم کا حصہ نہ ملا اور شاگردوں سے فرمایا کرتے کہ آثار واحادیث کو لازم پکڑو مگر اس کے لئے ابوحنیفہ کی ضرورت ہے۔

تہذیب الکمال میں ابن مبارک رح کا قول نقل کیا ہے کہ اگر حق تعالیٰ ابوحنیفہ اور

سفیان سے میری مدد نہ فرماتا تو میں ایک معمولی آدمی رہجاتا۔

ک م۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے بہت سے شہروں کی سیاحت کی ہے مگر جب تک ابوحنیفہ سے ملاقات نہ ہوئی۔ حلال وحرام کے اصول مجھے معلوم نہ ہوئے۔

اِن اقوال سے فقہ کی طرف جو احتیاج ثابت ہوتی ہے محتاج بیان نہیں۔ اسی وجہ سے ابن مبارک رح امام صاحب کے انتقال تک آپ ہی کی خدمت میں رہے جیساکہ مولانا شاہ عبدالعزیز رح نے بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ عبداللہ ابن مبارک اول از شاگردان امام اعظم رح بودند وطریق تفقہ از ایشاں می آموختند وچوں امام اعظم وفات یافتند در مدینۂ منورہ نزد امام مالک تفقہ می نمودند۔

م ک ص۔ عبدالعزیز ابن ابی رواد پر جب کوئی مسئلہ دین کا مشتبہ ہوجاتا تو لکھکر امام صاحب سے پوچھ لیتے اور ہرامر میں اُن کی اقتدا کرتے۔

عبدالعزیز ابن ابی رواد کا حال خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ یحیٰی قطان وغیرہ کے استاد ہیں اور صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں اور رالانتصار میں لکھا ہے وہ امام صاحب کے بھی استاد ہیں۔

م ص ک۔ عثمان ابن عفان سجزی کہتے ہیں کہ میں نے ابوعاصم نبیل سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ ابوحنیفہ رح کے اعمال ہرروز ایک صدیق کے اعمال کے برابر آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں میں نے کہا کس وجہ سے کہا اسلئے کہ لوگ اُنسے اور اُنکے اقوال سے نفع اٹھاتے رہتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ لوگ اُس زمانہ میں امام صاحب کے اقوال پر عمل کرتے اور نفع اوٹھاتے تھے اور فقہ سے اُنکی احتیاج رفع ہوتی

الحاصل ان تمام شہادتوں سے ثابت ہے کہ محدثین کو فقہا کی طرف اُس زمانہ میں بھی احتیاج تھی اور فقہ وقعت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی۔

طبقات کبریٰ میں امام سبکی رح نے لکھا ہے کہ بخاری رح نے حمیدی رح سے فقہ سیکھی ہے اور مقدمہ فتح الباری میں شیخ الاسلام نے بخاری رح کا قول نقل کیا ہے۔ ماجلست للتحدیث حتیٰ عرفت الصحیح من السقیم وحتی نظرت فی کتب اہل الرأے یعنی وہ فرماتے ہیں کہ میں جب تک حدیث صحیح سقیم سے ممتاز نہیں کر لیا اور اہل الرائے کی کتابیں نہیں دیکھ لیں تدریس کے لئے نہیں بیٹھا، اہل الرائے کی کتابیں پیش از پیش دیکھنے کی ضرورت اسوجہ سے انہوں نے سمجھی تھی کہ امام شافعی رح جو اُنکے استاذ الاساتذہ تھے فرماتے ہیں کہ الناس عیال ابی حنیفہ فی الفقہ اور نیز دوسرے محدثین کے اقوال پیش نظر تھے جو امام صاحب کے افقہ ہونے کے باب میں وارد ہیں۔ غرضکہ جب اُن کو فقہ میں بھی کمال حاصل کرنا منظور تھا اسوجہ سے فقہ حنفیہ کی طرف احتیاج ہوئی۔ اور خاص وجہ اُس کی یہ بھی تھی کہ امام صاحب کے ساتھ اُن کو تعلق خاص تھا۔ اِسلئے کہ اُن کے والد ابن مبارک رح کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ جیسا کہ خود اُنہوں نے تاریخ کبیر میں اپنے والد بزرگوار کا حال لکھا ہے کہ اسمعیل ابن ابراہیم ابن المغیرہ سمع من مالک وحماد ابن زید وصحب ابن مبارک ذکرہ فی مقدمۃ فتح الباری۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ جو لوگ اپنے والد کے معتقد علیہ ہوتے ہیں اُن سے خاص طور پر عقیدت ہوا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے اُنہوں نے ابن مبارک رح کی کل کتابوں کو یاد کر لیا تھا چنانچہ انکا قول مقدمہ فتح الباری میں نقل کیا ہے فلما طعنت فی ست عشر سنۃ حفظت

کتب ابن مبارک و وکیع وعرفت کلام ہٰؤلاء یعنی اصحاب الرّاے ۔ پھر ابن مبارک اور وکیع رحمہما اللہ امام صاحب کی تحقیقات اور تفقہ کے جس قدر دلدادہ ہیں پوشیدہ نہیں اسی وجہ سے امام صاحب کے اقوال کو دیکھنے کا امام بخاریؒ کو شوق ہوا جو کتب اہل الراے میں مذکور ہیں ۔ اور اُن سے خوب واقف ہوئے جیساکہ لفظ عرفت سے ظاہر ہے ۔ ان قرائن سے ظاہر ہے کہ امام بخاری رح امام صاحب کے معتقدوں میں ضرور تھے ۔ گو مقلد نہ تھے ۔ اسو جہ سے کہ خود مجتہد تھے ۔

اِس سے بھی ثابت ہوا کہ فقہ اہل الرّاے اُس زمانہ میں مطعون نہ تھی ۔ ورنہ ایسی بات وہ کبھی نہ کہتے جس سے محدّثین کے نزدیک مطعون ہوں اور اُسکو معرفت احادیث کے ہم پلہ ہرگز نہ کرتے ۔ الحاصل اس میں شک نہیں کہ امام بخاری رح فقہ کو ضروری سمجھتے تھے ۔ اور چونکہ احادیث بکثرت یاد تھیں اور فقہ حنفیّہ سے مدد لیکر بلکہ اجتہاد بہم پہونچا یا تھا اسلئے چاہا کہ اپنی اجتہادی فقہ میں کوئی خاص کتاب تصنیف کریں ۔ جو مدلل بآیات و احادیث و اقوال صحابہ وتابعین وغیرہم ہو اس کی ابتداؤں کی کہ بخاری شریف کے تمام تراجم ابواب پہلے لکھے جس میں اپنے اجتہادی مسائل بیان کرنا منظور تھا ۔ اور اُس میں روحانی مدد کی غرض سے یہ اہتمام کیا کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف اور منبر منیف کے مابین تمام تراجم ابواب کا بیضہ کیا اور ہر ترجمۃ الباب کے لکھنے کے وقت دو رکعت نماز پڑھتے جیساکہ مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے پھر اُن مسائل فقہیہ پر جن کا استنباط اپنے ذہن میں پہلے سے کیا تھا ۔

حقیقۃ الفقہ ص ۱۱۷ تا ۱۱۸ امام صاحب ۔۔۔

ہر باب میں حدیثیں داخل کرنی شروع کیں اور کسی مسئلہ پر حدیث سے استدلال
نہ ہوسکا تو قرآن شریف کی آیت یا اقوال صحابہ یا تابعین وغیرہم سے استدلال کیا
جیسا کہ فقہا کی عادت ہے اور اس باب میں حدیث لکھی ہی نہیں غرضکہ بخاری شریف
فقہ اور حدیث کی جامع کتاب ہے چنانچہ مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے ولہٰذا
اشتہر من قول جمع من الفضلا فقہ البخاری فی تراجمہ۔ دیکھئے باب جہر الامام بالتامین
میں انہوں نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ عن ابی ہریرۃ رضہ ان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قال اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملئکۃ غفر لہ ما تقدم
من ذنبہ۔ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین
کہو کیونکہ جس شخص کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ موافق ہوجائے اُسکے پچھلے
گناہ بخشے جاتے ہیں،، دیکھئے اس حدیث میں کوئی لفظ اس بات پر دلالت
نہیں کرتا کہ امام باواز بلند آمین کہا کرے۔ بلکہ امام آہستہ ہی آمین کہے تو جن لوگوں
نے پوری سورہ فاتحہ امام سے سُن لی ہے امام کے ساتھ آمین کہنے میں
شریک ہوجائینگے۔ مگر انہوں نے ترجمۃ الباب میں جہر الامام کا لفظ اپنے اجتہاد
سے بالتصریح لکھدیا۔ یہی فقہا کا کام ہے کہ اپنے فہم سے کام لیکر نصوص کے
معنی میں اس قسم کے تصرفات کیا کرتے ہیں پھر چونکہ افہام میں تفاوت ہوا
کرتا ہے اسلئے جس کی فہم تیز اور عقل زیادہ رسا ہو۔ اُسی کی رائے صائب
سمجھی جاتی ہے۔ ہر چند محدثین بھی اہل فہم و رائے تھے مگر اُن میں جو فقہا
تھے وہ قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے کہ ابوحنیفہ عقل او فراست اور فہم و تفقہ میں
بےنظیر شخص ہیں۔ اب ہم بغرض توضیح چند مثالیں لکھتے ہیں جن سے معلوم ہوگا

شہادت ابن المبارک

کہ قرآن و حدیث کے سمجھنے میں افہام کیسے متفاوت ہیں۔

بخاری شریف کی کتاب التفسیر میں مروی ہے کہ جب آیہ شریفہ کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود الایہ جو سحر سے متعلق ہے نازل ہوئی تو ایک صحابی نے ظاہر مضمون آیت کے لحاظ سے اپنے تکیہ کے نیچے سیاہ اور سفید دھاگے اس غرض سے رکھ لئے کہ جب تک اُن کے رنگ اچھی طرح محسوس اور ممتاز نہ ہوں کھاتے پیتے رہیں گے۔ پھر جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اگر خیط ابیض اسود تمہارے تکیہ کے نیچے آگئے تو وہ تکیہ بڑا ہی عریض ہے۔ پھر فرمایا کہ اُس سے مراد شب کی سیاہی اور صبح کی سفیدی ہے دراصل عموماً فہم خصوصاً دینی فہم جو ایک اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے جس سے ابدی سعادت متعلق ہے نہایت کم یاب ہے۔

مسلم شریف میں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ یہ حدیث ہے کہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتخذ الروح غرضاً یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کسی جاندار کو باندھ کر نشانہ تیر وغیرہ بنایا جائے ایک محدث صاحب نے روح کو روح بالفتح اور غرضاً کو عرضاً بعین مہملہ روایت کی۔ لوگوں نے جب مطلب پوچھا تو کہا کہ ہوا لینے کے لئے دریچہ عرض نہ رکھا جائے بلکہ طویل رکھنا چاہیئے۔

ابن جوزی رح نے تلبیس ابلیس میں لکھا ہے کہ بعض محدثین نے یہ روایت پڑھی روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یسقی الرجل مائہ زرع غیرہ

یعنی منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس بات سے کہ آدمی اپنا پانی دوسرے کی زراعت کو پلائے۔ حضار مجلس سے اکثروں نے کہا کہ بارہا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ جب ہمارے باغ میں پانی زیادہ ہو گیا تو ہم نے ہمسایہ کی زراعت میں چھوڑ دیا اب ہم اس فعل سے استغفار کرتے ہیں حالانکہ اس حدیث شریف سے مقصود یہ ہے کہ حاملہ لونڈیوں کیساتھ وطی درست نہیں مگر اُسکو نہ مدرس صاحب نے سمجھا نہ حضار مجلس نے۔

ابن جوزی رح نے اُسی میں خطابی رح کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک شیخ نے یہ حدیث روایت کی۔ نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الحلق قبل الصلوٰۃ یوم الجمعۃ۔ جسکا مطلب یہ ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اس سے کہ جمعہ کے روز قبل نماز اصلاح بنوائی جاوے۔ اور اُس کے بعد کہا چنانچہ چالیس سال سے میں نے قبل جمعہ کبھی حلق نہیں کیا۔ میں نے کہا حضرت حلق بسکون لام نہیں حلق بفتح لام وکسر حا ہے۔ جو جمع حلقہ ہے۔ اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ علم اور مذاکرہ کے حلقے جمعہ سے پیشتر درست نہیں۔ اِسلئے کہ وہ نماز پڑھنے اور خطبہ سُننے کا وقت ہے یہ سنکر وہ بہت خوش ہوئے۔ اور کہا کہ تم نے مجھپر نہایت آسانی کی۔

کشف بزودی میں لکھا ہے کہ ایک محدث کی عادت تھی کہ استنجے کے بعد وتر پڑھا کرتے تھے۔ جب پوچھا گیا تو یہ دلیل پیش کی کہ حدیث شریف میں وارد ہے من استنجی فلیوتر اس کا مطلب انہوں نے یہ سمجھا کہ استنجے کے بعد وتر پڑھے حالانکہ مطلب یہ ہے کہ استنجے کے لئے جو ڈھیلے لئے جائیں وہ وتر ہوں

یعنی تین یا پانچ یا سات۔

بخاری شریف صفحہ ۲۸ میں ہے کہ ابوجحیفہ کہتے ہیں کہ میں نے علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کیا آپ کے پاس قرآن مجید کے سوا بھی کوئی وحی آسمانی ہے فرمایا۔ لا اعلمہ الا فہما یعطیہ اللہ رجلا فی القرآن یعنی قرآن کے سوا میں کوئی وحی نہیں جانتا البتہ فہم کہ جو خدائے تعالیٰ کسی ایک شخص کو قرآن سمجھنے کے لئے دیتا ہے اور بخاری شریف صفحہ ۱۵۰ میں یہ بھی روایت ہے۔ کہ عمر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضہ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے بعضوں کو یہ ناگوار ہوا اور کہا کہ اس لڑکے کو ہمارے ساتھ بٹھاتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے لڑکے اُن کی عمر کے ہیں۔ آپنے یہ سنکر ایک روز بطور امتحان حاضرین سے پوچھا کہ سورۂ اذا جاء نصر اللہ کے کیا معنی ہیں۔ ہر ایک نے اپنی سمجھ کے مطابق بیان کئے۔ اور بعض ساکت رہے۔ پھر ابن عباس رض سے پوچھا کیا تم بھی یہی معنی کہتے ہو انہوں نے کہا مجھے تو اس سورہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات معلوم ہوتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں میں بھی یہی جانتا ہوں۔ دیکھئے وہ اکابر صحابہ عمر بھر یہ سورہ پڑھا کئے مگر اُن کی سمجھ میں وہ معنی نہ آئے۔ جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صاحبزادگی کی حالتمیں طبیعت خداداد سے بتلادئے۔ یہ ایک ایسی صفت ہے کہ نہ تعلیم سے حاصل ہو سکتی ہے نہ اکتساب سے۔ اسی خداداد صفت نے فقہا کو محدثین میں ممتاز کر دیا تھا۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین رواہ البخاری یعنی خدائے تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتا ہے اُسکو دین میں سمجھ دیتا ہے۔

م ص ک۔ ایک روز یزید ابن ہرون سے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا اُس مجلس

یحییٰ بن معین اور علی ابن المدینی اور امام احمد وغیرہ محدثین حاضر تھے آپنے فرمایا کہ یہ مسئلہ اہل علم سے پوچھو ابن المدینی نے کہا کیا آپ اہل علم اہل حدیث سے نہیں فرمایا اہل علم اصحاب ابوحنیفہ ہیں اور تم لوگ عطار ہو۔ النصیحۃ لاہل الحدیث ہیں اور خیرات الحسان میں لکھا ہے کہ ایک بار اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے چند مسئلے پوچھے اُس مجلس میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی حاضر تھے اعمش رح نے امام صاحب سے فرمایا ان مسائل میں تمہارا کیا قول ہے۔ امام صاحب نے اپنے اقوال بیان کیئے اعمش رح نے کہا اس پر کیا دلیل امام صاحب نے کہا وہی احادیث جو آپ سے مجھے پہونچی ہیں۔ اور چند حدیثیں مع اسناد پڑھکر سنادیں اور استخراج کا طریقہ بھی بیان کردیا۔ اعمش رح نہایت تحسین کی اور فرمایا سو دن میں جو میں نے روایتیں کی تھیں تم نے ایک ساعت میں وہ سب سنادیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان احادیث پر عمل کرتے ہوگے۔ پھر فرمایا۔ یا معاشر الفقہا انتم الاطبا ونحن الصیادلۃ یعنے اے گروہ فقہا تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں۔ جن کے پاس دوائیں ہر قسم کی موجود رہتی ہیں۔ مگر کسی بیماری میں اُن کا استعمال نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ ایک حج میں اعمش رح اور امام صاحب کا اجتماع ہوا انہوں نے امام صاحبکو کہلایا کہ مناسک حج ہمارے لیئے لکھ بھیجیں۔ اور اپنے شاگردوں سے کہا مناسک اُنسے لکھ لو میری دانست میں حج کے فرائض اور نوافل کو اُنسے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں کذا فی خیرات الحسان

م ص ک ہیں اعمش اور امام صاحب کے مناظرہ مذکورہ میں چند حدیثیں بھی ذکر کی ہیں۔ جنکو امام صاحب نے پڑھیں۔ اور اعمش رح نے سنکر کہا یا معشر

الفقہا انتم الاطبا ونحن الصیادلہ وانت ایہا الرجل اخذت بکلا الطرفین یعنی محدثین عطار اور فقہا طبیب ہیں - اور تم دونوں کو جامع ہو - یعنی محدث بھی ہو اور فقیہ بھی تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رح نے لکھا ہے کہ اعمش رح انس رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کے شاگرد اور شعبہ اور سفیان ثوری وغیرہ کے استاد ہیں محدثین نے اُن کے صدق کی وجہ سے اُن کا نام ہی مصحف رکھدیا تھا" دیکھئے جب مصحف ناطق کے ارشاد سے فقہا طبیب اور محدثین دوا ساز ٹھیرے تو کیا کسی کی رائے سے یہ کلیہ منسوخ ہوسکتا ہے - اور امام صاحب کو جو اُنہوں نے محدث اور فقیہ فرمایا کیا یہ گواہی خلاف واقع ہوسکتی ہے ہرگز نہیں -

ملا علی قاری رح نے شرح مشکوٰۃ میں نقل کیا ہے کہ اوزاعی رح نے چند مسائل امام اعظم رح سے پوچھے انہوں نے سب کے جواب دئے اوزاعی رح نے کہا یہ کس دلیل سے کہتے ہو آپنے کہا اُنہی احادیث اور اخبار و آثار سے جو آپ حضرات روایت کرتے ہیں - پھر وہ احادیث پڑھ کر استدلال کے طریقے بیان کئے اوزاعی رح نے سب سُنکر کہا کہ نحن العطارون وانتم الاطباء یعنی ہم کو حدیثیں سب یاد ہیں مگر یہ نہیں معلوم کہ اُنسے کن مسائل پر استدلال ہو سکتا ہے - اور مسلمانوں کو اُن سے کیا کیا منافع حاصل ہو سکتے ہیں جیسے عطاروں کے پاس اقسام کی دوائیں موجود ہوتی ہیں - مگر اُن کو یہ نہیں معلوم کہ کس بیماری میں کونسی دوا مُفید ہے - جسکو اطبا جانتے ہیں - تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ اوزاعی رح امام وقت تھے - اہل شام اور اہل اندلس ایک مدت تک انہیں کے مذہب پر اور انہیں کے مقلد رہے - اور وحیم عبدالرحمن کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ

جب وہ بغداد گئے تو امام احمد اور ابن معین اور خلف ابن سالم اُن کی مجلس میں آتے اور اُن کے روبرو ایسے بیٹھتے جیسے لڑکے بیٹھا کرتے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ رحیم اوزاعیؒ کے مذہب پر تھے۔

اب غور کیا جائے کہ اوزاعی رحمہ جیسے محدث اور امام الوقت جب امام صاحب کی نسبت یہ فرمائیں کہ ہم لوگ عطار ہیں اور آپ طبیب تو علم میں امام صاحب کا کیسا رتبہ ہوگا۔ تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رحمہ نے حافظ ابن زبیر ابوسلیمان کے ترجمہ میں لکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابو جعفر طحاوی کو میری تصانیف پسند آئیں چنانچہ اپنے گھر لیجا کر انہوں نے اُن کا مطالعہ کیا اور یہ کہا کہ اے ابوسلیمان تم لوگ عطار ہو اور ہم لوگ طبیب ہیں۔ مقصود یہ کہ اُن تصانیف میں ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں جیسے عطار کے یہاں ہر قسم کی دوائیں موجود ہوتی ہیں۔ اور چونکہ وہ فقیہ تھے اس لئے یہ بھی کہدیا کہ اُن کا استعمال ہم فقہا جانتے ہیں۔

تذکرۃ الحفاظ میں ابوجعفر طحاوی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ کان ثقۃ فقیہا عاقلا لم یخلف مثلہ۔ اور لکھا ہے کہ پیشتر وہ شافعی المذہب تھے اور بعد حنفی ہوگئے۔

یہ بات معلوم رہے کہ عطار و طبیب کی مثال جو دیجاتی تھی۔ اسمیں کسی کی توہین اور تعلی مقصود نہیں ہوتی تھی بلکہ بیان واقعی تھا جسکو محدثین بھی بطیب خاطر تسلیم کرلیا کرتے تھے۔ اور فقہ کی طرف اسوجہ سے وہ متوجہ نہیں ہوتے تھے کہ اُن کی توجہ کثرت طرق کی طرف مبذول تھی کسی حدیث کے لیے وہ ایک دو اُستادوں پر قناعت نہ کرتے بلکہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے کہ جہاں تک ہوسکے ایک ایک حدیث متعدد اساتذہ اور مختلف طریقوں سے حاصل کریں چنانچہ

شاہ ولی اللہ صاحب رحؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ ایک ایک حدیث سو سو طریقوں سے لیجاتی تھی۔ غرضکہ اسانید کے اہتمام میں معانی حدیث میں غور و تامل کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔ یہاں تک کہ محقق اساتذہ تفسیر حدیث سے متعلق اقوال فقہا بیان کرنا چاہتے تو اُس کا سُننا ہی ناگوار تھا بخلاف فقہا کے کہ وہ مستند اساتذہ سے بقدر ضرورت احادیث فراہم کرکے اُن کے معنی میں غور و تامل کرتے۔ اور ہمیشہ اسی فکر میں رہتے کہ کونسی حدیث سے کن کن مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔

الحاصل قرون ثلثہ میں جو حضرات اہل حدیث میں اس قابل سمجھے جاتے ہیں کہ اُن کے قول پر عمل کیا جاوے وہ معدودے چند تھے جو فقہا کے نام سے مشہور تھے۔ اور جو اہل حدیث صرف حدیث ہی میں توغل پیدا کرنا چاہتے تھے اُن کو اکابر محدثین خیرخواہانہ یہ معلوم کرادیتے تھے کہ بغیر فقہ کے صرف حدیث ہی کو طلب کرنا بیفائدہ اور عمر اور دین کو ضائع کرنا ہے وہ حضرات خاصکر فقہ حنفیہ کو حدیث کی تفسیر سمجھتے اور صاف کہتے تھے کہ امام صاحب کے اقوال سے کوئی مستغنی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ جو اُن کے اقوال پر مطلع نہ ہو وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنادیگا۔ اور جو لوگ فقہ حنفیہ سے انکار کرتے اُن کو احمق کہتے اور زجر و توبیخ کرکے اپنی مجلس سے اُٹھادیتے تھے۔ اور خود امام صاحب کے حلقہ میں شریک ہوکر مستفید ہوتے اور براہ انصاف صاف کہدیتے کہ ہم لوگ مثل عطار ہیں۔ اور آپ مثل طبیب حاذق۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ فقہ حنفیہ کو گمراہی بتاتے ہیں دربردہ وہ اُن اکابر دین پر الزام لگاتے ہیں

جن کے نزدیک فقہ حنفیہ تفسیر حدیث مسلّم ہو چکی تھی۔
اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ یہ حضرات کمال درجہ کے محتاط تھے اُن کا مقصود یہ تھا کہ ہر مسئلہ میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو مقصود ہے اُسپر عمل کیا جاوے اور اس مقصود کا معلوم کرنا سوائے فقہا کے دوسروں سے ممکن نہیں۔ اسلئے کہ احادیث بکثرت ہیں۔ اور ظاہر نصوص پر عمل کرنا خلاف مرضی شارع ہے۔ (جیسا کہ ابھی معلوم ہوا) خصوصاً ایسے موقع میں کہ باہم احادیث میں تعارض بھی ہو اور محدثین نہ مواقع استدلال جانتے ہیں نہ استنباط مسائل کا طریقہ اُن کو معلوم ہے۔ اس صورت میں اگر مجتہدوں کی طرف رجوع نہ کیا جائے تو مقصود شارع کا یقیناً فوت ہو جاوے گا۔ اِسلئے فتویٰ کا کام انہوں نے فقہا کے ذمہ کر دیا تھا۔ اُن کے نزدیک یہ ہرگز ثابت نہ ہوا اور نہ ہو سکتا تھا کہ چند حدیثیں بخاری یا صحاح ستہ کی جو بہ نسبت کل حدیثوں کے عشر عشیر بھی نہیں واجب العمل ہوں اور باقی واجب الترک۔

کثرت احادیث یوں ثابت ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے زمانۂ نبوت سے تئیس سال تک احکام آلہی پہونچاتے رہے۔ اور نبوت کا لازمہ کلام ہے۔ اگر اقل درجہ دن رات کے کلام دس گیارہی فرض کیے جائیں تو ایام نبوت کے صرف اقوال تخمیناً ایک لاکھ ہو جاتے ہیں۔ اور روات صحابہ ایک لاکھ سے زیادہ ہیں۔ مگر صرف دس ہی صحابہ سے ہر ایک قول مروی ہو تو بحسب اصطلاح محدثین دس لاکھ حدیثیں صرف اقوال ہی کی ہو جاتی ہیں کیونکہ محدثین متن اور اسناد کے مجموعہ کو اکثر حدیث کہتے ہیں۔ چنانچہ

کثرت احادیث

شیخ الاسلام ابن حجر رح نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ حدیث لایؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من ولدہ الحدیث۔ کی دو اسنادیں ہیں ایک روایت قتادہ عن انس رض دوسری روایت عبد العزیز عن انس رض یہ دو روایتیں دو حدیثیں سمجھی جاتی ہیں۔ بلکہ غور کیا جاوے تو محدثین کے نزدیک حدیث اسناد ہی کا نام ہے۔ جیسا کہ ابن صلاح رح نے مقدمہ میں لکھا ہے۔ متیٰ قالوا ہذا حدیث صحیح فمعناہ اتصل سندہ مع سائر الاوصاف المذکورۃ ولیس من شرطہ ان یکون مقطوعاً بہ فی نفس الامر الیٰ ان قال وکذلک متیٰ قالوا فی حدیث انہ غیر صحیح فلیس ذلک قطعاً بانہ کذب فی نفس الامر اذ قد یکون صدقاً فی نفس الامر وانما المراد انہ لم یصح اسنادہ علی الشرط المذکور۔ یعنی محدثین جب حدیث کو صحیح یا غیر صحیح کہتے ہیں۔ تو اُس سے مراد اسناد ہوتی ہے حدیث کے صحیح ہونیکا یہ مطلب نہیں کہ متن حدیث بھی نفس الامر میں صحیح ہے۔ اور نہ غیر صحیح ہونیکا یہ مطلب ہو کہ متن نفس الامر میں غلط ہے۔ اسیطرح ابن حجر مکی رح الجواہر المنظم فی زیارۃ قبر نبی المکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھا ہے قال السبکی ومما یجب ان یبین ان حکم المحدثین بالانکار والاستغراب قد یکون بحسب تلک الطرق والا یلزم من ذلک رد متن الحدیث بخلاف اطلاق الفقیہ ان الحدیث موضوع فانہ حکم علی المتن من حیث الجملۃ یعنی محدثین جب کسی حدیث کا انکار کرتے ہیں تو اُس سے صرف اسناد کا انکار مقصود ہوتا ہے۔ بخلاف اسکے اگر فقیہ کسی حدیث کو موضوع کہدے تو اُس سے متن حدیث موضوع سمجھا جائیگا۔ اور امام نووی رح نے کتاب التقریب والتیسیر میں لکھا ہے واذا قیل (ہذا حدیث) غیر صحیح فمعناہ لم یصح اسنادہ

غرضنکہ دس دس صحابیوں سے ہر ایک متن مروی ہو تو بحسب اصطلاح محدثین دس لاکھ حدیثیں ہو جاتی ہیں پھر جسطرح حدیث کا اطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر ہوتا ہے۔ اسیطرح حضرت کے افعال اور تقریر اور نیز صحابہ کے اقوال اور افعال اور تقریر پر ہوتا ہے جیسا کہ سید شریف علامہ رح نے مختصر الجرجانی میں لکھا ہے۔ والحدیث اعم من ان یکون قول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ والتابعی وفعلہم وتقریرہم۔ جب صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی حدیثوں کا اندازہ دس لاکھ ہو تو حضرت کے افعال و تقریر اور اصحاب و تابعین کی کثرت کے لحاظ سے ان کے اقوال و افعال وغیرہ کا اندازہ کیا جائے تو کروڑوں کی نوبت پہونچ جائیگی۔ حالانکہ روے زمین پر اتنی حدیثوں کا وجود اب باقی نہیں۔ البتہ امام احمد رح کے قول سے کرور حدیثوں کا پتہ لگتا ہے جیسا کہ طبقات کبریٰ میں شیخ الاسلام تاج الدین سبکی رح نے لکھا ہے۔ قال عبد اللہ ابن احمد رضی اللہ عنہ کتب ابی عشرۃ الاف الف حدیث لم یکتب سوادا فی بیاض الاحفظہ مگر وہ بھی مفقود ہیں۔ پھر ان میں سے صحیح کچھ اوپر سات لاکھ حدیثیں امام احمد رح کے قول سے ثابت ہیں۔ جیسا کہ تدریب الراوی میں امام سیوطی رح نے لکھا ہے قال ابن الجوزی رح حصر الاحادیث یبعد امکانہ غیر ان جماعۃ بالغوا فی تتبعہا وحصروہا۔ قال الامام احمد صح سبعمائۃ الف وکسر اور امام بخاری رح فرماتے ہیں کہ ایک لاکھ صحیح حدیثیں مجھے یاد ہیں اور دو لاکھ غیر صحیح جیسا کہ مقدمہ فتح الباری میں شیخ الاسلام ابن حجر رح نے لکھا ہے۔

اب صحیحین کی حدیثوں کو بھی دیکھ لیجئے کہ کتنی ہیں۔ جواہر الاصول میں شیخ ابوالفیض محمد ابن علی الفارسی رح نے لکھا ہے کہ بخاری اور مسلم میں بحذف مکررات صرف چار ہزار حدیثیں ہیں"۔ وہ بھی صرف احادیث مرفوعہ نہیں اُن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال وافعال وتقریر بھی شامل ہیں۔ پھر وہ بھی صرف احکام سے متعلق نہیں۔ بلکہ اُن میں فضائل اور قصص وحکایات وغیرہ بھی شریک ہیں اب غور کیجئے کہ کہاں ایک کروڑ یا سات لاکھ حدیثیں اور کہاں چار ہزار وجدان صحیح اور ذوق سلیم سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ جن اہل احتیاط محدثین واکابر دین کے پیش نظر وہ لاکھوں حدیثوں کا ذخیرہ ہو کیا ممکن ہے کہ وہ دین کو ان دو چار ہزار حدیثوں میں منحصر کر دیں گے۔ ہرگز نہیں۔ غرضکہ اُن حضرات نے جنکے سلسلۂ تلامذہ میں ہونے پر امام بخاری ومسلم وغیرہ ہار رح کو ناز ہے جب دیکھا کہ فقہا خصوصاً امام اعظم رح فن حدیث میں کامل اور قوت اجتہادیہ اور تورع میں بے نظیر ہیں اس لئے اُن کے اجتہاد کو تسلیم کرکے مدت العمر اُن کے ممنون رہے جس کا حال انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا۔

اجتہاد

یہ بات اہل علم جانتے ہیں کہ اجتہاد ایک مشکل کام ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے عقدالجید میں لکھا ہے کہ اجتہاد کے لئے بہت سے علوم کی ضرورت ہے۔ مثلاً علم تفسیر۔ حدیث۔ اقوال علماے سلف۔ ناسخ منسوخ۔ لغت طریق استنباط احکام مجمل۔ مفسر وغیرہ جن کی فہرست اگر لکھی جائے تو ایک چھوٹا سا رسالہ ہوجائیگا۔ انہی امور کے مباحث میں ایک بڑا فن اصول فقہ مدوّن ہے۔ ان امور میں کامل دستگاہ حاصل کرنا ہر کسی کا کام نہیں اسی وجہ سے صحابہ میں

بھی دس پانچ ہی مجتہد ہوئے جن سے فتوے پوچھے جاتے تھے انہیں حضرات
کے اجتہاد کو دیکھ کر مجتہدین نے اجتہاد کے طریقے مدوّن کئے۔ اور طبیعت
خداداد سے ایسے اجتہاد کئے کہ عموماً محدثین نے بھی انکو اپنے مقتدا مان لئے

اب ہم چند نظائر اجتہادات صحابہ واکابر دین کے پیش کرتے ہیں جن سے
معلوم ہوگا کہ ائمہ مجتہدین نے جو اجتہاد کئے ہیں وہ انہی حضرات کی اتباع تھی۔

منتقی الاخبار میں ابن تیمیہ رح نے روایت کیا ہے عن عمرو بن العاص رضہ انہ لما بعث
فی غزوۃ ذات السلاسل قال احتلمت فی لیلۃ باردۃ شدیدۃ البرد فاشفقت
ان اغتسلت ان اہلک فتیممت ثم صلیت باصحابی صلاۃ الصبح فلما قدمنا
علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکروا ذلک لہ فقال یا عمرو صلیت باصحابک
وانت جنب فقلت ذکرت قول اللہ تعالیٰ ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم
رحیماً فتیممت ثم صلیت فضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولم یقل شیئاً

رواہ احمد وابوداود والدارقطنی۔ یعنی عمرو بن عاص رضہ کہتے ہیں کہ جب غزوہ ذات
السلاسل میں لشکر بھیجا گیا تو ایک رات مجھے احتلام ہوا چونکہ سردی نہایت شدت
سے تھی اور غسل کرنے میں خوف ہلاک تھا۔ اسلئے میں نے تیمم کر لیا اور نماز صبح
میں اپنے رفقا کی امامت کی جب ہم واپس آئے تو لوگوں نے یہ واقعہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کیا۔ حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ اے عمرو تم
نے جنابت کی حالت میں امامت کی میں نے عرض کی کہ مجھے خدا تعالیٰ کا
یہ کلام یاد آیا ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما یعنی مت قتل کرو تم اپنی جانوں کو
اللہ کا تم پر رحم ہے۔ اسلئے میں نے تیمم کر کے نماز پڑھی۔ یہ سنکر حضرت نے

تبسم کیا اور کچھ نہ فرمایا۔" دیکھئے جب اس واقعہ میں صحابہ کی شکایت بارگاہ نبوی میں پیش ہوئی اور حضرت نے کسی قدر سختی سے سوال فرمایا کہ کیا تم نے جنابت کی حالت میں امامت کی اس وقت انہوں نے جواب میں اپنا اجتہاد پیش کیا کہ گو صراحۃً ایسے موقعہ میں تیمم کی اجازت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں مگر میں نے اپنے اجتہاد سے یہ رائے قائم کرلی کہ قولہ تعالیٰ ولاتقتلوا انفسکم کی نہی عام ہے۔ اسلئے اس موقع میں غسل جائز نہیں اور پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی اجازت ہے۔ اسلئے خوف ہلاک کی صورت کو اسی پر قیاس کرکے تیمم کرلیا۔ پھر اس اجتہاد اور قیاس پر یہ وثوق اور اعتماد کہ اپنی ہی نماز نہیں سب کی نمازوں کا بار اپنے ذمہ لیا اور یہ بھی نہ کہا کہ صاحبو مجھے امامت سے معذور رکھو میں ضرورۃً اپنی نماز ادا کرلیتا ہوں۔ اور اس اجتہاد کی تقلید سب صحابہ نے کی اور کسی نے یہ نہ کہا کہ حضرت ایسے اشتباہی استدلال کو ہم نہ مانینگے اور یہ قیاس اول من قاس ابلیس کی رو سے صحیح نہیں ہوسکتا۔ اسلئے آپ اپنی نماز کے مختار ہو ہمیں اقتدا سے معاف رکھئے۔ پھر اسی اجتہاد کو کمال استقلال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیا جسکو کمال خوشنودی سے حضرت نے منظور اور مقبول فرمایا جس سے مجتہدوں کے حوصلے بڑھے اور معلوم ہوگیا کہ اہل رائے کا اجتہاد اور قیاس بھی دین میں ایک باوقعت چیز ہے۔

عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ قال اُتی علی رضی اللہ عنہ بثلاثۃ وہو بالیمن وقعوا علی امرأۃ فی طہر واحد فسأل اثنین اتقران لہذا بالولد قال لاحتی سألہم جمیعا فجعل کلما سأل اثنین قالا

لانا قرع بینہم فالحق الولد بالذی صارت علیہ القرعۃ وجعل علیہ ثلثی الدیہ قال فذکر ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فضحک حتی بدت نواجذہ رواہ ابوداؤد یعنی جب علی کرم اللہ وجہہ یمن میں تشریف رکھتے تھے یہ مقدمہ پیش ہوا کہ تین شخص ایک عورت کیساتھ ایک ہی طہر میں مرتکب ہوئے اور بچہ پیدا ہونیکے بعد دعوے پیش ہوا۔ آپ اُن میں سے دو دو شخصوں سے پوچھتے تھے کہ کیا تم منظور کرتے ہو کہ وہ لڑکا اُس تیسرے شخص کا ہے۔ جب کسی نے منظور نہ کیا تو آپنے قرعہ ڈالا اور جس کے نام قرعہ نکلا بچہ اُس کے حوالہ کرکے دو ثلث دیت اُس سے دونوں کو دلادیا جب یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو عرض کیا گیا آپ نہایت خوش ہوئے بخاری اور مسلم میں ایک روایت ہے جس کا حاصل مضمون یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو بعض عرب نے زکوۃ دینے سے انکار کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُنسے جہاد کرنا چاہا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اُن کیساتھ جہاد کیونکر جائز ہوگا وہ تو لاالہ الا اللہ کے قائل ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لاالہ الا اللہ فمن قال لاالہ الا اللہ فقد عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ تعالی یعنی جو شخص لاالہ الا اللہ کا قائل ہوگیا اُس نے اپنی جان ومال کو مجھ سے بچالیا۔ اور اندرونی معاملہ اور محاسبہ اُس کا خدا کے ساتھ ہے۔ ابوبکر رضہ نے کہا کہ اُن لوگوں سے جہاد کی ضرورت اِس وجہ سے ہے کہ وہ نماز اور زکوۃ میں فرق کرتے ہیں حالانکہ دونوں حقوق اللہ ہیں۔ یہ بات عمر رضی اللہ عنہ کے بھی سمجھ میں آگئی

چنانچہ اسی پر فیصلہ ہوا اور کل صحابہ نے بھی اسکو مان لیا۔ یہ حدیث آیندہ نقل کی جائیگی۔

دیکھئے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنا نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے بلکہ ظاہر حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ درست نہیں۔ مگر اجتہاد سے یہ مسئلہ ثابت ہوا اور کل صحابہ کے مان لینے سے جواز اجتہاد پر صحابہ کا اجماع بھی ثابت ہوگیا۔

---

بخاری شریف میں روایت ہے عن عبد اللہ بن عبید اللہ ابن ابی ملیکۃ قال توفیت ابنۃ لعثمان رضی اللہ عنہ بمکۃ وجئنا لنشہدہا وحضرہا ابن عمر وابن عباس رضی اللہ عنہم وانی لجالس بینہما او قال جلست الی احدہما ثم جاء الآخر فجلس الی جنبی فقال عبد اللہ ابن عمر رض لعمرو بن عثمان الا تنہی عن البکاء فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان المیت لیعذب ببکاء اہلہ علیہ فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما قد کان عمر رضی اللہ عنہ یقول بعض ذلک ثم حدث فقال صدرت مع عمر رضی اللہ عنہ من مکۃ حتی اذا کنا بالبیداء اذا ہو برکب تحت ظل سمرۃ فقال اذہب فانظر من ہولاء الرکب قال فنظرت فاذا صہیب فاخبرتہ فقال ادعہ لی فرجعت الی صہیب فقلت ارتحل فالحق امیر المومنین فلما اصیب عمر دخل صہیب یبکی یقول وااخاہ واصاحباہ فقال عمر رضی اللہ عنہ یا صہیب اتبکی علی وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المیت یعذب ببعض بکاء اہلہ علیہ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما فلما مات عمر ذکرت ذلک لعائشۃ رضی اللہ عنہا فقالت یرحم اللہ عمر واللہ ما حدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیعذب المومن ببکاء اہلہ علیہ

لکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ لیزید الکافر عذاباً ببکاء اہلہ علیہ وقالت
حسبکم القرآن ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما عند ذلک واللہ
ہو اضحک وابکی قال ابن ابی ملیکۃ واللہ ما قال ابن عمر رضی اللہ عنہما شیئاً ماحصل اس کا یہ ہے
کہ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا انتقال ہوا اور
لوگ جنازہ میں حاضر ہوئے جنمیں ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم
بھی تھے زنانہ سے رونیکی آواز آئی عبد اللہ ابن عمر رضہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے
فرزند سے کہا کیا آپ عورتونکو رونے سے نہیں منع کرتے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ اہل میت کے رونے سے میت پر عذاب کیا جاتا ہی اسپر ابن عباس نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ
بھی کچھ ایسا ہی کہا کرتے تھے چنانچہ جب وہ زخمی ہوئے تو صہیب رضی اللہ
عنہ آئے اور وااخاہ اور واصاحباہ کہتے ہوئے زار زار رونے لگے
عمر رضہ نے اُس حالت میں اُنسے کہا اے صہیب کیا تم مجھپر روتے ہو۔
حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب میت کے
علاقہ دار اُسپر روتے ہیں تو بعض اسباب سے اُسپر عذاب کیا جاتا ہے
ابن عباس رضہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کا تذکرہ میں نے عائشہ رضی اللہ
عنہا سے کیا انہوں نے فرمایا خدائے تعالیٰ عمر رضہ پر رحم کرے خدا کی
قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ کسی کے رونے
سے مسلمان پر عذاب ہوتا ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ رونے سے کافر پر
عذاب زیادہ ہوتا ہے۔ اور اُسپر کافی استدلال یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا
ہے ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ یعنی کسی پر دوسرے کے گناہ کا بوجھا نہیں ڈالا جاتا

ابن عباس رضؓ نے یہ بیان کر کے کہا رولانا اور ہنسانا خدا ہی کا کام ہے۔
ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضؓ یہ سنکر خاموش ہو گئے۔ دیکھئے عمر اور ابن
عمر رضی اللہ عنہما نے حدیث سے استدلال کیا تھا اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے
اجتہاد کر کے فرمایا کہ پہلے تو اس حدیث میں مسلمان کا ذکر ہی نہیں پھر قرآن
سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہیں پہنچاتی
اسلئے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رونے کی وجہ سے کافروں پر عذاب
زیادہ ہوتا ہے اسلئے کہ اُن کو عذاب کرنا ہر طرح مقصود ہے جب رونیوالے
اُس کی نسبت کوئی تعظیمی الفاظ وغیرہ کہتے ہیں تو فرشتوں کا غضب زیادہ ہوجاتا
ہے۔ اور سخت عذاب کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ آیات واحادیث
کا مطلب سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں اُسکے سمجھنے کے لئے دوسرے احادیث
وآیات سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ اور اُسکے لئے فہم کامل اور رائے
صائب کی ضرورت ہے اسلئے کہ ہر کلام کے وقت کوئی ایک مقصود پیش نظر
رہتا ہے جسکے اظہار کے لئے وہ کلام کہا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ جمیع
پہلو اور جوانب پر نظر ڈالکر اُس کو مثل تعریف کے جامع ومانع بنا دیا جاوے
مثلاً اگر کہا جاوے کہ ابوحنیفہ رحؒ اہل الرائے میں ہیں۔ تو اُس سے
یہی سمجھا جاوے گا کہ وہ سمجھدار اور صاحب رائے تھے یہ نہیں سمجھا جائیگا
کہ اُن کو حدیث آتی نہ تھی۔ اور نہ یہ کہ اپنی رائے سے وہ خلاف
قرآن وحدیث مسئلے نکالتے تھے اور نہ یہ کہ سوائے اُن کے کسی
محدث کو رائے صائب نصیب ہی نہ ہوئی پھر اگر اُس کے ساتھ کچھ قرائن

بھی ہوں تو بحسب قرائن دوسرے مقاصد بھی معلوم ہوں گے۔ مثلاً یہی جملہ مدح کے مقام میں دوسرے محدثوں کے ذکر کے ساتھ کہا جائے تو اُس سے متکلم کا مقصود یہ معلوم ہو گا کہ تمام محدثین میں وہ اعلیٰ درجے کے شخص تھے۔ احادیث کو خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ اکابر محدثین نے اسی غرض سے اُن پر اس لفظ کا اطلاق کیا تھا جیسا کہ قرائن سے ظاہر ہے مگر حاسدوں کو صرف لفظ سے موقع مل گیا اور دوسرے قرائن کو نظر انداز کر کے کہنے لگے کہ اُن کو حدیث آتی ہی نہ تھی۔ صرف عقل سے باتیں بنایا کرتے تھے غرضکہ ہر کلام میں ایک خاص مقصود پیش نظر ہوتا ہے جو قرائن سے معلوم ہوتا ہے تمام مضامین کا احتوا اُس سے مقصود نہیں ہوتا اسلئے اہل رائے اور مجتہدین قرائن اور معانی اور دوسرے احادیث و آیات پر نظر ڈال کر اُس کا حکم اُسی حصہ کے ساتھ خاص کرتے ہیں جو وہاں مقصود ہوتا ہے اور دوسرے احکام پر اُس کا اثر نہیں ڈالتے۔ بخلاف اُسکے جنکو اس درجہ کی قوت نہیں ہوتی اُس کو ظاہر پر حمل کر کے مقصود فوت کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث شریف سے جو مسلم میں ہے یہی بات ظاہر ہے۔ مضمون اس حدیث کا یہ ہے کہ عروہ رح کہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے میں نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ اگر کوئی شخص صفا و مروہ میں سعی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہ ہو گا۔ انہوں نے فرمایا کیا وجہ میں نے کہا اسلئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بہما یعنی صفا و مروہ نشانیاں ہیں اللہ کی جو کوئی حج کرے اُس گھر کا یا زیارت تو گناہ نہیں

اُس کو کہ طواف کرے اُن دونوں میں "۔ اِس سے ظاہر ہے کہ سعی نہ کرنا چاہیئے اور اگر کوئی کرلے تو مضائقہ بھی نہیں۔ اُنہوں نے فرمایا بات یہ ہے کہ جاہلیت میں وہاں دو بُت تھے جن کا نام اساف اور نائلہ تھا انصار کی عادت تھی کہ سمندر کے کنارے سے احرام باندھ کر آتے اور اُن کا طواف کرتے اور بعض منات کے نام سے احرام باندھتے تو وہ صفا و مروہ کے طواف کو حرام سمجھتے تھے پھر جب وہ مسلمان ہوئے اور حج کرنا چاہا تو اُن بتوں کے خیال سے صفا و مروہ کی سعی کو مکروہ سمجھنے لگے۔ اسپر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر سعی کریں تو کچھ مضائقہ نہیں اسلئے کہ اب نہ وہ بُت رہے نہ وہ نیّت پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سعی کی اور تمام مسلمانوں نے اقتدا کی جس سے سعی مسنون اور ضروری ہوگئی۔ اگر یہ مقصود ہوتا کہ طواف نہ کریں تو مضائقہ نہیں جیسا کہ تم نے خیال کیا ہے تو فلا جناح علیہ ان لا یطوف بہما ہوتا "۔ اب دیکھئے کہ ظاہر قرآن سے ہر شخص یہی سمجھیگا کہ طواف نہ کرنا بہتر ہے بلکہ چونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا شان نزول پر مطلع اور اُس واقعہ سے واقف تھیں اسلئے اُسی آیت سے جواب دیدیا کہ آیت میں یہ کہاں ہے کہ طواف نہ کریں تو مضائقہ نہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو اور یہ بات ثابت کردی کہ اس موقع میں اسی قدر ضرورت تھی کہ طواف کو جو وہ مکروہ سمجھتے تھے اُنکے ذہن سے نکل جائے اب رہی یہ بات کہ وہ ضروری ہے یا نہیں اور اُس کا وقت کونسا ہے اور اُسکے نہ کرنے میں مواخذہ ہوگا یا نہ ہوگا سو یہ امور دوسرے ہیں ان سب کا فیصلہ ایک ہی بات میں کردیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماویں اُس کو

قبول کرلو کما قال تعالیٰ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔ اس سے ظاہر ہے
کہ ہر چند قرآن شریف میں سب کچھ ہے اور بحسب آیۂ شریفہ الیوم اکملت لکم دینکم
دین کی تکمیل بھی ہو چکی۔ مگر بغیر قبول احادیث کے کسی کا دین کامل نہیں ہو سکتا
غرضکہ فہم مضامین ہر کسی کا کام نہیں۔ درمنثور میں ہے۔ واخرج احمد وعبد ابن حمید
والبخاری ومسلم وابن المنذر وابن مردویہ عن علقمہ قال قال عبد اللہ ابن مسعودؓ
لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات لخلق اللہ
فبلغ ذلک امراۃ من بنی اسد یقال لہا ام یعقوب فجاءت الیہ فقالت انہ بلغنی انک
لعنت کیت وکیت قال ومالی لا العن من لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو فی
کتاب اللہ قالت قرأت ما بین الدفتین فما وجدت فیہ شیئًا من ہذا قال لئن کنت
قرأتیہ لقد وجدتیہ اما قرأت وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔ قالت بلیٰ قال
فانہ نہی عنہ یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی لعنت ہے اُن عورتوں پر
جو چٹلا لگاتی ہیں اور لگواتی ہیں اور چہرہ کے بال چنواتی ہیں۔ اور دانتوں کو ریتی
کے حسن کی غرض سے تخلیق آلہی میں تغیّر کر دیتی ہیں۔ یہ سنکر قبیلہ بنی اسد سے
ایک عورت آئی جس کو ام یعقوب کہتے تھے۔ اور کہا کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے
کہ آپ فلاں فلاں قسم کی عورتوں پر لعنت کرتے ہیں فرمایا جن پر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے لعنت کی۔ اور خود قرآن میں موجود ہو تو مجھے لعنت کرنے میں
کیا تامل۔ کہا میں نے پورا قرآن پڑھا اُس میں تو یہ بات کہیں نہیں۔ فرمایا اگر تو نے
قرآن پڑھا ہوتا تو اُس کو ضرور پاتی۔ پھر فرمایا کیا یہ آیت نہیں ہے۔ ما اتاکم الرسول
فخذوہ الآیۃ یعنی رسول جو حکم تمہیں دیں اُسکو قبول کرو اور بجا لاؤ۔ اور جس بات سے

منع کریں اس سے باز رہو۔ اُسنے کہا ہاں یہ تو ہے فرمایا حضرت نے ان کا موئی منع فرما دیا ہے۔ دیکھئے قرآن میں ان عورتوں پر لعنت ہونے کا کہیں ذکر نہیں مگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے استنباط کر کے صاف کہدیا کہ وہ قرآن میں مذکور ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ اگر تمام صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے اجتہاد لکھے جائیں تو ایک مستقل کتاب ہو جائیگی۔ یہ سلسلہ امام بخاری رح تک بھی جاری رہا۔ چنانچہ انہوں نے بھی بہتیرے مسائل میں اجتہاد کئے جو بخاری شریف میں مذکور ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ آدمی کے بال جس پانی سے دہوے جائیں وہ پانی پاک ہے۔ اگرچہ صراحۃً یہ بات نہیں لکھی مگر ایک باب مدوّن کیا جس کا عنوان یہ ہے باب الماء الذی یغتسل بہ شعر الانسان اور اُس میں اس حدیث کو نقل کیا۔ عن ابن سیرین قال قلت لعبیدۃ عندنا من شعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصبناہ من قبل انس او من قبل اہل انس فقال لان تکون عندی شعرۃ منہ احب الی من الدنیا وما فیہا۔ یعنی ابن سیرین رح کہتے ہیں کہ میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے یہاں چند موے مبارک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں جو انس رضہ کے یہاں سے ہمیں ملے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر اُن میں سے ایک موے مبارک بہی میرے پاس ہوتا تو وہ دنیا اور اُس میں جتنی چیزیں ہیں سب سے زیادہ تر محبوب ہوتا۔ قسطلانی رح نے اسکی شرح میں لکھا ہے کہ ترجمۃ الباب سے اس حدیث کو یہ مناسبت ہے کہ انس رضہ نے موے مبارک کی حفاظت کی اور عبیدہ رح نے اُس کی آرزو کی۔ اس سے

معلوم ہوا کہ مطلقاً بال پاک ہیں۔ اور جب وہ پاک ہیں تو جس پانی سے وہ دھوئے جائیں
وہ بھی پاک ہوگا۔ مگر اُس پر یہ اعتراض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
موے مبارک فی نفسہ مکرم ہیں۔ اُنپر دوسرے بالوں کا قیاس کیونکر صحیح ہوگا۔ اور
اُس کا جواب دیا گیا کہ خصوصیت بغیر دلیل کے نہیں ثابت ہوسکتی اور اصل عدم
خصوصیت ہے مگر اُس کا بھی معارضہ کیا گیا جس کا بیان طویل ہے انتہیٰ۔

بحث دوسری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موے مبارک دنیا و ما فیہا
سے بہتر ہیں۔ اُنپر ہر کس وناکس کے بالوں کا قیاس کرنا اور اُس سے یہ مضمون
پیدا کرنا کہ اُن کا دھویا ہوا پانی پاک ہے عقلاً اور اعتقاداً درست ہے یا نہیں
حالانکہ نیل الاوطار میں قاضی شوکانی رح نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ام ایمن
رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب پی لیا مگر حضرت نے
سوائے اسکے کچھ نہ فرمایا کہ تمہارے پیٹ میں اب کوئی بیماری نہ ہوگی غرضکہ
حضرت کے فضلات وغیرہ کے خصوصیات کچھ اور ہی تھے اون پر قیاس
نہیں ہوسکتا۔ مگر اس سے یہ توضرور ثابت ہے کہ امام بخاری رح نے بھی اجتہاد
کیا۔

غرضکہ اجتہاد کے باب میں جو احادیث وروایات وارد ہیں بکثرت ہیں ہر چند
اجتہاد کا مفہوم ایسا وسیع ہے کہ قیاس مجتہدین بھی اُس میں داخل ہے۔
مگر چونکہ قیاس کے جواز و عدم جواز میں جھگڑے پڑے ہوئے ہیں چنانچہ
بعض اول من قاس ابلیس کے لحاظ سے قیاس کو جائز ہی نہیں رکھتے اور بعض
اُس میں یہاں تک توسیع کرتے ہیں کہ ابلیسانہ قیاس کی بھی کچھ پروا نہیں کرتے

اسلئے اس میں بحث کی ضرورت ہے تاکہ حد افراط و تفریط پیش نظر رہے اور معلوم ہوجائے کہ کس قسم کا قیاس جائز ہے۔ اور کس قسم کا ناجائز سنن دارمی میں روایت ہے۔ عن الحسن انہ تلا ہذہ الآیۃ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین قال قاس ابلیس وھو اول من قاس۔ یعنی حسن بصری رح نے یہ آیت پڑھی جس کا مطلب یہ ہے کہ ابلیس نے حق تعالیٰ سے کہا تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو کیچڑ سے۔ حسن بصری رح نے یہ آیت پڑھ کر کہا کہ ابلیس نے قیاس کیا اور سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہی ابلیس ہے۔ یہاں غور و تامل کرکے اس قیاس کی حقیقت کو پہلے سمجھ لیجئے تاکہ آئندہ تطبیق کے وقت پیروان ابلیس اور پیروان سُنّت میں فرق کرنا آسان ہو۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ابلیس نے جو قیاس کیا اُس سے مقصود اُس کا یہ تھا کہ خدائے تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے سجدہ کا حکم جو اُسکو فرمایا تھا وہ باطل کردے اور اُلٹی اپنی فضیلت اُن پر ثابت کرے اس غرض سے اُسنے یہ قیاس پیش کیا کہ جس طرح نار خاک سے افضل ہے میں بھی آدم علیہ السلام سے افضل ہوں اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جو بات قرآن و حدیث سے صراحۃً ثابت ہو اُسکے ابطال کی غرض سے قیاس پیش کیا جائے تو وہ پیروی ابلیس ہوگی سلف صالح نے جس قیاس کی مذمت کی ہے وہ یہی قیاس ہے دارمی میں شعبی رح سے روایت ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ شریح رح سے کسی نے پوچھا کہ انگلیوں کی دیّت کیا ہے انہوں نے کہا دس دس درہم اُسنے کہا

کیا خنصر اور ابہام برابر ہیں شریح رح نے کہا کہ کان اور ہاتھ کی دیت بھی برابر ہے۔ حالانکہ کان کو سر کے بالوں سے اور عمامہ سے ڈھانپ سکتے ہیں پھر کہا کہ تمہارے قیاس پر سنت سابق ہے اُسی کی اتباع کرو اور بدعت سے بچو۔ اور جب تک تم سنت کی اتباع کرتے رہو گے گمراہ نہ ہو گے پھر شعبی رح نے کہا کہ اگر احنف جو عقل و تدبیر میں ضرب المثل ہے مارا جائے تو اُسکی دیت اور اُس لڑکے کی دیت برابر ہوگی جو ہنوز گہوارہ میں پڑا ہوا ہے دیکھئے سائل کا مقصود تھا کہ بحسب عقل خنصر اور ابہام کی دیت برابر نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اِن دونوں کی قوت اور مصالح و فوائد میں فرق بیّن ہے یہی قیاس ابلیسانہ ہے۔ اسلئے کہ اُس سے حکم شرعی کا ابطال یا اُسپر اعتراض مقصود ہے اس قسم کے قیاس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ حلال چیزیں حرام ہو جائیں اور حرام حلال جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے عن الشعبی قال واللہ لئن اخذتم بالمقائس لتحرمن الحلال ولتحلن الحرام رواہ الدارمی یعنی اگر تم قیاس کرنے لگو گے تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دو گے۔ اِس لئے کہ جب احکام شرعیہ کے مقابلہ میں اپنی عقل سے کام لیا جائے تو وہی دین بنجائیگا جو تراشیدہ عقل ہے اور خدا کا مقرر کیا ہوا دین باقی نہ رہے گا پھر اُس تراشیدہ دین سے دین اسلام کو تعلق ہی کیا اور جب اوس دین کو اسلام سے تعلق نہ ہو تو اُس دین کو تراشنے والے اور عمل کرنے والے کو کیا تعلق غرضکہ جو کوئی ابلیسانہ قیاس کر کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دے اُس کو مسلمان نہیں کہہ سکتے چہ جائے کہ سید الفقہا وغیرہ القاب جو محدثین نے

امام اعظم رح کی نسبت استعمال کئے ہیں اب اُدھر دیکھئے بجاے اِسکے کہ امام صاحب کے قیاسات سے حرام حلال اور حلال حرام ہونے کا خیال کیا جاے اکابر محدثین کی تصریح سے ثابت ہے کہ اگر اُن کے اقوال کو کوئی نہ دیکھے تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیگا۔ اور اُنہی قیاسات اور تفقہ پر وہ حضرات اعتراف کر رہے ہیں۔ کہ ہم عطار اور آپ طبیب ہو اور امیر المومنین فی الحدیث کہہ رہے ہیں کہ جب تک ابوحنیفہ سے مجھے ملاقات نہ ہوئی حلال وحرام کے اصول مجھے معلوم نہ ہوے اور اسکے سوا جو تعریفیں اُن کے علم وتفقہ وغیرہ کی محدثین نے کی ہیں وہ توبیحساب ہیں۔ اگر فی الواقع آپ کے قیاس مخالف حدیث ہوتے تو جتنے محدثین نے آپ کی توثیق اور مدح کی ہے۔ وہ معاذ اللہ ایک کافر یا فاسق کی توثیق اور مدح سمجھی جاتی اور اس تقدیر پر بحسب اصول فن حدیث اون اکابر دین کی جرح وتعدیل بے اعتبار محض ثابت ہوتی۔ اور اس بے اعتباری کا اثر جرح وتعدیل ہی تک محدود نہوتا بلکہ اُن کی کل احادیث مرویہ بھی بے اعتبار ہو جاتے اور اسکے ساتھ ہی یہ ضرورت واقع ہوگی۔ کہ بخاری شریف سے وہ حدیثیں خارج کرکے ایک نئی بخاری بنائی جاے۔ اور چونکہ یہ بات ثابت ہے کہ جن حضرات پر احادیث صحیحہ کی اسناد ونکا مدار ہے وہ سب امام صاحب کے مداح ہیں۔ اس وجہ سے تعجب نہیں کہ پوری بخاری شریف ہاتھ سے جاتی رہے۔ غرضکہ امام صاحب کے قیاسوں اور راے میں کلام کرنے کا یہ اثر ہوگا کہ بخاری بلکہ کل صحاح بے اعتبار

ہو جائینگے - اس لئے اہل حدیث کو طوعاً و کرہاً یہ ماننا پڑیگا کہ امام صاحب کے قیاس اور رائے ہرگز مخالف شرع شریف نہیں - روایت ہے کہ کسی نے امام صاحب کے قیاس پر اعتراض کر کے اول من قاس ابلیس کہا تھا آپنے جواب دیا کہ ابلیس نے اپنے قیاس سے خدا کے کلام کو رد کیا تھا جس سے کافر ہوا اور ہم قیاس کو کتاب و سُنت اور اقوال صحابہ کی طرف پھیرتے ہیں جس سے اتباع مقصود ہے" اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب اس قسم کے قیاس کو کفر سمجھتے تھے۔

پہلے یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ قیاس کا طریقہ خود قرآن شریف سے مستنبط ہوتا ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ - اس میں ارشاد ہے کہ اپنے پاکیزہ مال کو خرچ کرو کیونکہ جس طرح تم بری چیز کے لینے کو ناپسند کرتے ہو دوسرا بھی اُسکے لینے کو ناپسند کرے گا - دیکھئے اس میں مال خبیث کے دینے کا قیاس اُسکے لینے پر کیا گیا -

اور اس حدیث شریف سے بھی یہی ظاہر ہے عن ابن عباس رضؓ ان امراۃ من جہینۃ جارت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقالت ان امی نذرت ان تحج فلم تحج حتی ماتت افاحج عنہا قال نعم حجی عنہا ارایت لو کان علی امک دین اکنت قاضیۃ اقضوا اللہ فاللہ احق بالوفاء رواہ البخاری - یعنی ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری ماں نے حج کی نذر کی تھی -

اور بغیر ایفائے نذر کے مرگئی کیا میں اُس کی طرف سے حج کروں فرمایا ہاں اگر تیری ماں پر کسی کا قرض ہوتا تو کیا تو اسکو ادا کرتی۔ پھر فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کے حق کو ادا کرو وہ زیادہ تر اس کا مستحق ہے کہ اُسکے حقوق ادا کئے جائیں "

دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر کا قیاس قرضہ پر فرماکر مجتہدوں کو اجتہاد کا طریقہ بتلادیا ورنہ نظیر پیش کرنے اور قیاس کرنے کی کوئی ضرورت نہتی نعم حجی عنہا فرمادینا کافی تھا۔ اسی طرح حضرت کا قیاس فرمانا اس روایت سے ثابت ہے عن ابی ہریرۃ رضؓ ان اعرابیا اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان امراتی ولدت غلاما اسود وانی انکرتہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہل لک من ابل قال نعم قال فما الوانہا قال حمر قال ہل فیہا من اورق قال ان فیہا اورقا فقال فانی تری ذلک قال عرق نزعہا قال فلعل عرق نزعہ ولم یرخص لہ فی الانتفاء منہ متفق علیہ المشکوٰۃ یعنی ایک اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری عورت نے سیاہ رنگ کا لڑکا جنا ہے اسلئے میں نے اُس کا انکار کردیا۔ حضرت نے فرمایا کیا تمہارے یہاں اونٹ ہیں کہا ہیں فرمایا اُنکے رنگ کیسے ہیں کہا سرخ فرمایا کیا اُن میں کوئی خاکی بھی ہے کہا ہے فرمایا سرخ رنگ والوں میں خاکی کہاں سے آگیا۔ کہا شاید اصل میں کوئی اس رنگ والا بھی ہوگا۔ فرمایا تمہارے لڑکے میں بھی یہی بات ہوگی غرضکہ یہ قیاس پیش کرکے نفیٔ نسب کی رخصت نہ دی" دیکھئے یہاں بھی وہی قیاس ہے کہ اونٹ کے رنگ پر آدمی کے رنگ کو قیاس فرمایا۔ اور یہ روایت بھی اسی کی موید ہے۔ عن انس رضؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سئل عن الصائم یقبل قال لا باس ریحانۃ یشمہا کذا فی کنز العمال یعنی کسی نے حضرت سے پوچھا کہ اگر روزہ دار بوسہ لے تو اُس کا کیا حکم ہے فرمایا کچہ مضائقہ نہیں وہ ایسا ہے جیسے ریحان کا سونگنا۔ اور کشف بزدوی میں یہ روایت نقل کیا ہے قولہ علیہ السلام لام سلمۃ رضی اللہ عنہا وقد سئلت عن قبلۃ الصائم قال ہلا اخبرتیہ انی اقبل وانا صائم۔ یعنی ام سلمہ سے کسی نے پوچھا کہ صائم کے بوسہ لینے کا حکم کیا ہے انہوں نے حضرت سے ذکر کیا ارشاد ہوا کہ تم نے سائل سے کیوں نہیں کہدیا کہ میں روزہ کی حالت میں بوسہ لیا کرتا ہوں" مقصود اس سے قیاس کی تعلیم تہی کہ حضرت کے فعل پر اوروں کے فعل کو قیاس کرکے کیوں نہیں جواب دیا۔ اور اس کی تائید اُن حدیثوں سے بھی ہوتی ہے جن میں احکام کے ساتھ علتیں بہی بیان کی گئیں۔ مثلاً فرمایا کہ بلی کا جھوٹا نجس نہیں اسلئے کہ وہ گھر میں پہرتی رہتی ہیں مقصود یہ کہ اُن سے پانی کا بچانا مشکل ہے۔ اس علت کے بیان فرمانے سے مقصود حضرت کا ظاہر ہے کہ جن جانوروں میں یہ علت پائیجائے اُن کا بھی جھوٹا نجس نہ ہوگا۔ ورنہ اُس علت کا بیان کرنا بے فائدہ ہوتا۔ انہی امور پر غور کرکے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قیاس کا طریقہ سیکھ لیا۔ اور اُن میں جو اہل رائے تھے وہ برابر قیاس سے استنباط مسائل کیا کرتے تھے اگر اُس کی کل نظائر لکھی جائیں تو کتاب ضخیم ہوجائیگی۔ اسلئے چند نظائر بطور مشتے نمونہ از خروارے یہاں لکھی جاتی ہیں۔ عن عروۃ رضی ان عائشۃ رضی اللہ عنہا اخبرتہ انہ جاء افلح اخو ابی القعیس یستاذن علیہا بعد ما نزل الحجاب وکان ابو القعیس ابا عائشۃ رض من الرضاعۃ قالت عائشۃ

فقلت واللہ لا آذن لافلح حتی استاذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان ابا القعیس
لیس ہو ارضعتنی ولکن ارضعتنی امراتہ قالت عائشۃ فلما دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قلت یارسول اللہ ان افلح اخا ابی القعیس جاءنی یستاذن علی فکرہت ان
اذن لہ حتی استاذنک قال قالت فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ائذنی لہ
قال عروۃ فبذلک کانت عائشۃ رضہ تقول حرموا من الرضاعۃ ماتحرمون
من النسب رواہ مسلم۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
عائشہ رضہ کو صرف رضاعی چچا کے روبرو ہونے کی اجازت دی تھی اس پر
انہوں نے قیاس کر کے کہا کہ جو نسبی ناتے حرام ہیں۔ وہ ناتے رضاعی بھی
حرام ہیں۔

عن ابی ہریرۃ رضہ قال لما توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واستخلف ابوبکر رضہ
بعدہ وکفر من کفر من العرب قال عمر ابن الخطاب رضہ لابی بکر رضہ کیف تقاتل
الناس وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس
حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قال لا الہ الا اللہ فقد عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ
علی اللہ تعالیٰ فقال ابوبکر لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال
واللہ لو منعونی عقالا کانوا یؤدونہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتہم علی منعہ
فقال عمر ابن الخطاب فواللہ ماہو الا ان رایت اللہ قد شرح صدر ابی بکر
للقتال فعرفت انہ الحق رواہ البخاری ومسلم۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ایک انقلاب عظیم برپا ہوا کہ بعضے عرب تو
بالکل کافر ہو گئے اور بعضے مرتد تو نہ ہوئے مگر زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدوں سے جہاد کرکے چاہا کہ اُن لوگوں سے بھی جہاد کریں جو زکوٰۃ دینے سے انکار کرتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ اُن لوگوں سے کیونکر جہاد کروگے۔ وہ تو لاالٰہ الا اللہ کے قائل ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص لاالٰہ الا اللہ کا قائل ہوگیا اُسنے اپنی جان و مال کو مجھسے بچالیا اور اندرونی معاملہ اور محاسبہ اُسکا خدا کے ساتھہ ہے۔ ابوبکر رضہ نے کہا میں اُن لوگوں سے ضرور جہاد کرونگا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں کیونکہ زکوٰۃ حق مال ہے قسم ہے خدا کی اگر رسی کا ایک ٹکڑا جو حضرت کے زمانہ میں ادا کرتے تھے مجھے نہ دیں تو میں اُنسے ضرور جنگ کرونگا۔ عمر رضہ یہ سُنکر قائل ہوگئے۔ اور کہا کہ انکو اس باب میں شرح صدر ہوا اور میں سمجھ گیا کہ وہی بات حق ہے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہی"۔

اب دیکھئے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو وہ حدیث یاد تھی کہ من قال لاالٰہ الا اللہ عصم مِنّی مالہ ونفسہ اور صدیق اکبر رضہ بھی اُس کو جانتے تھے مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد نے یہ فتوے دیا کہ وہ لوگ کلمہ گو ہیں۔ مگر مستوجب قتل ہیں اسلئے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں حالانکہ دونوں خدا تعالیٰ کے حکم ہیں۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ کسی قبیلہ کے لوگ نماز چھوڑ دیں تو اُنسے جہاد کیا جاتا ہے پھر کیا وجہ کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد نہ کیا جاے غرضکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کا قیاس نماز پر کرکے عمر رضہ کو ساکت کردیا اسلئے کہ عمر رضہ جانتے تھے کہ مجتہد کا قیاس شریعت میں قابل وقعت

اور واجب التعمیل ہے اس لئے عین مناظرہ میں انہوں نے اُسکو مان لیا اور یہ نہ کہہ سکے کہ حضرت میں ایک صحیح نص قطعی پیش کر رہا ہوں جس کا علم آپ کو بھی ہے اور اُس سے ثابت ہے کہ کوئی کلمہ گو زکوٰۃ دینے کی جرم میں قتل نہ کیا جائے اور آپ ایسے نص کے مقابلہ میں اپنا قیاس پیش کرتے ہو جو اول من قاس ابلیس سے ناجائز ثابت ہوتا ہے۔

اب اس قیاس کے پر زور اثر اور قوی طاقت کو دیکھئے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا خون اُسنے ہدر کردیا۔ اور کسی صحابی نے چوں وچرا نہ کیا جس سے صحابہ کا اجماع اس بات پر ثابت ہو گیا کہ دین میں قیاس مجتہد بھی گویا ایک مستقل حجت ہے۔ اگر قیاس مجتہد صحابہ کی دانست میں قابل اعتبار ہوتا تو اُس عروج اسلام کے زمانہ میں جس میں حمیت اسلامی کا جوش ہر ایک مسلمان کے رگ و پے میں بھرا ہوا اور نمایاں تھا ممکن نہیں کہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس کی ترجیح کو وہ گوارا کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد صریح کے مقابلہ میں ابوبکر رض کی قیاسی بات چل جاتی۔ کیونکہ وہ زمانہ وہ تھا کہ خلاف شرع کسی کی کوئی بات نہیں چل سکتی تھی تہذیب التہذیب میں امام بخاری کی تاریخ سے نقل کیا ہے۔ کہ ایک روز عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے اور آپ کے اطراف مہاجرین و انصار کا مجمع تھا آپنے اُن حضرات سے خطاب کرکے کہا کہ اگر کسی کام میں میں تن آسانی کروں تو آپ لوگ کیا کروگے۔ بشر ابن سعد نے کہا کہ اگر آپ ایسا کروگے تو ہم آپ کو ایسے سیدھے کردینگے جیسے کوئی تیر کو سیدھا کرتا ہے عمر رض نے

کہا انتم اذاً انتم یعنی تم اُس وقت تم ہوگے یعنی ایسا ہی کروگے تو صحابہ سمجھے جاؤگے۔ اس موقع میں اہل سنت وجماعت میں تو کسی کی مجال نہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قیاس کرنے پر اعتراض کر سکے یا صحابہ کے اجماع کو نہ مانے یا اُس حدیث کی صحت میں کلام کرے۔

اہل حدیث فقہ کی توہین میں اول من قاس ابلیس نہایت جرارت سے کہا کرتے ہیں۔ سو بفضلہ تعالیٰ الیقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ مجتہدوں کے قیاس پر اس کا اطلاق غلط محض ہے وہاں یہ کہنا صادق ہے اول من قاس النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتبعہ الصدیق وغیرہ من الصحابۃ رضی اللہ عنہم۔ نیل الاوطار میں قاضی شوکانی رح نے جو اس مقام میں لکھا ہے ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے جس کا مطلب اسی کے قریب ہے جو بیان کیا گیا۔ وہو

ہذا وقد اجتمع فی ہذہ القضیۃ الاحتجاج من عمر رض بالعموم ومن ابی بکر بالقیاس ودل ذلک علی ان العموم یخص بالقیاس وان جمیع ماتضمنہ الخطاب الوارد فی الحکم الواحد من شرط واستثناء مراعی فیہ ومعتبر صحۃ فلما استقر عند عمر صحۃ رای ابی بکر وبان لہ صوابہ تابعہ علی قتال القوم وہو معنی قولہ عرفت انہ الحق یشیر الی انشراح صدرہ بالحجۃ التی اتی بہا والبرہان الذی اقامہ نصا ودلالۃ۔

قاضی شوکانی رح نے جو لکھا ہے کہ ابوبکر کی صحت رائے عمر رض پر ظاہر ہو گئی اس سے ظاہر ہے کہ باوجودیکہ عمر رض کی شان میں کان رایہ موافقا للوحی والکتاب وارد ہے۔ مگر صدیق اکبر رض کی رائے اُنسے بھی بڑھی ہوئی تھی امام صاحب جو اصحاب الرائے کے سرگروہ مانے جاتے ہیں۔

اس کی وجہ یہی تفاضل رائے ہے یعنی اکابر محدثین نے دیکھا کہ صاحب الرائے تو سبھی ہیں مگر اس قابل کہ اصحاب الرائے کہے جائیں ابوحنیفہ اور ان کے اتباع ہیں اس وجہ سے وہ ان کا لقب ہی ٹھہرا دیا مگر اہل حسد نے بجائے مدح اس میں مذموم معنی پیدا کئے جیسے اہل کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو راعنا کہہ کر اس سے مذموم معنی مراد لیتے تھے

عن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت الانصار منا امیر ومنکم امیر فاتاہم عمر رضی اللہ عنہ فقال یا معشر الانصار الستم تعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدام ابابکر رضی اللہ عنہ ان یوم الناس فایکم تطیب نفسہ ان یتقدم ابابکر رضی اللہ عنہ فقالت الانصار نعوذ باللہ ان نتقدم ابابکر رضی اللہ عنہ رواہ الامام احمد رح فی المسند یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ساتھ ہی انصار نے مہاجرین سے کہا کہ اب ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک تم میں سے یہ سنکر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا آپ لوگ نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ لوگوں کی امامت کریں اب کہئے کہ آپ حضرات میں کس کا نفس گوارا کرتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آگے بڑھے انصار نے کہا نعوذ باللہ ہم ہرگز ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔

دیکھئے عمر رضی اللہ عنہ نے اس نازک موقع میں قیاس ہی سے کام لیا کہ جس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت میں مقدم کئے گئے تھے۔

امارت وخلافت میں بہی مقدم سکئے جائیں اور انصار اس قیاس کو رد نہ کر سکے اور کسی کو یہ کہنے کی مجال نہ ہوئی کہ حضرت ہمیں اُن کی خدمت پیش امامی میں کلام نہیں ہر نماز میں ہم اُن کی اقتدا کیا کرینگے۔ مگر ہمارا کلام امارت وخلافت میں ہے جس سے تمام اہل اسلام کے جان ومال وحقوق اور حکمرانی اور اشاعت اسلام وغیرہ امور متعلق ہیں۔ اب قیاس کی وقعت وبرکت کو دیکھئے کہ کیسے عظیم الشان معاملہ کو جس میں لاکھوں جانیں تلف ہوا کرتی ہیں۔ کس آسانی سے طے کر دیا۔ وجہ اس کی کیا تہی انصار رضی اللہ عنہم کا تدین اور احقاق حق کی خواہش۔ جب انہوں نے اس قیاس میں غور کیا اور آثار حقانیت اُنسے نمایاں ہوے از راہ تدین فوراً اس کو قبول کر لیا گو اُس میں اُن کا سراسر نقصان تھا غور کیجئے کہ اسلام میں پہلا اہم بالشان واقعہ جو پیش آیا وہ امر خلافت تھا اور وہ بمقابلہ مہاجرین انصار صرف قیاس سے طے ہوا۔ یہ واقعہ تمام صحابہ کی گواہیاں پیش کر رہا ہے کہ کل صحابہ قیاس کو فقط مانتے ہی نہ تھے بلکہ بڑے بڑے مہتم بالشان مسائل کا فیصلہ اُسی پر محول کرتے تھے اور اہل رائے کے اتباع اور امتثال کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اب اس سے بڑھ کر قیاس کے شروع ہونے پر کونسا اجماع ہو سکتا ہے۔

عن ابن عباس رض قال قلت لعثمان ما حملكم على ان عمدتم الى سورة الانفال وهي من المثاني والى سورة براءة وهي من المئين فقرنتم بينهما ولم تكتبوا بينهما سطر بسم الله الرحمن الرحيم فوضعتموها في السبع الطوال فما حملكم على ذلك قال كان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما یاتی علیہ الزمان وھو ینزل علیہ من السور ذوات العدد
فکان اذا انزل علیہ الشیٔ دعا بعض من یکتب لہ فیقول ضعوا ھذہ فی سورۃ التی یذکر
فیھا کذا او اذا انزلت علیہ الآیات قال ضعوا ھذہ الایات فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا
وکذا او اذا انزلت علیہ الآیۃ قال ضعوا ھذہ الایۃ فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکذا وکانت
سورۃ الانفال من اوائل ما نزل بالمدینۃ وکانت سورۃ براءۃ من اواخر ما انزل
من القرآن قال وکانت قصتھا شبیھا بقصتھا فظننا انھا منھا وقبض رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ولم یبین لنا انھا منھا فمن اجل ذلک قرنت بینھما ولم اکتب بینھما سطر بسم اللہ
الرحمن الرحیم ووضعتھا فی السبع الطوال رواہ امام الاحمد فی المسند۔ یعنی ابن عباس
نے عثمان رضہ سے پوچھا کہ آپ نے سورہ انفال کو جو چھوٹی سورت ہے سورۂ
برات کے ساتھ کیوں ملا دیا کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد سورے
اُترتے تھے اور جب آیتیں اُترتیں تو فرماتے کہ جس سورۃ میں فلاں قسم کا
ذکر ہے اس میں ان آیات کو لکھدو اور سورۂ انفال مدینہ میں اوائل میں اُترا تھا
اور سورۂ توبہ قرآن کے آخر میں اُترا اور حضرت نے اُنکے بارہ میں کچھ نہیں فرمایا
اور مضمون دونوں کے باہم مشابہ تھے اسلئے اسی قیاس پر ہم نے دونوں کو
ملا دیا جو حضرت بلحاظ مضمون آیتوں کو سورتوں میں داخل فرماتے تھے اور دونوں
کے درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی۔ دیکھئے عثمان رضی اللہ عنہ نے ترتیب قرآن
میں بھی قیاس کو دخل دیا۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال لما توفی ابو طالب اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت ان عمک الشیخ
قدمات قال اذھب فواراہ ثم لا تحدث شیئا حتی تاتینی قال فواریتہ ثم اتیتہ قال اذھب

فاغتسل ثم لاتحدث شیئاحتی تاتینی قال فاغتسلت ثم اتیتہ قال فدعالی بدعوات مایسرنی ان لی بھا حمرالنعم وسودھا قال وکان علی رضی اللہ عنہ اذاغسل المیت اغتسل رواہ الامام احمد رح فی مسندہ یعنی علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد ابوطالب کی وفات ہوئی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ آپ کے بوڑھے چچا مرگئے۔ فرمایا جاؤ اُن کو خاک میں چھپا دے کہ بغیر اِسکے کہ کوئی دوسرا کام کرو میرے پاس چلے آؤ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا پھر فرمایا کہ جاؤ اور غسل کرکے فوراً میرے پاس آؤ۔ اور کوئی دوسرا کام نہ کرو جب میں غسل کرکے حاضر ہوا تو حضرت نے میرے لئے ایسی دعائیں کیں کہ اگر سرخ وسیاہ اونٹ اُنکے معاوضہ میں مجھے مل جاتے تو ویسی خوشی مجھے نہ ہوتی۔ راوی کہتے ہیں کہ علی کرم اللہ وجہ کی عادت تھی کہ جب کسی میت کو غسل دیتے تو آپ بھی اُسکے بعد غسل کرلیتے۔ دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ علی کرم اللہ وجہ سے فرمایا تھا۔ نہ اور کسی سے کہ غسل میّت بھی موجب غسل ہے مگر علی اللہ وجہ نے اُس حکم خاص پر قیاس کرکے ہر میت کے غسل کے بعد غسل کرنے کا التزام کرلیا تھا۔

تفسیر درمنثور میں یہ روایت ہے کہ کسی عورت نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے یا امہ کہا آپنے فرمایا۔ انا امارجالکم ولست ام نسائکم یعنی میں مردوں کی ماں ہوں عورتوں کی ماں نہیں ہوں" یہ اس وجہ سے فرمایا کہ قرآن شریف میں النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم وارد ہے اور امھاتھم کی ضمیر مردوں کی طرف پھرتی ہے مگر ام سلمہ رض نے فرمایا کہ میں مردوں اور عورتوں دونوں کی

ماں ہوں کما قال واخرج ابن سعد عن ام سلمۃ رضہ قالت انا ام الرجال منکم والنساء۔
حاصل یہ کہ آپنے مرد و نیز عورتوں کو قیاس کیا اور فرمایا کہ جیسے مرد ویسی عورتیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں دونوں شریک ہیں۔ اسوجہ سے عورتوں کی بھی ماں ہونا ثابت ہے۔

عن ابن عباس رضہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من ابتاع طعاماً فلا یبعہ حتی یقبضہ قال ابن عباس رضہ واحسب کل شیئ بمنزلۃ الطعام رواہ مسلم یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص غلہ خرید کرے تو جب تک قبضہ نہ کرے اسکو دوسرے کے ہاتھ نہ بیچے۔ ابن عباس رضہ کہتے ہیں کہ میں خیال کرتا ہوں کہ ہر چیز بمنزلہ غلہ ہے جب تک قبضہ نہ کرے نہ بیچے دیکھئے کہ غلہ پر سب چیزوں کا قیاس انہوں نے کیا۔

عن ابی ہریرہ رضہ انہ قال لمروان احللت بیع الربا فقال ما فعلت فقال ابوہریرہ احللت بیع الصکاک وقد نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الطعام حتی یستوفی فخطب مروان الناس فنہی عن بیعہا قال سلیمان فنظرت الی حرس یاخذونہا من ایدی الناس رواہ مسلم یعنی ابوہریرہ رضہ نے مروان سے کہا تم نے بیع ربوا کو حلال کر دیا انہوں نے کہا یہ تو میں نے نہیں کیا۔ فرمایا جو چک خزانہ سرکاری سے نکلتے ہیں ان کی بیع تم نے حلال کر دی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ کو قبل قبضہ بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ سنکر مروان نے خطبہ پڑھا اور چکوں کو بیچنے سے منع کر دیا۔ سلیمان رح کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ سپاہی لوگوں کے ہاتھوں سے چک لے لیتے تھے

دیکھئے ابوہریرہ رض نے غلہ کی بیع پر چکوں کی بیع کو قیاس کیا اور اس کی تعمیل ہی ہوگئی کہ لوگوں کے ہاتوں سے جن میں صحابہ بھی موجود تھے چکیں چھینی جاتی تھیں اور کسی نے یہ اعتراض نہ کیا کہ حضرت یہ تو کاغذ ہیں غلہ نہیں جسکی بیع حرام ہو۔

عن ابی ہریرہ رض یقول نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجمع الرجل بین المراۃ وعمتہا وبین المراۃ وخالتہا قال ابن شہاب فنری خالۃ ابیہا وعمۃ ابیہا بتلک المنزلۃ رواہ مسلم۔ یعنی منع فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کو کوئی شخص اپنے نکاح میں رکھے۔ ابن شہاب رح کہتے ہیں کہ ہماری راے میں باپ کی خالہ اور باپ کی پھوپھی کا بھی یہی حکم ہے۔ دیکھئے ابن شہاب رح نے بھی اس مسئلہ میں راے لگائی اور قیاس کیا۔

ان تصریحات سے ثابت ہے کہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کو راے اور قیاس سے استنباط مسائل کرنیکا انکار نہ تھا اور کیونکر ہو سکے راے وہ چیز ہے جس سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خوشنودی ظاہر فرمائی جیسا کہ اس حدیث شریف میں اسکی تصریح ہے۔ عن معاذ بن جبل رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعثہ الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ قال اجتہد برأیی ولا آلو قال فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صدرہ وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما یرضی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی کذا فی المشکوۃ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو قاضی بناکر یمن کی طرف

روانہ کرنا چاہا تو اُنسے پوچھا کہ اگر کوئی مسئلہ پیش آئے تو تم کیا کروگے کہا کتاب اللہ سے حکم کروں گا۔ فرمایا اگر کتاب اللہ میں تم نہ پاؤ تو کیا کروگے کہا حدیث سے حکم کروں گا۔ فرمایا اگر حدیث میں بھی نہ پاؤ تو کیا کروگے کہا رائے سے کام لونگا۔ اور کوشش میں کوتاہی نہ کرونگا۔ یہ سُنکر حضرت نے اُن کو شاباشی دی اور فرمایا خدا کا شکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی بات کی توفیق دی کہ اُس سے رسول اللہ راضی ہوں۔

اس سے علاوہ تحسین رائے کے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ بہت سے مسائل ایسے بھی ہیں جنکو ہر شخص قرآن میں نہیں پاسکتا اس سے ابو داؤد ظاہری اور ابن حزم رح کی اس دلیل کا جواب بھی ہوگیا جو آیہ شریفہ ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی۔ وقولہ تعالیٰ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین پیش کرکے کہتے ہیں کہ جب قرآن شریف میں حق تعالیٰ نے ہر چیز کو بیان کردیا تو اب رائے لگانے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اُس کی اجازت بھی نہیں۔

کیونکہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہے کہ آیہ شریفہ کا یہ مطلب نہیں کہ ہر مسئلہ کا حکم قرآن سے بغیر رائے اور قیاس سے معلوم ہوسکتا ہے اس وجہ سے قیاس کی ضرورت نہیں اگر ایسا ہوتا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فان لم تجد فی کتاب اللہ نہ فرماتے اور نہ صحابہ میں قیاس شائع وذائع ہوتا حالانکہ احادیث مذکورہ سے جواز قیاس پر اجماع ثابت ہے۔ اور مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے تصریح کی ہے کہ صحابہ عموماً رائے اور قیاس سے کام لیا کرتے تھے جیسا کہ الانصاف میں لکھا ہے۔ فانقضی عصرہ الکریم علی ذلک

ثم تفرقوا (ای الصحابہ) فی البلاد وصار کل واحد مقتدی ناحیۃ من نواحی وکثرت الوقائع ودارت المسائل فاستفتوا فیہا فاجاب کل واحد حسب ماحفظہ او استنبطہ وان لم یجد فیما حفظہ واستنبطہ مایصلح للجواب اجتہد برایہ وعرف العلۃ التی ادار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہا الحکم فی منصوصاتہ فاقر الحکم حیثما وجدہا لایالو فی جہد موافقۃ غرضہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فعند ذلک وقع الاختلاف بینہم علی ضروب" اس سے ظاہر ہے کہ جب ضرورت ہوتی تھی صحابہ اپنی راے سے قیاس کر لیتے تھے اسیوجہ سے صحابہ کے اقوال میں اختلاف واقع ہے اسکے بعد یہ کہنا کہ آیۂ موصوفہ سے قیاس کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے احادیث اور اجماع صحابہ کو باطل کرتا ہے رہا یہ کہ آیۂ موصوفہ سے ظاہر ہے کہ ہر چیز کا بیان قرآن میں موجود ہے پھر قیاس کی کیا ضرورت۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فی الحقیقت قرآن شریف میں سب کچھ ہے مگر سمجھ کر اُسکو نکالنا مشکل ہے کیا ممکن ہے کہ جتنے واقعات پیش ہوے اور ہوتے رہتے ہیں ہر شخص قرآن سے اُن کا حکم نکال سکے ہر گز نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اہل رائے کی ضرورت خود آیۂ موصوفہ سے ثابت ہوتی ہے جو اپنی راے اور قیاس سے ہر مسئلہ قرآن سے نکال سکیں۔ اسی وجہ سے حدیث معاذ رضہ میں راے کی تحسین وارد ہے۔

جس طرح آیۂ موصوفہ سے مجتہد کی راے اور قیاس کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ اسیطرح اس آیت سے قیاس مجتہد کی اجازت ثابت ہے وہو قولہ تعالیٰ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار اس آیۂ شریفہ میں اعتبار کرنیکا حکم ہے

کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ اہل لغت اعتبار کے معنی رد الشی الی نظیرہ لکھے ہیں اور محاورہ میں کہا جاتا ہے اعتبرت ہذا الثوب بہذا الثوب۔ ای سوتیہ فی التقدیر یعنی جب کسی کپڑے کے برابر دوسرا کپڑا قطع کیا جاتا ہے تو اعتبرت ہذا الثوب بہذا الثوب کہتے ہیں۔ چونکہ قیاس فقہی میں بھی رد الشی الی نظیرہ اور تسویۃ الشی صادق ہے کیونکہ مثلاً جو چیز مسکر ہونے میں خمر کی نظیر ہو اُس کو خمر کی طرف پھیر کر اُسکے حکم یعنی حرمت میں برابر کر دیتے ہیں جیسے کپڑے میں برابری کیجاتی ہے۔ اس وجہ سے اعتبار کے معنی پورے طور سے قیاس فقہی پر صادق آگئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خطاب فاعتبروا یا اولی الابصار سے اہل بصیرت قیاس فقہی کے مامور ہیں۔

یہاں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ پوری آیۂ شریفہ یہ ہے وقذف فی قلوبہم الرعب یخربون بیوتہم بایدیہم وایدی المومنین فاعتبروا یا اولی الابصار اِس میں پہلے یہ ذکر کیا گیا کہ کفار کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا گیا کہ وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتوں سے خراب کرنے لگے اور مسلمانوں نے بھی خراب کیا اسکے بعد ارشاد ہے فاعتبروا یا اولی الابصار۔ جس سے ظاہر ہے کہ اعتبار حاصل کرنے سے مراد اتعاظ اور نصیحت لینی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اُن کی حالت کو دیکھکر نصیحت حاصل کرو۔ اسیوجہ سے اعتبار کا اطلاق عموماً نصیحت قبول کرنے والے پر ہوا کرتا ہے۔ اس صورت میں فاعتبروا کو قیاس سے کوئی تعلق نہ ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اعتبار کا اطلاق حقیقۃً ایسے معنی پر ہوتا ہے جہاں

انتقال اور مجاوزت الی الغیر ہو اسلئے کہ مادہ ع ب ر کی خاصیت ہے
کہ اس میں انتقال کے معنی ضرور ہوتے ہیں مثلاً عبور نہر وغیرہ سے گذر جانے
کو کہتے ہیں۔ اور معبر پل اور اس کشتی کو جو نہر کے پار اوتار دے اور عبّار
اس اونٹ کو کہتے ہیں جو قوی السیر ہو اور عابر سبیل راستہ سے گذرنیوالے
کو اور عبرت اس اشک کو کہتے ہیں جو آنکھوں سے نکل پڑے اور خواب
کی تعبیر میں بھی یہی ہوتا ہے کہ جو چیز دیکھی جاتی ہے اس سے دوسری
چیز کی طرف عبور کرنا ہوتا ہے مثلاً دودھ خواب میں دیکھا جائے تو اسکی
تعبیر علم ہوگی چونکہ نصیحت حاصل کرنے میں بھی یہی ہوتا ہے کہ دوسرے
کی حالت پر اپنی حالت قیاس کی جاتی ہے کہ جس طرح اسنے کیا اگر ہم
بھی کریں تو ہمارا بھی وہی حال ہوگا۔ جو اس کا ہوا اسلئے انتقال و مجاوزت
کے معنی اس میں بھی صادق آگئے۔ اس وجہ سے کہ گویا اس کی حالت کو
اپنی حالت پر منطبق کر دیا یہی ہے ردالشیٔ الی نظیرہ جو عبرت کے لغوی معنی
ہیں اور فقہی قیاس پر بھی صادق آتے ہیں۔ پھر اگر غور کیا جائے تو اعتبار
کے معنی موضوع لہ اتعاظ ہو بھی نہیں سکتے اسلئے کہ کہا جاتا ہے۔
اعتبر فلان فاتعظ حالانکہ اعتبار پر اتعاظ مرتب ہو رہا ہے جو فائے تفریع
سے ظاہر ہے اگر دونوں کے معنی ایک ہی ہوں تو ترتب الشی علی نفسہ
لازم آئیگا جو محال ہے۔ اسلئے یہ کہنا ضرور پڑیگا کہ اعتبار کا درجہ اتعاظ پر
مقدم ہے جبپر ردالشیٔ الی نظیرہ صادق آتا ہے جو حقیقت قیاس ہے
اس صورت میں فاعتبروا کے معنی یہ ہوئے کہ کفار کے حال پر اپنے حال کو

قیاس کرلو کہ تم بھی تمرد کروگے تو تمہارا بھی وہی حال ہوگا جو اُن کا ہوا البتہ اس اعتبار اور قیاس پر اتعاظی کیفیت مرتب ہوگی۔ جو اثر اوس قیاس کا ہے۔ اور اگر غور کیا جاے تو اتعاظ میں بھی مجاوزت اور انتقال کے معنی موجود ہیں۔ اسلئے کہ جو شخص کسی کے حال کو دیکھکر نصیحت حاصل کرتا ہے اُس میں یہی ہوتا ہے کہ دوسرے کے حال کو معلوم کرکے اپنے حال کو معلوم کرتا ہے کہ میرا بھی وہی حال ہونیوالا ہے اگر اُس کی سی کیفیت اپنے میں ہو۔ بہرحال اعتبار کے معنی ردالشئی الی نظیرہ ہیں جو حقیقت قیاس ہے۔

یہاں ایک اور اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی حالت کو دیکھکر قیاس کرے اور اُسمیں اتعاظی کی کیفیت کے آثار نمایاں نہ ہوں تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اُس نے عبرت حاصل نہیں کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعتبار کے معنی قیاس کے نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عبرت کے معنی تو یہاں بھی صادق آگئے۔ مگر چونکہ مقصود اعظم عبرت کا یعنی اتعاظی کیفیت فوت ہے اسلئے مجازاً عبرت کی نفی ہوگی جس طرح آیات میں تدبر نہ کرنے والے کو اعمیٰ و اصم کہا جاتا ہے اسلئے کہ بصارت و سماعت کا مقصود اصلی اُسنے فوت کردیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن میں بصارت و سماعت ہی نہیں ہے اسی طرح اتعاظی کیفیت پیدا نہ ہونے سے لازم نہیں آتا کہ اعتبار کا وہاں وجود نہیں۔

یہاں یہ بھی ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ کفار کا حال بیان کرکے حق تعالیٰ نے فاعتبروا فرمایا اگر اُسکے معنی قیاس کرنیکے لئے جائیں تو کلام الٰہی کے یہ معنی ہوں گے کہ کفار کے حال کو دیکھکر قیاس کرو کہ سیندھی مثلاً اسکر ہوگی

وجہ سے مثل خمر حرام ہے جس کی رکاکت پوشیدہ نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے
کہ فاعتبروا کا مطلب اسی قدر ہے کہ کفار کی حالت کو دیکھ کر قیاس کر لو کہ انکا سا
تمرد کروگے تو تمہارا بھی وہی حال ہوگا۔ اس سے مطلق قیاس کا ثبوت ہوگیا
جس کے افراد وجزئیات میں جس طرح قیاس اتعاظی داخل ہے قیاس شرعی
بھی داخل ہے۔ رکاکت تو جب ہو کہ فاعتبروا کے وہ معنیٰ لئے جائیں جو اتعاظ
کو شامل نہ ہوں اور جب ایسے معنیٰ لئے جائیں جو اتعاظ وغیر اتعاظ دونوں پر شامل
ہوں تو کسی طرح رکاکت نہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھی جاے کہ اگر کوئی سوال
کرے کہ رمضان کے روزہ میں کھانے پینے سے کفارہ لازم آتا ہے
تو اس کے جواب میں اگر یہ کہا جاے کہ جماع سے کفارہ لازم آتا ہے تو البتہ
وہ رکیک نہ ہوگا بخلاف اسکے اگر یہ کہا جائے کہ روزہ توڑنے سے کفارہ
لازم آتا ہے۔ تو اس میں کوئی رکاکت نہیں۔ کیونکہ وہ اکل وشرب کے حکم پر
بھی شامل ہے۔ اور اسکے غیر یعنی جماع کے حکم پر بھی اسی طرح فاعتبروا کے
معنیٰ جب مطلق قیاس کے ہوے جسمیں قیاس اتعاظی بھی داخل ہے اور اسکا غیر
یعنی قیاس شرعی بھی تو اسمیں کوئی رکاکت کی بات نہیں غرضکہ فاعتبروا سے مطلق
قیاس یعنی ذات قیاس بلا تعرض صفات ثابت ہے۔ جس کے افراد میں قیاس
شرعی بھی داخل ہے۔ گو اس مقام میں مطلق کا تحقق فرد خاص ہی میں کیوں نہ ہو
مگر قیاس شرعی بھی وہی ذات ہے جس کی اجازت نص قطعی سے ہوگئی۔
اب اس کا تحقق اس فرد میں ناجائز سمجھنے کے لئے دوسری نص قطعی درکار ہے
اور جب تک وہ پیش نہو یہی نص اُسکے جواز کے لئے کافی ہے خصوصاً جب

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس شرعی کی اجازت دی بلکہ اس کا طریقہ بتلادیا اور صحابہ برابر اسپر عمل کرتے رہے تو اس قسم کے احتمالات اور شبہات سے اس کا ابطال ممکن نہیں۔

دراصل قیاس کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں صرف اصول دین اور ضروری امور بیان فرمائے مثلاً ارشاد ہوا واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ یعنی ہر مسلمان کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی ضرورت ہے۔ اس میں اسکی بھی تصریح نہیں کہ پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ اور اسکی ہیئت مجموعی یہ ہے اسیطرح زکوٰۃ کا نہ نصاب بتلایا گیا نہ مقدار واجب۔ بلکہ اس قسم کے امور سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر محول کردیئے گئے۔ اور ارشاد ہوگیا ما اتاکم الرسول فخذوہ ومانہاکم عنہ فانتہوا یعنی جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کریں سب کو قبول کرلو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ پھر چونکہ خدا تعالیٰ کا مقصود رسول کے بھیجنے سے یہ تھا کہ اپنے بندوں کی پوری پوری اصلاح ہو جس سے اُن کو دنیوی اور اُخروی سعادتیں حاصل ہوں اور دونوں جہاں میں نیکنام فائز المرام رہیں اسلئے دونوں سعادتوں سے جتنے امور متعلق تھے سب قرآن شریف میں اجمالاً بیان فرمادئے مثلاً اخلاقی حالتوں کی اصلاح جسکو اصلاح تمدن اور سعادت دنیوی سے زیادہ تر تعلق ہے۔ اور حقوق عبودیت اور اُن کے ادا کرنے کے طریقے یعنی عبادت جسکو سعادت اُخروی سے تعلق ہے سب اس میں مذکور ہیں کما قال تعالیٰ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ دونوں سعادتوں کا

مدار حرکات نفسانی اور جسمانی یعنی افعال قلبی اور افعال جوارح کی اصلاح پر ہے
اسلئے کوئی حرکت اور سکون خواہ قلب سے متعلق ہو یا جوارح سے ایسا نہیں
ہوسکتا جس کو شریعت سے کوئی تعلق نہ ہو اور قرآن اُس کی اصلاح کا متکفل نہ ہوا
مگر چونکہ قرآن کا نزول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا اس لئے اُسکا پورا پورا
مطلب حضرت ہی کو سمجھا یا گیا پھر حضرت نے اُس اجمال کی تفصیل شروع کی۔
اور جیسے جیسے واقعات دنیا اور آخرت سے متعلق پیش ہوتے گئے انکے
احکام بیان فرماتے گئے۔ مگر حضرت جانتے تھے کہ جتنے وقائع اپنے
روبرو پیش ہوں گے محدود ہونگے۔ اور قیامت تک جو واقعات پیش ہونے
والے ہیں وہ غیر محدود ہیں حالانکہ اُن سب کے احکام معلوم ہونیکی ضرورت
ہے جنپر عمل کرنے سے سعادت دارین حاصل ہو اسلئے حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اُنکے بیان کا ایسا طریقہ اختیار فرمایا کہ کل جزئیات مسائل کے
احکام معلوم ہوجائیں یعنی مجتہدوں کے قیاس پر محول فرمایا تاکہ وہ اپنی رائے
اور قیاس سے کام لیکر اِس غرض کو پوری کریں۔ اور اہل رائے کی تحسین فرمائی
جیسا کہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہے کہ اُنسے استفسار فرمایا
کہ اگر کسی واقعہ کا حکم قرآن وحدیث میں نہ ہو تو تم کیا کروگے اور جب انہوں نے
مرضی مبارک پاکر عرض کیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا تو اُن کی تحسین کی
اِس تقریر سے ظاہر ہے کہ قرآن شریف کے بعد حدیث شریف کی ضرورت ہے
اور اُسکے بعد قیاس مجتہد کی اور یہی بات اِس روایت سے ظاہر ہے۔

جو تفسیر درمنثور میں امام سیوطی رح نے نقل کی ہے اخرج ابن ابی حاتم من طریق

مالک ابن انس عن ربیعۃ قال ان اللہ تبارک وتعالیٰ انزل الکتاب مفصلاً

وترک فیہ موضعاً للسنۃ وسنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وترک فیہا موضعاً للرأے

یعنی خداے تعالیٰ نے کتاب مفصل نازل کی مگر حدیث کی جگہ باقی رکھی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث بیان فرمائے مگر اُن میں راے کی جگہ باقی رکھی۔ یہاں یہ غور کرلیا جاے کہ ہر ایک واقعہ میں ہر حرکت وسکون انسانی کی اصلاح جب خدا ورسول کے کلام سے متعلق ہے اور واقعات غیر متناہی پس تو جب تک قیاس شرعی سے کام نہ لیا جاے کیونکر وہ اصلاح ممکن ہوگی اگر قیاس شرعی کی پابندی چھوڑ دیجاے تو بہت سے واقعات میں آدمی اپنے قیاس اور راے سے کام لیگا جسکو شریعت سے تعلق نہ ہوگا کیونکہ قیاس کی ضرورت اسی موقع میں ہوتی ہے جس میں قرآن وحدیث وارد نہ ہو پھر جب اُس میں اپنی خالص راے سے کام لیا جاے تو شریعت کو اُسمیں کوئی دخل نہ ہوگا اور وہ مقصود حاصل نہ ہوگا کہ خدا ورسول کے کلام سے سب افعال واحوال کی اصلاح ہو۔ برخلاف اُسکے شرعی قیاس میں یہ غرض پوری ہوتی ہے اسلئے کہ جس واقعہ میں کوئی نص وارد نہ ہو تو مجتہد تمام واقعات پر جنکا ذکر قرآن وحدیث میں مع احکام وارد ہے غور کرکے اُس واقعہ کو پیش نظر کرلیتا ہے جو اُسی قسم کا ہو پھر جب اُس واقعہ منصوصہ میں غور کرتا ہے کہ جو حکم اُس میں دیا گیا ہے اُس کی علت کیا تھی اور اپنے قیاس سے اُسکو اطمینان ہوجاتا ہے کہ اُس اصل منصوص میں جو حکم مصرح ہے فلاں علت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہی علت اِس واقعہ میں بھی موجود ہوتی ہے تو اُسکو ظن غالب ہوجاتا ہے

کہ جو حکم اصل میں تھا وہی فرع میں بھی ہے کیونکہ علت کے وجود سے معلول کا وجود وابستہ ہوتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ افعال الٰہیہ میں علت کے قائل ہونا ان کو معلل بالاغراض کہنا ہے حالانکہ علمائے نے تصریح کی ہے کہ حق تعالیٰ کے افعال معلل باغراض نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ معلل بالاغراض نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ افعال الٰہیہ میں کوئی غرض ایسی نہیں ہوسکتی جس سے اس کا کوئی ذاتی نفع اور استکمال ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ افعال الٰہیہ منافع اور مصالح اور فوائد سے خالی ہوں۔ بلکہ بلحاظِ فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ۔ یہ ماننا پڑیگا کہ خدائے تعالیٰ کے ہر فعل میں صدہا منافع ہیں جن کا ادراک طاقت بشری سے خارج ہے۔

غرضکہ جو احکام خدائے تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں۔ ان میں کوئی نہ کوئی علت ضرور ہوگی جو مصالح عباد سے متعلق ہے اس سے ثابت ہے کہ ہر حکم معلل ہے چنانچہ اسپر کئی آیات قرآنیہ گواہی دے رہی ہیں۔ منجملہ ان کے چند آیات یہ ہیں قولہٗ تعالیٰ وما خلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون یعنی جن وانس کو ہم نے صرف عبادت کے لئے پیدا کیا۔ وقولہٗ تعالیٰ وما ارسلنا من رسول الّا بلسان قومہ لیبین لہم یعنی جس رسول کو ہم نے بھیجا وہ اپنی قوم کی زبان میں بات چیت کرتے تاکہ اونسے اپنا ما فی الضمیر بیان کریں وقولہ تعالیٰ۔ وما انزلنا علیک القرآن الّا لتبین لہم الذی اختلفوا فیہ۔ یعنی تم پرہم نے اسواسطے قرآن اتارا کہ اُنسے وہ بیان کرو جس میں وہ لوگ اختلاف کرتے ہیں وقولہ تعالیٰ واذّن فی النّاس بالحج یاتوک رجالا وعلیٰ کل ضامر یاتین من کل فج عمیق لیشہدوا

(حاشیہ: ہر حکم معلل ہے)

منافع لہم و یذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات۔ مطلب یہ کہ حج اس غرض سے مقرر کیا گیا کہ لوگ اپنی منفعتوں کی جگہ پہنچیں اور چند روز اللہ کا ذکر کریں۔

وعن ابن عباس رض قال نزلت ہذہ الآیۃ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم متوار بمکۃ ولا تجہر بصلوتک و تخافت بہا قال فکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی باصحابہ رفع صوتہ بالقرآن فلما سمع ذلک المشرکون سبوا القرآن و سبوا من انزلہ ومن جاء بہ قال فقال اللہ عزوجل لنبیہ ولا تجہر بصلوتک ای بقرائتک فیسمع المشرکون فیسبوا القرآن ولا تخافت بہا عن اصحابک فلا تسمعہم القرآن حتی یاخذوہ عنک و ابتغ بین ذلک سبیلا۔ یعنی حق تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حکم نازل فرمایا کہ نماز میں قرآن کو نہ بہت بلند آواز سے پڑھو نہ بہت پست آواز سے اُسکی علت یہ تھی کہ مشرک قرآن کو سُنکر قرآن کو اور اُسکے اوتارنے والے اور لانے والے کو گالیاں دیا کرتے تھے اسلئے حکم ہوا کہ نہ اتنی بلند آواز سے پڑھو کہ مشرک سُنیں اور نہ اتنی پست آواز سے کہ صحابہ بھی نہ سُنیں۔ ان آیات سے ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کے افعال اور احکام شرعیہ فوائد اور مقاصد سے خالی نہیں اب چند احادیث بھی دیکھ لیجئے جن میں علتوں کا امام کے ساتھ ملحوظ ہونا ثابت ہے منتقی الاخبار میں ابن تیمیہ رح نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

عن سعد ابن ابی وقاص رض قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسئل عن اشتراء التمر بالرطب فقال لمن حولہ اینقص الرطب اذا یبس قالوا نعم فنہی عن ذلک رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی یعنی کسی نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ رطب یعنی تر کھجور دیکر سوکھی کھجور خریدنیکا کیا حکم ہے آپنے حضار مجلس سے دریافت فرمایا کہ رطب

سوکھ کر کیا کم ہوجاتی ہے لوگوں نے عرض کیا کہ کم ہوجاتی ہے فرمایا یہ بیع درست نہیں۔

نیل الاوطار میں قاضی شوکانی رح نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس استفسار سے حضرت کو دریافت حال مقصود نہ تھا کیونکہ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ رطب سوکھ کر کم ہوجاتی ہے بلکہ عدم جواز کی علت بتلانا مقصود تھا۔ کہ رطب سوکھ کر جب تمر سے کم ہوجائیگی تو ربوا متحقق ہوگا جو حرام ہے دیکھئے کہ بیان علت حکم میں کس قدر اہتمام فرمایا کہ حضار مجلس کی زبان سے کہلوادیا تاکہ سب کو معلوم ہوجاوے کہ حکم علت پر متفرع ہوتا ہے۔

عن طاوس عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یقبضہ قلت لابن عباس لما قال الاترٰی انہم یبتاعون بالذہب والطعام مرجار رواہ الامام احمد فی المسند یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص غلہ خریدے تو جب تک قبضہ نہ کرے اسکو نہ بیچے۔ طاؤس نے ابن عباس رض سے اس کی علت پوچھی فرمایا کہ سونے کے معاوضہ میں لوگ غلہ خریدتے ہیں اور وہ غائب ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ احکام کی علت دریافت کیجاتی تھی اور صحابہ میں جو فقہا تھے وہ بیان بھی کیا کرتے تھے۔ عن ابن عباس رض قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخر رجل عن بعیرہ فوقص فمات وہو محرم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسلوہ بماء وسدر واوکفنوہ فی ثوبیہ ولا تخمروا راسہ فان اللہ عز وجل یبعثہ یوم القیمہ مہلاً وقال مرۃ یہل رواہ الامام احمد فی مسندہ یعنی حالت احرام میں ایک شخص کا انتقال ہوا حضرت نے حکم دیا اسکے سر کو مت ڈھانکو

اور اُس کی علّت یہ بیان کی کہ قیامت کے روز وہ احرام کی حالت میں اُٹھیگا

جامع ترمذی میں یہ روایت ہے عن ام عطیۃ انّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کان یخرج الابکار والعواتق وذوات الخدور والحیض فی العیدین فاما الحیض فیعتزلن المصلّٰی ویشھدن دعوۃ المسلمین قالت احدٰھن یا رسول اللہ ان لم یکن لھا جلباب قال فلتعرھا اختھا من جلبابھا۔ قال ابو عیسٰی وروی عن ابن المبارک انہ قال اکرہ الیوم الخروج للنساء فی العیدین فان ابت المراۃ الا ان تخرج فلیاذن لھا زوجھا ان تخرج من اطمارھا ولا تزین فان ابت ان تخرج کذلک فللزوج ان یمنعھا من الخروج وروی عن عائشۃ رض قالت لو راے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل ویروی سفیان الثوری انہ کرہ الیوم الخروج للنساء الی العیدین"۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باکرہ اور قریب البلوغ اور حائضہ عورتوں کو عیدین میں جانیکا حکم فرماتے تھے۔ حائضہ عورتیں مصلّے سے علیحدہ رہتی تھیں اور دعاے استسقاء وغیرہ کے لیے بھی وہ نکلتی تھیں۔ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ اگر کسی کے پاس چادر نہ ہو فرمایا اسکی بہن اُس کو اپنی چادر دے ابن مبارک کہتے ہیں کہ حالت موجودہ کے لحاظ سے میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ عورتیں عیدین میں نکلیں۔ اگر عورت اصرار ہی کرے تو شوہر پُرانے لباس کیساتھ نکلنے کی اجازت دے اور اگر وہ چاہے کہ زینت کے ساتھ نکلے تو شوہر اسکو نہ نکلنے دے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آجکل کی عورتوں کی حالت

دیکھتے تو اُن کو مسجدیں جانے سے منع فرما دیتے ۔ سفیان ثوری رح کہتے ہیں کہ میں عورتوں کے عیدین میں نکلنے کو مکروہ سمجھتا ہوں ۔ دیکھئے باوجود صحیح حدیث وارد ہونیکے عائشہ رض ابن مبارک اور سفیان ثوری رح نے اُسکے خلاف میں عورتوں کے منع کرنے کو کہا اسوجہ سے کہ اسمیں فساد ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرون ثلثہ میں احکام معلل بعلت سمجھے جاتے تھے اور اسی کے لئے فقہا کی ضرورت سمجھی جاتی تھی منتقی الاخبار میں یہ روایت ذکر کی کہ ایک بار کسی یہودی کا جنازہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے روبرو سے گذرا آپ اُٹھ کھڑے ہوئے لوگوں نے کہا کہ وہ یہودی کا جنازہ ہے فرمایا کیا وہ نفس نہیں ہے ۔ قاضی شوکانی رح نے اسکی شرح نیل الاوطار میں امام حسن علیہ السلام کا قول ذکر کیا کہ حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے جو قیام فرمایا تھا اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُس جنازہ کے ساتھ بخور جلارہے تھے جس کی بو ناگوار خاطر عاطر ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ یہودی کا جنازہ سر سے بلند ہونا خلاف مرضی ہوا جس کی وجہ سے آپ کھڑے ہوگئے ۔ اُسکے بعد لکھا ہے کہ حضرت سے جو تعلیل مروی ہے اُس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جنازہ خواہ مسلمان کا ہو یا کافر کا اُسکے لئے اُٹھنا مسنون ہے اور امام حسن رض کی تعلیل کا مقتضیٰ یہ ہے کہ کافر کے جنازہ کے لئے اُٹھنے کی ضرورت نہیں یہاں مقصود اسی قدر ہے کہ کبھی حدیث میں علّت مذکور ہوتی ہے اور کبھی صحابہ اپنے اجتہاد سے علّت نکال لیتے ہیں چنانچہ نیل الاوطار کی عبارت یہ ہے اما ثانیا فلان التعلیل لکب بذ

راجع الی مافہمہ الراوی والتعلیل الماضی صریح من لفظ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وکان الراوی لم یسمع التصریح بالتعلیل منہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلل باجتہادہ

ومقتضی التعلیل بقولہ الیست نفسا ان ذلک یستحب لکل جنازۃ۔ اس سے ظاہر ہے کہ حکم علت کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے اور مجتہد علت تلاش کرنیکے مجاز ہیں۔

کنز العمال کی کتاب الطہارت میں یہ روایت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مجاہد رح کہتے ہیں کہ ایک روز میں اور عطا اور طاؤس اور عکرمہ رحمہم اللہ بیٹھے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آکر پوچھا کہ جب میں پیشاب کرتا ہوں تو پیشاب کے بعد مادہ افق یعنی منی نکلتی ہے کیا اس سے غسل واجب ہوتا ہے ہم نے کہا کیا وہی مادہ افق نکلتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے کہا ہاں ہم نے کہا جب تو غسل واجب ہے وہ شخص اناللہ پڑہتا ہوا چلا گیا۔ ابن عباس رض نے جلد نماز سے فارغ ہوکر عکرمہ سے کہا اس شخص کو بلا لاؤ چنانچہ وہ آیا۔ پھر ہم سے پوچھا۔ کیا تم نے قرآن سے فتویٰ دیا ہے ہم نے کہا نہیں۔ فرمایا حدیث سے ہم نے کہا نہیں۔ فرمایا صحابہ کے اقوال سے ہم نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا کس کے قول سے فتویٰ دیا ہم نے کہا اپنی رائے سے یہ سنکر فرمایا

لذلک یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف

عابد یعنی اسیوجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ ترسخت ہے۔ پھر اس سائل سے پوچھا کہ پیشاب کے

بعد جو چیز نکلتی ہے کیا اُسکے نکلنے کے وقت تمہارے دل میں شہوت یعنی عورت کی خواہش ہوتی ہے کہا نہیں فرمایا کیا اعضا میں استرخا اور ڈھیلا پن پیدا ہوتا ہے کہا نہیں۔ فرمایا اس صورت میں صرف وضو تمہارے لیئے کافی ہے۔ انتہیٰ۔ ابن عباس رضہ نے جب دیکھا کہ مار دافق کے لفظ پر انہوں نے دھوکا کھایا اور علت غسل پر غور نہیں کیا تو سمجھ گئے کہ اُن میں کوئی فقیہ نہیں اگر فقیہ ہوتے تو علت غسل کی تشخیص ضرور کرتے پھر جب دیکھا کہ علت غسل یعنے خروج منی کے لوازم نہیں پائے جاتے اِسلئے فتویٰ دیا کہ وہ منی ہی نہیں اسلئے غسل بھی واجب نہیں اس سے ظاہر ہے کہ فقیہ کی جو تعریف و توصیف احادیث میں وارد ہے۔ اُس کو اعلیٰ درجہ کی سمجھ درکار ہے اور مجاہد اور عطاؔ اور طاؤس اور عکرمہ رحمہم اللہ جیسے اکابر محدثین کو ابن عباسؓ نے فقیہ نہیں سمجھا اسوجہ سے کہ انہوں نے علت کی تشخیص نہیں کی۔

کنز العمال میں یہ روایت بھی ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے یعنی اوائل اسلام میں اُن کا پاخانہ قلت غذا کی وجہ سے مینگنیاں ہوتا تھا اور تمہارا پاخانہ گاڑھا ہوتا ہے۔ اِسلئے تم لوگوں کو ضرور ہے کہ ڈھیلوں کے بعد پانی سے بھی آبدست کر لیا کرو انتہیٰ۔ بعض روایات میں جو وارد ہے کہ اوائل اسلام میں آبدست نہیں کیا جاتا تھا اُس کی علت آپ نے بیان کر دی اور چونکہ وہ علت آپ کے زمانہ میں موجود نہ تھی اِسلئے حکم دیا کہ اب پانی سے آبدست کی ضرورت ہے۔

---

قرآن شریف میں ہے واقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم۔ یعنی مشرکوں کو جہاں پاؤ

قتل کرڈالو ظاہر ہے کہ یہ حکم عام ہے اس سے نہ بوڑھے خارج ہوسکتے ہیں نہ عورتیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اُن کو قتل کرنے کی علت یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں اور ضرر پہنچاتے ہیں اور بوڑھوں اور عورتوں اور بچوں اور درویشوں میں وہ علت نہیں پائی جاتی اسلئے اُنکے قتل کرنے سے منع فرمادیا۔ چنانچہ ابن تیمیہ رح نے منتقی الاخبار میں اس مضمون کی روایتیں ذکر کی ہیں۔ اُس کی شرح نیل الاوطار میں قاضی شوکانی رح نے لکھا ہے کہ اصحاب صوامع کے باب میں جو حدیث وارد ہے ہرچند اسکی اسناد میں کلام ہے لیکن صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ مشرکوں کے لڑکوں اور عورتوں کا قتل جائز نہیں اور وہی علت اصحاب صوامع میں موجود ہے۔ اُس وجہ سے اسکی تائید ہوگئی اور چونکہ وہی علت اپاہجوں اور اندھوں میں بھی پائیجاتی ہے اسلئے قیاس سے اُن کا بھی قتل جائز نہ ہوا اور چونکہ قتل کی علت مسلمانوں کی ضرر رسانی ہے اسلئے اگر عورت بھی مسلمانوں کو قتل کرنا چاہے تو وہ بھی قتل کیجائیگی حالانکہ عورتوں کا قتل صحیح حدیث سے ممنوع ہے نیل الاوطار کی عبارت یہ ہے قولہ ولا اصحاب الصوامع

فیہ دلیل علی انہ لایجوز قتل من کان متخلیا للعبادۃ من الکفار کالرھبان لاعراضہ عن ضرر المسلمین والحدیث وان کان فیہ المقال المتقدم لکنہ معتضد بالقیاس علی الصبیان والنساء بجامع عدم النفع والضرر وھو المناط ولھذا لم ینکر صلی اللہ علیہ وسلم علی قاتل المراۃ التی ارادت قتلہ ویقاس علی المنصوص علیھم بذلک الجامع من کان مقعدا او اعمی اونحو ھما ممن لایرجی نفعہ ولاضرہ علی الدوام

دیکھئے قاضی شوکانی رح نے کس وضاحت سے بیان کیا ہے کہ علت پر حکم کا مدار ہے کہ جہاں علت پائیجائے حکم بھی پایا جائیگا۔ گو اُس ظاہر حدیث سے

اُس حکم کا اثبات نہ ہوتا ہو اور جہاں علت نہ پائی جائے حکم بھی ثابت نہو گا
گو ظاہر حدیث سے اُس کا ثبوت معلوم ہوتا ہو وعن سالم عن ابیہ قال بعث النبی
صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن الولید الی بنی خذیمۃ فدعاہم الی الاسلام فلم یحسنوا
ان یقولوا اسلمنا فجعلوا یقولون صبانا فجعل خالد یقتل منہم ویاسر ودفع الی کل رجل
منا اسیرہ حتیٰ اذا کان یوم امرنا خالد ان یقتل کل رجل منا اسیرہ فقلت واللہ
لا اقتل اسیری ولا یقتل رجل من اصحابی اسیرہ حتیٰ قدمنا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فذکرناہ لہ فرفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدہ فقال اللّٰھم انی ابرا الیک مما صنع خالد
مرتین رواہ البخاری یعنی ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد
ابن ولید کو قبیلہ بنی خذیمہ کی طرف بھیجا انہوں نے ان لوگوں کو اسلام
کی طرف بلایا۔ مگر ان لوگوں نے صاف طور پر نہیں کہا کہ ہم اسلام لائے
بلکہ یہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے دین کو چھوڑ کر نیا دین قبول کیا خالد نے
اس کا اعتبار نہ کر کے اُن کو قتل اور گرفتار کرنا شروع کیا چنانچہ ہر ایک
شخص کی تحویل میں ایک ایک قیدی دیا اور ایک روز حکم کیا کہ ہر شخص اپنے
اپنے قیدی کو قتل کر ڈالے میں نے کہا کہ میں ہرگز اپنے قیدی کو قتل نکرونگا
اور نہ میرے رفقا قتل کرینگے جب ہم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور وہ واقعہ بیان کیا تو سُنتے ہی آپ ہاتھ اُٹھا کر بارگاہ کبریائی میں عرض
کرنے لگے کہ الٰہی خالد نے جو کیا ہے میں اس سے بری ہوں اور یہ
اس جملہ کو دوبارا دا کیا۔

خالدؓ نے لفظ صبانا کو عرف عام کے مطابق خیال کیا کہ وہ صابی بننے کی خبر

دے رہے ہیں جو اُس زمانہ میں خاص فرقہ تھا جیسا کہ اِس آیہ شریفہ سے ظاہر ہے۔ اِنّ الّذین آمنوا والّذین ھادوا والصابئین والنصاریٰ۔ اور ابن عمرؓ نے دیکھا کہ صبانا کے لغوی معنی یہ ہیں کہ ہم نے اپنا دین چھوڑ کر دوسرے دین کو اختیار کیا اور بقرینہ مقام اجتہاد سے کام لیکر یہ سمجھا کہ اُن کا مقصود قبول اسلام ہے اسلئے اُن کا قتل ناجائز خیال کیا اور اسی اجتہاد کی طرفداری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کی اور خالدؓ نے جو اجتہاد کو ترک کیا اُس سے ناراضی ظاہر کی۔ اب اِس اجتہاد کی قوت دیکھئے کہ باوجودیکہ ابن عمرؓ جانتے تھے کہ امیر کی اطاعت واجب ہے۔ مگر اپنے اجتہاد کے مقابلہ میں اُس کو ضرور نہ سمجھا اور اس مقام میں دوسرا اجتہاد یہ کیا کہ اجتہادی حکم کسی نص کے معارض ہو بھی تو اجتہاد ہی کو ترجیح ہوگی جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ لڑنے والی عورت بھی قتل کی جائے باوجودیکہ عورتوں کا قتل نص سے ممنوع ہے پھر ان دونوں اجتہادوں کو موجودہ صحابہ نے مان بھی لیا۔

کنز العمال میں زاذان رح سے روایت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں ایکبار حاضر تھے آپنے فرمایا کہ امیر المومنین عمرؓ نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر مرد عورت کو طلاق کا اختیار دے تو اسکا کیا حکم ہے میں نے کہا اگر وہ اپنے نفس کو اختیار کرے تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور اگر زوج کو اختیار کرے تو بھی ایک طلاق ہوگی مگر زوج کو حق رجعت ہوگا عمرؓ نے کہا ایسا نہیں ہے بلکہ اُس نے اگر زوج کو اختیار کرلیا تو طلاق نہ ہوگی اور اگر اپنے نفس کو اختیار کیا تو ایک ہوگی۔ اور مرد کو حق رجوع ہوگا۔

پھر فرمایا جب تک امیر المومنین زندہ تھے میں نے اُن کی مطابعت کی اور
جب امر خلافت مجھ سے متعلق ہوا تو میں اپنی رائے کے مطابق حکم دیتا ہوں
اسلئے کہ میں جانتا ہوں کہ فروج کے معاملہ میں مجھ سے سوال ہوگا انتہی۔
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجتہد کو ضرور ہے کہ اپنی رائے کے مطابق
عمل کرے اور دوسرے مجتہد کی تقلید نہ کرے۔
اب غور کیا جائے کہ قرآن وحدیث سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ احکام میں
علّت ملحوظ ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جہاں علّت پائی جائے قیاس
سے حکم بھی ثابت کیا جاتا ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رائے
اور قیاس کی تحسین کی۔ بلکہ خود نے قیاس کا طریقہ بتلایا اور صحابہ اور سلف صالح
اسی طریقہ کی اتباع کرکے بحسب ضرورت قیاس کرتے رہے تو اسکے
بعد یہ کہنا کہ قیاس جائز نہیں ہرگز قابل التفات نہیں ہو سکتا۔
مانعین قیاس کی دلیل یہ ہے کہ آیات واحادیث میں علّت حکم تو مذکور ہوتی
نہیں اوسکو رائے سے معیّن کرنا جس میں خطا اور غلطی کا احتمال ہے۔
اور اُس سے حلت وحرمت جو خالص حق اللہ ہے ثابت کرنا۔ اور صرف
احتمالی طور پر ثابت کی ہوئی چیز میں اطاعت خدا اور رسول کو خیال کرنا عقلاً
ہرگز جائز نہیں۔
یہاں قابل غور یہ بات ہے کہ رائے اور قیاس کا ابطال صرف رائے
سے کیا جارہا ہے جس کو آیات واحادیث رد کر رہے ہیں حیرت یہ ہے
کہ جس چیز کا انکار جس دلیل سے کر رہے ہیں اُسی سے اُس کا اقرار ہو رہا ہے

حرور یہ حضرت علی کرم اللہ وجہ اور صحابہ پر مخالفت قرآن کا الزام لگاتے تھے اور خود مرتکب ایسے امور کے ہوتے تھے جو سراسر مخالف قرآن وحدیث ہیں۔ ظاہرا انہوں نے کمال احتیاط اور تشدد فی الدین کا مسلک اختیار کیا تھا مگر وہ بالکل خدا اور رسول کی مرضی کے مخالف تھا۔

ان حضرات نے جس قدر تشدد دین میں کر رکھا ہے خوارج اس باب میں اُن سے بھی بڑھے ہوئے تھے چنانچہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو صرف اس وجہ سے کہ آپ نے حکم مقرر فرمایا تھا معاذ اللہ کافر حلال الدم قرار دیا اور یہ دلیل پیش کی کہ حکم کرنا خاص خدائے تعالیٰ کا کام ہے۔

تقریر بالا سے ظاہر ہے کہ صحابہ کے زمانہ سے اجتہاد جاری رہے اور فقہا محدثین میں ممتاز رہے اور فقہ نہایت عزت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی کیوں نہ ہو فقہ کی ترغیب و تحریص میں کئی حدیثیں وارد ہیں جن میں سے تھوڑی اوپر ذکر کی گئیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں امام ذھبی رح نے حافظ محاملی رح کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے مکان میں فقہ کی مجلس قائم کی جس میں اہل علم جمع ہوا کرتے تھے۔ محمد ابن حسین کہتے ہیں کہ میں نے انہی دنوں خواب دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے کہ خدائے تعالیٰ محاملی کی وجہ سے اہل بغداد سے بلا کو دفع کرتا ہے۔ دیکھئے اس واقعہ کو محدثین نے نقل کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اہل انصاف محدثین فقہ کے ہرگز مخالف نہ تھے۔ غرضکہ فقہ کی ضرورت ہر زمانہ میں محسوس رہی اور ہر برا ؤ فقہ محدثین قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط اور استخراج کرتے رہے

امام ابو حنیفہ رح نے دیکھا کہ جب تک اُس کے قواعد نہ مُقرر کیئے جائیں فقہ کی بنیاد مُستحکم نہیں ہوسکتی اسلیئے قرآن و حدیث اور صحابہ کے طریقۂ عمل اور لغت وغیرہ سے مدد لیکر اُسکے قواعد اور اصول مقرر کیئے جس سے فن اصول فقہ مدوّن ہوا۔ اور اُن کے ذریعہ سے قرآن و حدیث سے مسائل استنباط کیئے جس سے فقہ مدوّن ہوئی۔

خ۔ پہلے پہل جس نے فقہ کو مدوّن کیا اور ابواب اور کتب کی ترتیب دی وہ ابو حنیفہ ہیں۔ امام مالک نے موطا میں اُسی کی اتباع کی پیشتر صرف اپنے حفظ پر اعتماد کیا کرتے تھے۔

ک ابو معاویہ ضریر کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ نے علم کے طریقہ کی بنیاد ڈالی ایسا کون شخص ہے جو اُنکے مبلغ علم تک پہونچا ہو۔ اور کس کو وہ راہ ملی تھی جو اُن کو ملی تھی۔ خدا تعالیٰ کی اُنپر منت تھی۔

ک۔ ت ح۔ نضر ابن شمیل کہتے ہیں کہ لوگ فقہ سے خواب غفلت میں تھے ابو حنیفہ رح نے اُن کو بیدار کر دیا۔

ک۔ نضر ابن محمد کہتے ہیں کہ میرے گمان غالب میں یہی ہے کہ ابو حنیفہ رحمت پیدا کیئے گئے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو بہت سا علم کم ہو جاتا۔

ت ح۔ امام مالک رح فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح کو فقہ کی توفیق دی گئی جس سے اُنپر اُس کی مشقت نہ رہی۔

م۔ ک۔ یحییٰ ابن آدم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح نے فقہ میں ایسا اجتہاد اور کوشش کی کہ اُنسے پہلے کسی نے نہیں کی تھی اسلیئے خدا تعالیٰ نے

اُن کو اُس کا راستہ دکھلا دیا اور اُس کا طریقہ آسان کر دیا اور خاص و عام نے اُنکے علم سے نفع اُٹھایا۔

ص ۔ک۔ عبد اللہ ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ اگر ابو حنیفہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے یعنی جو تبحر علمی اُن کو اب ہے اگر تابعین کے زمانہ میں ہوتا تو تابعین بھی اُن کی طرف محتاج ہوتے۔

م ۔ ص ۔ک۔ ابو عصمہ لکھتے ہیں جو شخص ابو حنیفہ رح سے بے پروائی کرے وہ جاہل ہے مطلب یہ کہ ہر عالم اُن کے علم کی طرف محتاج ہے۔ اِس احتیاج کی یہی وجہ تھی کہ اُس وقت تک اجتہاد کے قواعد ایجاد نہیں ہوئے تھے امام صاحب نے اُس کا بار اپنے ذمہ لیکر محدّثین کو ممنون کیا جسکا حال انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ معلوم ہوگا۔

توالی التاسیس میں ابن حجر عسقلانی رح نے لکھا ہے کہ حاکم نے لکھا ہے کہ میں جہاں تک جانتا ہوں اُس میں خلاف نہیں کہ امام شافعی ۱۵۰ھ ایک سو پچاس ہجری میں پیدا ہوئے اور یہ وہی سن ہے جس میں ابو حنیفہ رح کا انتقال ہوا جس میں یہ اشارہ ہے کہ امام شافعی رح ابو حنیفہ رح کے فن میں اُن کے جانشین ہوں گے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ محدّثین نے بھی امام شافعی رح کو امام صاحب کا خلیفہ قرار دیا اور صدارت فقہ امام صاحب ہی کو مسلم رکھی چونکہ امام صاحب گویا موجد فن فقہ ہیں۔ اِسلئے اُن کا تھوڑا سا حال معلوم کر لینا مناسب ہے۔

اگرچہ یہاں امام صاحب کے فضائل بیان کرنے سے مقصود دوسرا ہے مگر یہ بات معلوم رہے کہ آپکے فضائل کا نفس بیان بھی فائدہ سے خالی نہیں جیسا کہ

اِس روایت سے ظاہر ہے ۔

م ۔ص ۔ک ۔ عبدالوہاب مروزی کہتے ہیں کہ جب شقیق بلخی رح مکہ معظمہ کو آئے تو ہم اُن کے مجلس میں اکثر جایا کرتے اونکی عادت تھی کہ ابو حنیفہ رح کی تعریفیں کثرت سے کیا کرتے ایکبار ہم نے کہا حضرت کب تک اُن کی تعریف و توصیف کروگے ۔ ایسی باتیں بیان کیجئے جس سے ہمیں کچھ نفع ہو فرمایا افسوس ہے کہ تم لوگ ابو حنیفہ کے ذکر کو اور اُن کے مناقب کو افضل الاعمال نہیں سمجھتے اگر اُن کو دیکھتے اور اُن کے ساتھ بیٹھتے تو یہ بات کبھی نہ کہتے ۔

م ۔ص ۔ک یحیٰی ابن آدم رح کہتے ہیں کہ شعبہ کے روبرو جب ابو حنیفہ رح کا ذکر آتا تو تعریف و توصیف میں بہت اطناب کرتے حالانکہ امام صاحب کے وہ استاد تھے ۔

م ۔ص ۔ محمد ابن قاسم کہتے ہیں کہ یاسین زیات رح امام صاحب کی تعریف حد سے زیادہ کرتے جب کبھی اُن کا ذکر آتا تو دیر تک ذکر کرتے اور خاموش رہنا نہیں چاہتے تھے ۔

اب ہم چند اکابر محدثین کے اسمائے گرامی ان کتابوں سے نقل کرتے ہیں ۔ مناقب امام اعظم رح مولفۂ امام موفق اور مناقب کردری رح اور الانتصار لامام آئمۃ الامصار مولفۂ ابی المظفر یوسف بن عبداللہ سبط ابن الجوزی رح اور تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ مولفۂ امام سیوطی رح اور الخیرات الحسان مولفۂ شیخ ابن حجر مکی رح جنھوں نے امام صاحب کے علم و فضل و ذہن و ذکاوت قوت حافظہ فقاہت اور ورع و تقویٰ وغیرہ کمالات کی تعریفیں کی ہیں ۔

ان حضرات کے اقوال تو موقع موقع پر ذکر کئے جائیں گے۔ مگر یہاں صرف یہ بتلانا منظور رہے کہ جن کی تعریفیں اتنے اکابر دین نے کی ہوں جن کی روایتوں پر کل صحاح کا مدار ہے ) اُن کی توہین اس آخری زمانہ کا کوئی مولوی کرے تو وہ کیونکر قابل التفات ہو ہمیں اس موقع میں توہین کرنے والوں کی شکایت بھی مقصود نہیں اسلئے کہ اِس زمانہ کا مقتضیٰ اسی قسم کے امور کا ظہور و شیوع ہے کیونکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی پیشین گوئی فرما چکے ہیں کہ آخری زمانہ میں لوگ پچھلے زمانہ والوں پر لعنت کرینگے بے دینی پھیل جائیگی علم کم ہو جائے گا ہر شخص اپنی رائے پر نازاں ہوگا اگر ایسے لوگ نہ ہوں تو خیر القرون اور آخری زمانہ میں فرق کیونکر ہو سکے حالانکہ فرق ضروری ہے غرضکہ ہر شخص اپنا وظیفہ ادا کرتا ہے ۔ بلکہ ہمیں یہاں اپنے ہم مشربوں کو یہ معلوم کرا دینا منظور رہے کہ مخالفوں کی تقریریں سُننے اور دیکھنے سے جو وساوس شیطانی پیدا ہوں اُن کے دفعیہ میں ان بزرگان دین کے اقوال سے اصول کا کام لیں ۔ اور اعتقاد میں تزلزل کو آنے نہ دیں وما توفیقنا الا باللہ ۔

## اسمائے گرامی مداحین امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

ابراہیم ابن طہمان رح ) تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رح نے لکھا ہے کہ وہ پانچویں طبقہ میں ہیں ۔ عبداللہ ابن مبارک اور حفص ابن عبداللہ وغیرہ کے اُستاد اور ابو حنیفہ رح وغیرہ کے شاگرد ہیں اور خلاصہ تہذیب التہذیب کمال میں لکھا ہے کہ صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں ۔

احمد ابن بشیر) تہذیب التہذیب میں شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رح نے لکھا ہے کہ وہ ابو موسیٰ اور محمد ابن سلام وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں بخاری ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

امام احمد ابن حنبل رح) تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ وہ طبقہ ہشتم میں ہے اور امام بخاری اور مسلم اور ابو داؤد وغیرہ کے استاد ہیں۔ خلاصہ تذہیب التہذیب میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ مذاہب حقہ میں ایک مذہب کے آپ موجد ہیں بہت سے محدثین اور اولیاء اللہ آپکے مقلد ہیں

ابو الاحوص سلام ابن سلیم رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ سادسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ مسدد اور قتیبہ اور خلف وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور خلاصہ تذہیب التہذیب مذکور میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں انکی روایتیں موجود ہیں

اسباط ابن نصر رح) خلاصہ مذکور میں لکھا ہے کہ وہ عمرو ابن حماد کے استاد ہیں اور سوائے بخاری کے مسلم وغیرہ کتب صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں

اسرائیل ابن یونس رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ عبد الرحمٰن بن مہدی اور ابو نعیم وغیرہ کے استاد ہیں اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

اعمش رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ رابعہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ شعبہ اور دونوں سفیان اور وکیع وغیرہ کے استاد ہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

اوزاعی رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ شعبہ

اور ابن مبارک اور یحییٰ قطان وغیرہ کے استاد ہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

بکر ابن خنیس رح) تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ ابراہیم ابن طہمان اور ابوالنصر وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور اُن کی روایتیں ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

بکیر ابن معروف رح) تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ ابوحنیفہ رح کے شاگرد اور ولید ابن مسلم وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور اُن کی روایتیں مراسیل ابوداؤد میں مذکور ہیں۔

ابونمیلہ یحییٰ ابن واضح رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام احمد رح وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

ابن جریح رح) تذکرۃ الحفاظ میں ان کو طبقہ خامسہ میں ذکر کرکے لکھا ہے کہ وہ دونوں سفیان اور مسلم بن خالد اور ابن عیینہ اور ابو عاصم اور روح اور وکیع رح وغیرہم کے استاد ہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

جریر ابن حازم رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کرکے لکھا ہے کہ وہ ایوب سجستانی اور دونوں سفیان اور ابن وہب اور ابوالربیع زہرانی وغیرہ کے استاد ہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

جریر ابن عبدالحمید رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ سادسہ میں ذکر کرکے لکھا ہے

کہ وہ ابن مدینی اور اسحٰق وقتیبہ وغیرہ کے استاد ہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ کُل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

امام جعفر صادق رضہ) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کرکے لکھا ہے کہ وہ امام مالک اور دونوں سفیان اور یحییٰ قطان اور ابو عاصم نبیل کے استاد ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رح کا قول نقل کیا ہے کہ اُنسے افقہ میں نے نہیں دیکھا۔

ابوالجویریہ حطان ابن خفاف رح) تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ ابن عباسؓ کے شاگرد اور اسرائیل اور شعبہ وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں بخاری ابوداؤد اور نسائی میں مذکور ہیں۔

حسن ابن صالح رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کرکے لکھا ہے کہ وہ وکیع اور یحییٰ ابن آدم اور یحییٰ ابن فضل وغیرہ کے استاد ہیں خلاصہ میں لکھا ہے کہ سوائے بخاری کے مسلم وغیرہ صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

حسن ابن عرفۃ العبدی رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

حسن ابن عمارہ رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ دونوں سفیان اور قطان وغیرہ کے استاد ہیں اور اُنکی روایتیں بخاری شریف کے تعلیقات اور ابوداؤد اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

حماد بن سلمہ رح) تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ ابن جریج اور ثوری اور شعبہ کے استاد ہیں۔ اور اُن کی روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

حفص ابن عبدالرحمن رح) تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ ابوداؤد طیالسی اور یحییٰ ابن اکثم وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں ابوداؤد کی کتاب القدر میں اور نسائی میں مذکور ہیں۔

حفص ابن غیاث رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ سادسہ میں ذکر کرکے لکھا ہے کہ وہ احمد اور اسحٰق اور علی ابن مدینی اور ابن معین رح کے استاد ہیں اور تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

ابوحمزۃ السکری محمد بن میمون رح) تذکرۃ الحفاظ میں طبقہ خامسہ میں اُنکا ذکر کرکے لکھا ہے کہ وہ ابن مبارک وغیرہ کے استاد ہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

حماد ابن زید رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ثوری اور ابن مہدی وغیرہ کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

خارجہ ابن مصعب رح) تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ مالک اور ابوحنیفہ رح کے شاگرد اور سفیان ثوری اور عبدالرحمن ابن مہدی اور وکیع وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

خلف ابن ایوب رح) تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ احمد اور ابوکریب وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں ترمذی میں مذکور ہیں۔

داؤد طائی رح) چونکہ ہمہ تن آپ کی توجہ علوم روحانیہ کی طرف مبذول تھی اور علم حدیث میں اشتغال کم تھا اسلئے محدثین نے آپ کے نسبت کچھ کلام کیا ہے لیکن حضرات صوفیہ میں آپ کی جلالت شان اظہر من الشمس ہے۔

ابوداؤد جعفری عمرو بن سعد رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام احمد بن حنبل و اسحٰق اور ابن مدینی رح کے استاد ہیں اور سوائے بخاری کے کل صحاح میں انکی روایتیں موجود ہیں۔

ابوداؤد سجستانی رح) آپ کی جلالت شان اس سے ظاہر ہے کہ آپ کی تصنیف صحاح ستّہ میں ایک مقبول کتاب ہے۔ تذکرۃ الحفاظ میں آپ کو نویں طبقہ میں لکھا ہے۔

رقبۃ ابن مصقلہ رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ سلیمان تیمی اور ابو عوانہ وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور اُن کی روایتیں بخاری مسلم ابوداؤد و ترمذی اور نسائی میں موجود ہیں۔

روح ابن عبادہ رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ احمد اور اسحٰق وغیرہ کے اُستاد ہیں۔ اور کل صحاح ستّہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

زہیر ابن معاویہ رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں لکھ کر کہا کہ وہ احمد ابن یونس اور ابونعیم وغیرہ کے استاد ہیں خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی حدیثیں کل صحاح ستّہ میں موجود ہیں۔

ابوالزبیر المکی رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ رابعہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ ایّوب اور شعبہ اور سفیان اور حماد ابن سلمہ اور مالک اور لیث کے اُستاد ہیں اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستّہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں

زید ابن علی رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ آپ زہری اور زکریا اور ابن ابی زائدہ کے اُستاد ہیں۔ اور صحابہ کے ایک جماعت کو آپنے دیکھا ہے اور ترمذی وغیرہ میں

آپ کی روایتیں موجود ہیں۔

سعید ابن ابی عروبہ رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ بشر ابن المفضل و ابن علیہ و غندر و یحییٰ ابن سعید و روح ابن عبادہ وغیرہ کے استاد ہیں اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

سفیان ثوری رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ ابن مبارک اور یحییٰ قطان اور وکیع اور احمد ابن یونس وغیرہ کے اُستاد ہیں خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

سفیان ابن عیینہ رح) تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ وہ ابن مبارک اور ابن مہدی اور امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل اور یحییٰ بن معین اور اسحٰق وغیرہ کے اُستاد ہیں۔ اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

سوید ابن سعید رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُنکی روایتیں مسلم اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

امام شافعی رح) آپ کی جلالت شان اظہر من الشمس ہے مذاہب حقہ ایک مذہب کے موجد آپ ہیں بڑے بڑے محدثین اور اولیاء اللہ آپ کے مذہب میں داخل اور آپ کی فقہ پر عامل ہیں۔ آپ کا مذہب شام۔ مصر۔ عراق۔ یمن فارس۔ اور ہند وغیرہ کے اکثر بلاد میں شائع و ذائع ہے۔ آپ کے مناقب میں کتابیں بکثرت لکھی گئیں۔ تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے کہ ابو حسان زیادی کہتے ہیں کہ امام محمد رح کو میں نے کسی عالم کی تعظیم اس قدر کرتے نہیں دیکھا

جو امام شافعی رح کی تعظیم کرتے تھے۔

شریک ابو عبداللہ النخعی رح ) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ قتیبہ و علی ابن حجر او رہناد بن السری وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

شعبہ رح ) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ ایوب سجتانی اور سفیان ثوری اور غندر وغیرہ کے استاد ہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

شقیق بلخی رح ) نفحات الانس میں مولانا جامی رح نے لکھا ہے کہ آپ اولیاء اللہ کے پہلے طبقہ میں ہیں اور امام زفر رح کے شاگرد اور حاتم اصم کے استاد تھے

ابو شیخ رح ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ یہیں اور قتادہ رح کے استاد ہیں اور اُنکی روایتیں ابو داؤد اور نسائی میں موجود ہیں۔

ابو ضمرہ انس بن عیاض رح ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ احمد اور قعنبی اور احمد بن صالح وغیرہ کے اُستاد ہیں۔ اور اُن کی روایتیں صحاح ستہ میں ہیں۔

ابو عاصم النبیل جنکا نام ضحاک رح ہے ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ بخاری وغیرہ کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عبثر رح ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ خلف ابن ہشام و احمد ابن یونس اور قتیبہ وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُنکی روایتیں موجود ہیں۔

عبداللہ ابن داؤد الخریبی رح ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ نصر ابن الحارث و مسدد و ابو بندار وغیرہ کے اُستاد ہیں اور اُنکی روایتیں سوائے مسلم کے بخاری وغیرہ صحاح

موجود ہیں۔
عبداللہ ابن مبارک رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ سادسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے
کہ وہ دونوں سفیان اور معتمر اور بقیہ اور ابن مہدی وغیرہ کے استاد ہیں
اور صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں انشاء اللہ تعالیٰ اُن کا تفصیلی
حال آیندہ لکھا جائیگا۔
عبداللہ ابن یزید مقری رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ سابعہ میں ذکر کر کے
لکھا ہے کہ وہ ابوحنیفہ وغیرہ کے شاگرد اور امام بخاری وغیرہ کے استاد ہیں
اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ ابن مالک اور یحییٰ ابن کثیر کے بھی وہ استاد ہیں۔
عبداللہ ابن نمیر رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ سادسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ
وہ امام احمد وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ
میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
عبدالرحمن المسعودی رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے
کہ وہ ابن مبارک اور ابن عیینہ اور عبدالرحمن ابن مہدی وغیرہ کے استاد
ہیں اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں بخاری ابوداؤد ترمذی نسائی
اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔
عبدالرحمن بن مہدی رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابن مبارک اور امام احمد وغیرہ
کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔
عبدالعزیز ابن ابی رزمہ رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں ابوداؤد اور ترمذی
میں موجود ہیں۔

عبد العزیز ابن ابی رواد رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ یحیٰی ابن قطان وغیرہ کے استاد ہیں اور ان کی روایتیں سوائے مسلم کے صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

عثمان المدنی رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ثوری رح وغیرہ کے استاد ہیں اور صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عطار ابن ابی رباح رح) تذکرۃ الحفاظ میں ان کو طبقہ ثالثہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ ابو حنیفہ اور ابن جریج وغیرہ کے استاد ہیں اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ ان کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

عفان بن سیار رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ ان کی روایتیں نسائی میں موجود ہیں۔

علقمہ ابن مرثد رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ مسعر اور شعبہ اور ثوری رح وغیرہ کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

علی ابن عاصم رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام احمد وغیرہ کے استاد ہیں اور ان کی روایتیں ابو داؤد و ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

عمرو ابن حماد رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ مسلم ابو داؤد اور نسائی وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عمرو بن دینار رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ قتادہ و شعبہ اور دونوں سفیان رح وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

علی ابن موسیٰ رضا رضہ) آپ آئمہ اہل بیت میں ہیں جلالت شان آپ کی اظہر من الشمس ہے

ابن عون عبد اللہ رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ شعبہ اور ثوری اور قطان رح وغیرہ کے استاد ہیں اور ان کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

فضل ابن دکین رح ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام احمد و اسحٰق اور یحییٰ بن معین کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

فضل ابن سوید رح ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ ابو داؤد نے کتاب القدر میں اُن کی روایتیں لکھی ہیں۔

فضل ابن عطیہ رح ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

فضل ابن موسیٰ سینانی رح ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ اسحٰق وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

فضیل ابن عیاض رح ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ سفیان ثوری اور سفیان ابن عیینہ اور ابن مبارک اور یحییٰ قطان اور سری السقطی رح وغیرہ کے استاد ہیں اور بخاری مسلم ابو داؤد ترمذی اور نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں ابن مبارک کہتے ہیں کہ جتنے لوگوں کو میں نے دیکھا ہے اُن سب سے وہ اورع تھے۔

قاسم ابن معین رح ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابن مہدی اور ابو نعیم وغیرہ کے اُستاد ہیں۔ اور ابو داؤد اور نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

قبیصہ ابن عقبہ ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ بخاری وغیرہ کے اُستاد ہیں اور صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں ہیں۔

قیس ابن الربیع رح ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ شعبہ اور ثوری رح وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

ابن ابی لیلےٰ محمد ابن عبد الرحمٰن رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں لکھا ہے
اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ شعبہ اور دونوں سفیان اور وکیع رح وغیرہ کے استاد
ہیں اور اُن کی روایتیں ابو داؤد ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔
لیث ابن سعد رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابن مبارک وغیرہ کے اُستاد
ہیں اور وہ امام مالک رح سے بھی افقہ تھے اور کل صحاح ستہ میں اُنکی
روایتیں موجود ہیں۔
امام مالک رح) آپ کی جلالت شان محتاج بیان نہیں آپ ایک مذہب حقہ
کے موجد ہیں اکثر محدثین اور اولیاء اللہ آپ کے مقلد ہیں بہت سے
بلاد اسلامیہ میں اُنکی فقہ رائج ہے۔
مالک ابن مقول) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ شعبہ اور دونوں سفیان وغیرہم
کے استاد ہیں اور صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں ہیں۔
محمد ابن طلحہ بن مصرف رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابن مہدی اور ابو نعیم وغیرہ
کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں بخاری مسلم ابو داؤد ترمذی وغیرہ میں
موجود ہیں۔
محمد ابن مسلم رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابن مہدی و عبد الرزاق اور قتیبہ
وغیرہ کے استاد ہیں صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
مخلد ابن یزید رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام احمد اور اسحٰق رح وغیرہ کے استاد ہیں
اور سوائے ترمذی کے بخاری وغیرہ کتب صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں
مسعر ابن کدام رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں لکھا ہے۔ اور خلاصہ میں

لکھا ہے کہ وہ سلیمان تیمی و ابن اسحق و شعبہ اور ثوری رح وغیرہ کے استاد ہیں۔
اور اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

مسلم ابن خالد الزنجی رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام شافعی اور ابن وہب رح وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں ابوداود اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

معافی ابن عمران الموصلی رح) تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ بشر حافی رح وغیرہ کے استاد ہیں سفیان ثوری رح اُن کو یاقوتۃ العلما کہا کرتے تھے۔ اوزاعی رح کا قول ہے کہ معافی موصلی اور ابن مبارک اور موسیٰ ابن اعین آئمہ ہیں مگر موصلی پر میں کسی کو مقدم نہیں کرتا۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں بخاری ابوداود اور نسائی میں موجود ہیں۔

معمر رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ سفیان ثوری اور ابن مبارک وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

مقاتل ابن حیان رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابراہیم ابن ادہم اور ابن مبارک وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور سوائے بخاری کے مسلم وغیرہ کتب صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

مکی ابن ابراہیم رح) تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ امام جعفر صادق اور ابو حنیفہ وغیرہ کے شاگرد اور امام بخاری رح وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

موسیٰ کاظم رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ آپ امام جعفر صادق کے فرزند اور علی رضا کے والد ہیں۔ اور آپ کی روایتیں ترمذی اور ابن ماجہ میں مذکور ہیں۔

نضر ابن شمیل رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ یحیی ابن یحیی اور اسحٰق کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

نضر ابن محمد رح) خلاصہ میں اس نام کے دو محدث ہیں دونوں کی روایتیں صحاح میں ہیں۔

نوح ابن ابی مریم ابو عصمہ رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ زہری اور ثابت کے شاگرد ہیں اور علی ابن الحسین اور ابونعیم ابن حماد کے استاد ہیں ابوداؤد نے کتاب القدر میں اور ابن ماجہ نے تفسیر میں اُن کی روایتیں ذکر کی ہیں

وکیع ابن الجراح رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ احمد و اسحٰق اور ابن معین رح وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

ہرون ابن مغیرہ رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابن معین رح وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں ابوداؤد اور ترمذی میں موجود ہیں۔

ہشام ابن یوسف رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ اسحٰق اور ابن مدینی وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور سوائے مسلم کے بخاری وغیرہ کل کتب صحاح میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

ابویحیی الحمانی رح جنکا نام عبدالحمید ابن عبدالرحمٰن ہے) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابوکریب وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور بخاری ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

یحیی ابن آدم رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام احمد و اسحٰق اور ابن مدینی رح وغیرہ کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

یحییٰ ابن اکثم رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں ترمذی وغیرہ میں ہیں
یحییٰ ابن فضل رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُنکی روایتیں ابوداؤد اور ابن ماجہ میں موجود ہیں
یحییٰ ابن قطان رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ شعبہ اور ابن مہدی اور احمد ابن حنبل وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں
یحییٰ ابن معین رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ بخاری اور مسلم اور ابوداؤد وغیرہ کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
یزید ابن ابراہیم رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُنکی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں
یزید ابن ہرون رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام احمد اور اسحٰق اور ابن مدینی رح وغیرہ کے استاد ہیں اُن کی مجلس میں ستر ہزار شخص تک جمع ہوے ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
یزید ابن زریع رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابن المدینی اور محمد ابن المنہال رح وغیرہ کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
یوسف ابن خالد رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں ترمذی میں موجود ہیں اُن کے سوا تبیض الصحیفہ وغیرہ میں مداحین امام صاحب کے اور بھی بہت سے نام ہیں۔ چنانچہ منجملہ اُن کے چند نام یہ ہیں۔
ابراہیم ابن معویۃ النصریر۔ اسمعیل ابن حماد۔ ابوامیہ جزری۔ اسرائیل ابن زیادہ ابوبکر ابن عباس۔ بحر السقا۔ توبہ ابن سعد۔ جعفر ابن زبیع۔ جریر ابن معاویہ۔ جعفر ابن ربیع حازم۔ حسن بن زیاد۔ حیان التوحیدی۔ ریاح ابن ابی نصر۔ ابوسفیان الحمری سہل بن مزاحم۔ سعدان بن سعید۔ شداد بن حکیم۔ عبدالعزیز ابن ابی سلمہ۔ عبداللہ ابن اسحٰق

ابو عمر ابن العلا۔ علی ابن اسحٰق الحنظلی۔ علیٰی بن یونس۔ عمران ابن محمد۔ ابو غانم کنانتہ الہروی۔ لیث ابن نصر۔ ابو معویۃ الضریر۔ معروف ابن حسان۔ مقاتل ابن سلیمان ابو معاذ البلخی۔ مغیرۃ ابن قاسم۔ نوح ابن اسد۔ یحیٰی ابن سعید۔ یاسین الزیات۔ یحیٰی ابن ابی کثیر وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔

تذکرۃ الحفاظ میں امام اعظم رح کو پانچویں طبقہ میں اور امام بخاری رح کو نویں طبقہ میں لکھا ہے اور آپ نے دیکھ لیا کہ امام صاحب کی مدح وثنا تیسرے ہی طبقہ سے شروع ہو گئی۔ اور نویں طبقہ تک ہر طبقہ کے اکابر محدثین برابر آپ کے مداح رہے اور محدثین بھی کیسے کہ اگر ان کی اور ان کے شاگردوں کی روایتوں کو علحدہ کردیں تو صحاح ستہ میں بجائے شمار احادیث صفر رہجائیگا۔

دیکھنے کو تو یہ حضرات سو سوا ہیں جن کے نام لکھے گئے۔ مگر انکے شاگردوں کا حساب کیا جائے تو آسانی سے نہ ہو سکیگا۔ اِسلئے کہ اُس زمانہ میں ایک ایک محدث کے صدہا سربرآوردہ شاگرد ہوا کرتے تھے پھر مداحوں کا انحصار انہی میں نہیں۔ آیندہ یہ بات معلوم ہو گی کہ امام صاحب کے حلقہ درس میں ہر ملک و دیار سے جوق جوق محدثین آکر مستفید ہوا کرتے تھے غرضکہ جب یہ حضرات امام صاحب کے حالات اپنے ذاتی علم اور مشاہدہ سے اپنے تلامذہ سے کہتے ہونگے تو ان اکابر دین کے ارشادات سے طالبین حق کے دلوں پر کیسا عمدہ پر زور اثر پڑتا ہوگا کیونکہ سلیم طبیعتوں کا لازمہ ہے کہ اپنے معتمد اساتذہ کے قول کو بغیر چوں و چرا کے مان لیتی ہیں۔ چونکہ کتب رجال سے ظاہر ہے کہ اُس زمانہ میں ایک ایک استاد کے صدہا شاگرد

اور ایک ایک شاگرد کے صدہا استاد ہوا کرتے تھے اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب فضائل علمیہ مختلف معتبر طریقوں سے بکرات ومرات محدثین کے طبقات میں پہونچائے گئے۔ اور سعادتمند طلبہ کے دلوں میں پورے طور پر اُن کا رسوخ اور وثوق ہوگیا جس سے ثابت ہے کہ امام صاحب اپنے ہی زمانہ میں شہرۂ آفاق ہوگئے تھے اور اسلامی دنیا میں کمال وقعت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے یہاں تک محسود خلایق ہوگئے تھے یہی وجہ تھی کہ حاسدوں نے اقسام کے الزام آپ کے ذمہ لگائے جنکا حال انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا۔ اور جہاں آپ کے فضائل بیان کئے جاتے ہیں اُن افترا پردازیوں کا بھی تو دہ طوفان پیش کیا جاتا ہے مگر اہل انصاف سمجھ جاتے ہیں کہ وہ سب بے اصل محض ہیں۔

اکابر محدثین جو امام صاحب کی تعریف میں رطب اللسان رہے وہ کوئی معمولی بات نہیں یہ حضرات دین کے معاملات میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے بلکہ دینی امور میں اُن کو اپنی جان کی بھی پرواہ نہ تھی چنانچہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ جو تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رح نے لکھا ہے کہ سفیان ثوری رح نے اوزاعی سے پوچھا کہ عبداللہ بن علی سفاح کے ساتھ آپکو کیا واقعہ پیش آیا۔ فرمایا کہ جب وہ شام میں آیا اور بنی امیہ کو قتل کیا تو ایک روز مجھے بلوایا۔ جب میں اُس کے دروازہ پر پہونچا تو دو شخصوں نے میرے دونوں بازو پکڑ لئے اور دربار میں لے چلے۔ دیکھا کہ وہ تخت پر بیٹھا ہے اور چوبدار اور سپاہی تلواریں کھینچے ہوئے اور کافر کوب وغیرہ

ہتیاروں سے مسلح دو طرفہ صف بستہ کھڑے ہیں اور دونوں نے مجھے
اتنے فاصلہ پر کھڑا کیا کہ میری بات کی آواز اُس تک پہونچے اُسنے مجھسے
پوچھا کیا تمہارا ہی نام عبدالرحمن ابن عمر اوزاعی ہے میں نے کہا جی ہاں۔ کہا
بنی امیہ کی جو خونریزی ہوئی اُس باب میں تم کیا کہتے ہو میں نے کہا آپ میں
اور اُنمیں کچھ معاہدے ہونگے جن کے ایفا کی ضرورت تھی غصہ سے کہا
کوئی معاہدہ نہ تھا۔ اسوقت مجھے یقین ہوگیا کہ اب قتل کا حکم دیتا ہے اور
اپنے بچاؤ کی فکر کرنے لگا۔ ساتھ ہی یہ خیال پیدا ہوا کہ خدا کے تعالےٰ
کے روبرو کھڑے ہونے کا دن قریب آنیوالا ہے اگر کوئی خلاف
بات کہی جائے تو اُس روز کا معاملہ اس سے زیادہ سخت ہوگا اس خیال
کے ساتھ ہی اُس کا خوف جاتا رہا۔ اور میں نے جواب دیا کہ خونریزی اُنکی
تم پر حرام تھی یہ سُنکر غصہ کے مارے اُسکی یہ حالت ہوئی کہ رگیں پھولگئیں
آنکھیں متغیر ہوگئیں اور پوچھا یہ کس دلیل سے میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے تین وجہ کے
ایک زنا دوسری قصاص تیسری ارتداد یعنی دین سے پھر جانا۔ کہا کیا
دین کی راہ سے ہم مجاز نہیں میں نے کہا وہ کیسا کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو وصی نہیں بنایا تھا میں نے کہا اگر وصی تھے
تو اُن کو دو حکم مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ سُنکر آگ بگولہ بن گیا اور مجھے
یقین ہوگیا کہ اب میرا سر میرے سامنے گرتا ہے مگر غصہ سے اشارہ کیا کہ
اس کو نکالدو چنانچہ میں نکالا گیا۔ تھوڑی دور گیا تھا کہ ایک سوار پہونچا

میں اُسکو دیکھتے ہی سواری سے اُتر پڑا اور اِس خیال سے نماز پڑھنے لگا کہ نماز ہی میں سر کاٹا جاوے مگر وہ ٹھہرا رہا۔ اور بعد فراغ نماز بہت سی اشرفیاں مجھے دیں جنکو میں گھر پہونچنے سے پہلے تقسیم کر دیا۔ اب دیکھئے ایسے راستباز جن کو دین کے معاملہ میں جان کی پروا نہ ہو کیا دینی معاملہ میں مداہنت کر کے انہوں نے امام صاحب سے ازراہ تملق یہ کہا ہوگا کہ ہم محدثین دواساز ہیں اور تم فقہا اطبا ہو اور کسی دباؤ سے امام صاحب کی بدگوئی اور بدگمانی سے توبہ کی ہو گی؟ معاذ اللہ جس سے اُن کو ذرا بھی شبہ ہوتا تو اغماض کرنا ممکن ہی نہ تھا بلکہ اُس کو رسوا کر کے مسلمانوں کو اُس کی حالت سے خبردار کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے تا کہ لوگ اُسکے فتنہ سے بچیں۔

اب ہم امام صاحب کے علم کا حال لکھتے ہیں جو اکابر محدثین کی شہادتوں سے ثابت ہے۔

امام صاحب ۸۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے یہ وہ متبرک زمانہ ہے کہ بہت سے صحابہ اُس میں موجود تھے مگر آفتاب وجود صحابہ غروب ہونیکو تھا اسلئے اشاعت علوم کا بازار گرم تھا۔ اودھر صحابہ بحسب ارشاد فلیبلغ الشاہد الغائب سرگرم اشاعت علوم تھے اودھر مسلمانوں پر یہ خیال مسلط تھا کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی ارشاد اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ ہی کے ساتھ واپس ہو جائے جس سے تمام امت مرحومہ محروم رہجائے تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رح نے لکھا ہے کہ ابوحنیفہ رح نے انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کو کئی بار دیکھا ہے جس سے امام صاحب کا تابعی ہونا ثابت ہے۔

مناظرہ امام صاحب

امام صاحب کو اوائل میں کمال حمیت اسلامی اور حرارت دینی سے مذاہب باطلہ کے رد کا شوق ہوا جیسا کہ امام موفق رح نے مناقب امام صاحب میں لکھا ہے کہ یحییٰ ابن شیبان کہتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنے ابتدائی حالت کی خبر دی کہ مجھے علم کلام میں پوری مہارت ہوگئی تھی اکثر طبقات خوارج اور حشویہ سے مناظرے کیا کرتا تھا۔ ایکبار میرے خیال میں یہ بات آئی کہ صحابہ اور تابعین کو قوت علمیہ کم نہ تھی مگر انہوں نے یہ کام کبھی نہیں کیا بلکہ وہ حضرات شرائع اور ابواب فقہیہ میں ہمیشہ خوض کیا کرتے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ اسلئے میں نے مناظرہ چھوڑ کر سلف کا طریقہ اختیار کیا۔ اور اس میں قبیصہ ابن عقبہ کا قول نقل کیا ہے کہ ابوحنیفہ رح اوائل میں اہل ہوا سے مناظرے کیا کرتے تھے یہاں تک اس باب میں وہ راس اور صدر مانے جاتے تھے اور لوگوں کی نگاہیں اُن کی طرف لگی رہتی تھی مگر انہوں نے وہ ترک کر کے فقہ اور حدیث کی طرف توجہ کی اور اس میں بھی امام ہو گئے۔

یوں تو آپ کے مناظرے بہت سارے ہیں مگر یہاں ایک مناظرہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

م ص ک۔ جب خوارج کو معلوم ہوا کہ ابوحنیفہ رح گناہگار اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے تو ستر شخص امام صاحب کے پاس آئے دیکھا کہ مجلس درس مالامال ہے امام صاحب سے کہا کہ ہم سب ایک مذہب والے ہیں لوگوں سے کہئے کہ ہمیں ایک مقام میں جگہ دیں آپنے

سب کو ہٹا دیا انہوں نے فوراً تلواریں کھینچ لیں امام صاحب کا محاصرہ کر کے کہا اے
امت کے دشمن اور رائے امت کے شیطان ہم میں ہر شخص تیرے قتل کو ستر
جہاد سے بہتر سمجھتا ہے اور باوجود اسکے ہم تجھ پر ظلم کرنا نہیں چاہتے امام صاحب
نے فرمایا تو کیا انصاف سے میرا قتل چاہتے ہو کہا ہاں فرمایا جب ایسا ہے
تو تم تلواروں کو میان کر لو کیونکہ ان کی روشنی سے مجھے خوف ہوتا ہے انہوں
نے کہا یہ نہیں ہو سکتا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ان کو تیرے خون سے رنگین کریں
فرمایا خیر بسم اللہ جو کہنا ہو کہو انہوں نے کہا کہ مسجد کے دروازے پر دو جنازے
ہیں ایک کا حال یہ تھا کہ شراب ہمیشہ پیا کرتا تھا یہاں تک کہ غرغرہ کی حالت
تک اس کے منہ میں شراب تھی گویا وہ شراب میں غرق تھا۔ دوسرا جنازہ
ایک عورت کا ہے جسنے زنا کروائی۔ اور جب حمل کا یقین ہو گیا تو خودکشی کر لی۔
امام صاحب نے فرمایا وہ دونوں کس ملت کے تھے کیا یہودی تھے کہا نہیں
فرمایا نصاریٰ تھے کہا نہیں فرمایا مجوسی تھے کہا نہیں۔ فرمایا پھر کس ملت کے تھے
کہا اس ملت کے جسمیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیجاتی ہے
فرمایا یہ شہادت ثلث ایمان ہے یا ربع یا خمس کہا ایمان کا ثلث ربع خمس نہیں
ہوا کرتا پھر فرمایا پھر وہ ایمان کا کتواں حصہ ہے کہا پورا ایمان ہے۔ فرمایا پھر تم
پوچھتے کیا ہو۔ تم خود کہتے ہو کہ وہ دونوں مسلمان تھے۔ کہا خیر اسکو جانے دو
وہ جنتی ہیں یا دوزخی فرمایا میں ان کے بارہ میں وہی کہتا ہوں جو نبی اللہ ابراہیم
علیہ السلام نے اپنی قوم کی نسبت کہا تھا فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک
غفور رحیم۔ حالانکہ اس قوم کے گناہ ان دونوں سے بہت بڑے ہوئے تھے

اور فرمایا میں وہی کہتا ہوں جو نبی اللہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم ۔ حالانکہ اُن کے گناہ ان دونوں کے گناہوں سے بڑے ہوئے تھے اور فرمایا میں اُن کے بارہ میں وہی کہتا ہوں جو نبی اللہ نوح علیہ السلام نے کہا تھا وما علمی بما کانوا یعملون ان حسابہم الا علیٰ ربی لو تشعرون ۔ یہ سُنکر انہوں نے تلواریں ڈالدیں اور کہا کہ ہم اپنے اعتقاد سے توبہ کرتے ہیں اور آپ کا دین اختیار کرتے ہیں ۔ خدا نے آپ کو فضل و حکمت اور علم عطا فرمایا ہے اور وہ سب رائے خوارج سے توبہ کرکے اہل سنّت وجماعت میں داخل ہوگئے ۔

غرضکہ امام صاحب کو مناظرہ میں کمال اور پورا ملکہ تھا اور اِس سے اسلام کو فائدہ بھی تھا مگر صرف اس خیال سے کہ سلف صالح نے یہ کام نہیں کیا اسکو ترک کرکے فقہ کی طرف توجہ کی اور کمال ذکاوت وفہم سے اُس کے امام کہلائے ۔

م ک ص ۔ حفص بن غیاث کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ ایک نادرالوجود شخص تھے میں نے اُن کا ساذکی اور ذی فہم اور صاحب فہم اور صاحب نظر نہ دیکھا نہ سُنا

فہم و ذکاوت امام و حافظہ

م ک ص ۔ مقاتل ابن حیان کہتے ہیں کہ میں نے تابعین اور تبع تابعین کو دیکھا مگر انیں ابو حنیفہ کے جیسا لکنہ رس اور بصیرت والا شخص نہیں دیکھا ۔

م ص ک ۔ عبداللہ ابن اجلح کہتے ہیں کہ امام صاحب علم میں غواص تھے جب غوطہ مارتے تو عمدہ عمدہ دُر و یاقوت نکالتے ۔

م ص ۔ علی ابن ہاشم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کنز العلم تھے جو مسائل اعلیٰ درجہ کے

علما پر سخت تھے وہ اُنپر سہل تھے۔

خ۔ قال الشعبہ واللہ کان ابو حنیفہ حسن الفہم جید الحفظ یعنی شعبہ جو امام صاحب کے استاد ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ابو حنیفہ کی فہم اچھی اور حافظہ جید تھا

م۔ ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ میں نے ہزار علماء سے ملاقات کی ہے مگر تین شخصوں کا ساعقلمند نہیں دیکھا محمد ابن مقاتل نے پوچھا تین شخص کون کہا ابن عون اور ابو حنیفہ اور سفیان ثوری محمد کہتے ہیں میں نے کہا ابو حنیفہ ان لوگوں میں ہیں انہوں نے اسپر بہت افسوس کر کے کہا اگر میں ابو حنیفہ سے نہ ملتا تو اُن لوگوں میں ہوتا جو بازار میں پیسے بیچتے ہیں۔ اگر اُنسے نہ ملتا تو بدعتی ہوتا۔

م ک۔ علی ابن عاصم رح کہتے ہیں کہ اگر ابو حنیفہ کی عقل نصف اہل زمین کی عقلوں کے ساتھ وزن کیجاے تو انہی کی عقل غالب ہوگی۔

م ص۔ خارجہ ابن مصعف کہتے ہیں کہ مجھے ایکہزار علماء سے ملاقات ہے مگر اُن میں تین یا چار شخصوں کو عقل میں زیادہ پایا جسمیں ایک ابو حنیفہ ہیں

م ص ت۔ ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ اگر اہل زمانہ کو اجازت ہوتی کہ اپنی راے سے کچھ کہیں تو ابو حنیفہ سب سے زیادہ اسکے مستحق ہوتے

ک۔ بکر ابن خنیس رح کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ اور اُنکے زمانہ والوں کی عقلیں جمع کیجائیں تو ابو حنیفہ ہی کی عقل سب پر غالب آجائیگی۔ اور یزید بن ہارون کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو ابو حنیفہ سے عقل میں زیادہ اور افضل ہو۔

تہذیب الکمال میں لکھا ہے کہ یزید بن ہرون کہتے ہیں کہ مجھے بہتو نسے

ملاقات ہے مگر ابو حنیفہ سے اعقل افضل اور اورع نہیں دیکھا۔

ص۔ امام شافعی رح فرمایا کرتے تھے کہ ابو حنیفہ سے زیادہ عقلمند کوئی نہ تھا

م ص ک۔ حسن بن محمد بلخی کہتے ہیں کہ حماد بن ابی سلیمان جو امام صاحب کے استاد ہیں وہ کہا کرتے تھے کہ لبا وقت ایسا ہوتا ہے کہ ابو حنیفہ کی رائے کے مقابلہ میں میں اپنی رائے کو متہم کرتا ہوں اور انہی کے قول کے قائل ہونیکی مجھے ضرورت ہوتی ہے۔

م ص ک۔ محمد ابن جابر رح کہتے ہیں کہ ہم حماد بن ابی سلیمان کے حلقہ میں بیٹھا کرتے تھے اور ابو حنیفہ اُنسے کلام کرتے اور جب کسی مسئلہ میں انکو خلاف ہوتا تو ایسی گفتگو کرتے کہ حماد کو تنگ کر دیتے۔ آخر وہ کہتے کہ میں کیا کروں یہ قول عبداللہ بن مسعود رض وغیرہ کا ہے۔ ابو حنیفہ اُس کو یاد کر لیتے۔

م ص ک۔ محمد ابن مروان کہتے ہیں کہ ایک بار کلبی رح نے ابو حنیفہ رح کو دیکھا اور حاضرین مجلس سے کہا اس شخص کو دیکھتے ہو۔ خدا کی قسم جو شخص مجھے پوچھتا ہے تو اُس کا جواب میں آسانی سے دیدیتا ہوں مگر اس شخص نے جب کوئی بات مجھسے پوچھی تو اُس کا جواب مجھپر پہاڑ سے بھی زیادہ ثقیل ہوجاتا ہے

م ص۔ مکی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ قوت حافظہ میں اپنے زمانہ کے لوگونسے بڑے ہوے تھے۔

م ص۔ ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ قوت حافظہ اور فقہ اور صیانت اور شدت ورع میں سب پر غالب تھے۔

قوت حافظہ

تبییض الصحیفہ میں امام صاحب کا قول نقل کیا ہے کہ جب میں حماد رح کی خدمتمیں

گیا تو جو مسائل وہ فرماتے میں یاد رکھ لیتا دوسرے روز جب اعادہ اُن مسائل کا ہوتا تو میرے ہمدرس رح خطا کرتے اور میں سب سنا دیتا یہ دیکھکر حماد رح نے سب سے فرما دیا کہ صدر حلقہ میں میرے مقابل سوائے ابوحنیفہ کے اور کوئی نہ بیٹھے "

م - حارث ابن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ ہم لوگ عطار ابن ابی رباح کے حلقہ میں جایا کرتے کثرت کی وجہ سے آگے پیچھے بیٹھ جاتے مگر جب ابوحنیفہ رح آتے تو وہ مجلس کی توسیع کرکے اُن کو اپنے نزدیک جگہ دیتے -

قوت حافظہ ہی کمال کا باعث ہے کہ تمام احادیث جو فقہ سے متعلق ہیں اُن کو مستحضر تھیں - اور جو مسئلہ پوچھا جاتا تھا اُسکا جواب فوراً دیتے تھے -

م ص - لیث ابن سعید جو امام اہل مصر ہیں کہتے ہیں کہ مجھے ابوحنیفہ کے دیکھنے کی تمنا تھی - ایک بار دیکھا کہ لوگ ایک شیخ پر ٹوٹ پڑے ہیں - ایک شخص نے اُن کا نام لیکر کوئی مسئلہ پوچھا انہوں نے فوراً جواب دیدیا - لیث کہتے ہیں کہ اُنکے جواب باصواب سے مجھے اُس قدر تعجب نہیں ہوا - جو فوراً جواب دینے سے ہوا - فی الحقیقت امام صاحب کی حاضر جوابی تعجب خیز تھی - موفق رح نے عمار بن محمد کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز ابوحنیفہ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے پاس ہر ملک کے لوگوں کا ہجوم تھا ہر طرف سے لوگ مسائل پوچھتے تھے اور آپ ہر ایک کو برابر جواب دیتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا سب جواب آستین میں رکھے ہوئے ہیں اور ہر ایک کو آپ فوراً نکال نکال کر دیتے ہیں -

حاضر جوابی

م ص - زفر رح کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ جب کلام کرتے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی فرشتہ اُن کو تلقین کر رہا ہے۔

م ص - ابو یوسف رح کہتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں ہم آپس میں اختلاف کرتے اور وہ حل نہ ہوتا تو امام صاحب کے پاس آتے آپ اس کا جواب ایسا فی الفور دیدیتے کہ گویا آستین میں رکھا تھا کہ آتے ہی نکال کر دیدیا۔

ت ح - عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن عمارہ کو دیکھا کہ ابو حنیفہ کی رکاب پکڑے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو فقہ میں آپ سے زیادہ بلیغ اور حاضر جواب ہو۔ اِس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ علم کا مدار عقل اور فہم اور حافظہ پر ہے اور اکابر محدثین کی گواہیوں سے ثابت ہے کہ اُس متبرک زمانہ میں جو عین شباب علم کا زمانہ تھا ان امور میں امام صاحب کا کوئی نظیر نہ تھا اور امام صاحب کا نشو ونما ایسے شہر میں ہوا جو اسلامی دنیا میں دار العلوم اور قبۃ الاسلام مسلم ہو چکا تھا اسلئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے کوفہ کو دار الخلافت قرار دیا تھا۔ تلقیح میں ابن جوزی رح نے لکھا ہے کہ کوفہ آٹھ خلیفوں کا دار الخلافت رہا ہے۔ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اُسکو قبۃ الاسلام کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دار الخلافت میں اہل کمال کا مجمع ہوا کرتا ہے اسی وجہ سے بہت سے صحابہ وہاں اقامت گزیں تھے۔ چنانچہ تلقیح میں ایک سو بیس صحابہ کے نام لکھے ہیں جو وہاں مقیم تھے۔ جامع ترمذی میں خیثمہ ابن سبرہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں مدینۂ طیبہ گیا اور ابو ہریرہ رض سے ملاقات کی۔ انہوں نے میرا وطن

دریافت کیا میں نے کہا اہل کوفہ سے ہوں اور یہاں طلب علم کی غرض سے آیا ہوں فرمایا کیا تمہارے یہاں سعد ابن مالک اور عبداللہ ابن مسعود اور حذیفہ اور عمار اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم نہیں ہیں۔ مطلب یہ کہ جہاں یہ حضرات ہوں وہاں کے لوگوں کو اور کہیں جانے کی ضرورت نہیں اور امام صاحب کے اساتذہ کوفہ میں ایک شعبی ایسے شخص ہیں اُن کا نظیر نہیں۔ چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ اُن کو پانسو صحابہ سے ملاقات ہے۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ جب میں کوفہ کو گیا تو دیکھا کہ شعبی رح تدریس کر رہے ہیں اور لوگ اُنسے فتویٰ پوچھ رہے ہیں اور وہ جواب دے رہے ہیں حالانکہ صحابہ وہاں بکثرت موجود تھے۔ اعصم احول کہتے ہیں کہ احادیث اہل کوفہ و بصرہ اور اہل حجاز کو شعبی سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ صلت ابن بہرام کہتے ہیں کہ میں نے ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو شعبی کے مبلغ علم کو پہونچا ہوا تھا۔ اور اُس میں لکھا ہے کہ ھو یعنی الشعبی اکبر شیخ ابی حنیفہ غرضکہ تبحر علمی حاصل کرنیکے لئے امام صاحب کو صرف شعبی رح کی شاگردی کافی تھی پھر علاوہ اسکے کوفہ میں علم حدیث کا سرمایہ اس قدر تھا کہ محدثین اُس سے مستغنی نہیں ہو سکتے تھے چنانچہ مقدمہ فتح الباری میں شیخ الاسلام ابن حجر رح نے امام بخاری رح کا قول نقل کیا ہے کہ میں شام اور مصر اور جزیرہ اور بصرہ کو دو دو چار چار بار گیا ہوں مگر کوفہ اور بغداد کو اتنے بار گیا کہ اُسکا شمار نہیں کر سکتا۔ کما قال لا احصی کم دخلت الکوفۃ والبغداد مع المحدثین۔

اب غور کیجئے کہ اس قدر سرمایہ علم جسکے حاصل کرنے کو محدثین ہمیشہ مصائب سفر

گوارا کر کے دور دور سے آیا کرتے تھے امام صاحب کے گھر میں موجود تھا اُسکے لئے اُن کو باہر جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی پھر امام صاحب نے وہیں کے اساتذہ پر نہیں کفایت کی بلکہ حجاز وغیرہ میں سیاحت کر کے چار ہزار استادوں سے حدیث شریف کا سرمایہ حاصل کیا جیسا کہ الخیرات الحسان وغیرہ میں لکھا ہے کہ امام صاحب نے چار ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا ہے "

امام سیوطی نے تبییض الصحیفہ میں اور امام موفق رح اور کردری رح نے مناقب میں امام صاحب کے بہت سے اساتذہ کے نام لکھے ہیں ہم اُن میں سے چند اسماء گرامی ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں اور اُن کا مختصر سا حال بھی خلاصہ تذہیب التہذیب الکمال سے لکھدیتے ہیں تا معلوم ہو کہ کس درجہ کے وہ حضرات ہیں۔

## اسماے اساتذۂ امام صاحب



محمد ابن مسلم ابوبکر۔ عبداللہ بن عمر اور سہل بن سعید وغیرہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

محمد ابن مسلم ابن تدرس رح۔ جابر اور ابن عباس اور عائشہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

محمد ابن المنکدر ابو عبداللہ رح۔ عائشہ اور ابوہریرہ اور ابو قتادہ اور جابر رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں

ابراہیم ابن عبدالرحمن السکسکی رح۔ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

ابراہیم ابن میسرۃ الطائفی رح وہب ابن عبداللہ الثقفی اور انس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

اسمٰعیل ابن ابی خالد البجلی ابو عبداللہ رح۔ عبداللہ ابن ابی اوفی رض کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

اسمٰعیل ابن خالد رح۔ ابو الملیح اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور ابن ماجہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

اعمش سلیمان بن مہران رح عبداللہ بن ابی اوفی و زید ابن وہب اور ابو وائل رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

الاوزاعی عبدالرحمٰن ابن عمرو عطاؤ ابن سیرین کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

ایوب ابن ابی تیمیۃ السختیانی رح۔ عمرو بن سلمہ اور ابو رجا عطاردی اور ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

بلال ابن مرداس رح۔ انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

بہز ابن حکیم بن معاویہ رح۔ اپنے والد حکیم رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

ثابت البنانی رح۔ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن فضل اور انس رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔
حبیب ابن ابی ثابت ابو یحییٰ رح۔ زید ابن ارقم اور ابن عباس اور ابن عمرؓ اور صحابہ کی ایک جماعت کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُنکی روایتیں موجود ہیں۔
حجاج ابن ارطاۃ رح شعبی اور عطار اور عکرمہ رحمہم اللہ کے شاگرد ہیں اور صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
الحر ابن الصباح رح عبداللہ ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور ابوداود ترمذی نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
حسن ابن الحر رح عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ترمذی وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔
حصین ابن عبدالرحمٰن ابوالہذیل رح جابر ابن سمرہ اور ابووائل اور ابوظبیان رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں
حکم بن عتبہ رح ابوجحیفہ و عبداللہ بن شداد اور ابووائل رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
حکیم ابن جبیر الاسدی رح ابوجحیفہ اور ابوالطفیل رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور اکثر صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
حماد ابن ابی سلیمان الاشعری رح انس اور ابووائل رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور مسلم شریف وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

خالد ابن علقمۃ الہمدانی رح عبد خیر رض کے شاگرد ہیں اور ابوداؤد وغیرہ میں اُنکی روایتیں موجود ہیں
رباح الکوفی رح عثمان رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ابوداؤد میں اُنکی روایتیں موجود ہیں
ربیعہ ابن ابی عبدالرحمن ابوعثمان المعروف بربیعۃ الرائے رح انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
ربیعہ ابن عبدالرحمن رح حصین رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ابوداؤد وغیرہ میں اُنکی روایتیں ہیں
زیاد ابن ابی علاقہ رح قطبہ اور جریر بجلی اور اسامہ ابن شریک رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
زید ابن سلم رح مولیٰ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ اسلم اور ابن عمر اور جابر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
زید ابن علی ابن الحسین ابن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ابن حبان نے ثقات میں لکھا ہے کہ آپنے صحابہ کی ایک جماعت کو دیکھا ہے ابوداؤد ترمذی وغیرہ میں اُنکی روایتیں موجود ہیں
زید ابن انیسہ رح حکم اور طلحہ بن مصرف اور نعیم المجمر رض کی شاگرد ہیں اور کل صحاح میں اُنکی روایتیں ہیں
سعید ابن ابی عروبہ رح حسن اور نضر ابن انس رحمہم اللہ کے شاگرد اور شعبہ وغیرہ کی استاد ہیں کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
سعید ابن المرزبان رح انس اور ابووائل رضی اللہ عنہما کی شاگرد ہیں اور بخاری وغیرہ میں اُنکی روایتیں موجود ہیں
سعید ابن مسروق رح ابو وائل رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
سلمہ ابن کہیل رح۔ ابن عمر۔ اور جندب اور سوید ابن غفلہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

سماک ابن حرب رح جابر ابن سمرہ اور نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں۔ اور مسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

شبیب ابن غرقدہ رح۔ عروۂ بارقی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

شرجیل ابن سعید رح۔ سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

شرحبیل ابن مسلم رح تمیم داری اور ابو الدرداء اور ابو امامہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ اور ابو داؤد ترمذی وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

شعبہ ابن حجاج رح۔ معاویہ ابن قرہ اور انس ابن سیرین اور اعمش رحمہم اللہ کے شاگرد اور سفیان ثوری کے استاد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

طلحہ ابن مصرف الیامی رح۔ عبد اللہ ابن ابی اوفیٰ اور انس اور ذر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

طلحہ ابن نافع رح ابو ایوب اور ابن عباس اور جابر اور انس رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عاصم الاحول رح۔ انس ابن مالک اور عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عاصم ابن سلیمان ابو عبد الرحمن رح انس اور عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عاصم ابن کلیب الکوفی رح کلیب اور ابوبردہ اور محمد بن کعب رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عاصم ابن ابی النجود رح - ابووائل رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عامر ابن شرحبیل - ابوہریرہ و عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عبداللہ ابن رباح رح ابی ابن کعب اور عمار رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور مسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عبداللہ ابن عبدالرحمن ابن ابی حسین المکی رح ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عبداللہ بن عثمان ابن خثیم رح صفیہ بنت شیبہ اور ابوالطفیل رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور مسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عبداللہ ابن ابی المجالد رح عبداللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ اور ابوداؤد وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عبدالعزیز ابن رفیع المکی رح - ابن عباس اور ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عبدالکریم ابن ابی المخارق رح - انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور مسلم نسائی ترمذی وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عبدالملک ابن ایاس الشیبانی الاعور الکوفی رح ابوعمرو الشیبانی رضی اللہ عنہ کے

اور ابوداؤد میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عبدالملک ابن عمیر اللخمی رح جریر بجلی اور جندب بجلی رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عبدالملک ابن میسرۃ الہلالی الکوفی رح زید ابن وہب رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عبدۃ ابن ابی لبابۃ الاسدی رح ابن عمر اور عبداللہ ابن عمرو رض کے شاگرد ہیں اور بخاری وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عبید اللہ ابن ابی زیاد المکی رح۔ ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ابوداؤد وغیرہ میں اون کی روایتیں موجود ہیں۔

عثمان ابن عاصم کوفی رح ابن عباس اور ابن الزبیر وغیرہ رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عثمان ابن عبداللہ ابن موہب رح ابن عمر اور ابوہریرہ اور ام سلمہ کے شاگرد ہیں اور بخاری وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عطیہ ابن الحرث ابوروق الکوفی رح۔ انس اور ابراہیم تیمی رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور ابوداؤد وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عطیہ ابن سعد جنادۃ الجدلی رح۔ ابوہریرہ اور ابوسعید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور ابوداؤد وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عکرمہ مولی ابن عباس رض۔ ابن عباس اور عائشہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

العلاء ابن زہیر الکوفی رح۔ عبدالرحمن ابن الاسود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور نسائی میں اُن کی روایتیں ہیں۔

علی ابن اقمر الوداعی رح۔ ابوجحیفہ اور اسامہ ابن شریک اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عمرو ابن دینار رح عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عمرو بن عبداللہ الہمدانی السبیعی رح۔ جریر بجلی اور عدی بن حاتم اور جابر ابن سمرہ اور زید ابن ارقم رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں انکی روایتیں موجود ہیں۔

عمرو بن مرۃ المرادی الجملی رح۔ عبداللہ بن ابی اوفی اور ابووائل رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عون ابن عبداللہ بن عتبۃ الہذلی الکوفی رح اپنے والد اور عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور مسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

غالب ابن الہذیل ابوالہذیل الکوفی رح۔ انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ اور نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

فرات بن عبدالرحمن القزاز رح۔ عامر ابن واثلہ اور ابوحازم رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

قتادہ ابن دعامہ رح۔ انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

قیس ابن مسلم ابوعمر الکوفی طارق ابن شہاب رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔
محارب ابن دثار الکوفی رح ابن عمر اور جابر اور ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔
مرزوق ابوبکر التیمی رح۔ ام درداء رضی اللہ عنہا کے شاگرد ہیں اور ترمذی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
مسعر ابن کدام رح۔ عطار اور سعید ابن ابی بردہ اور حکم رحمہم اللہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ شعبہ کہتے ہیں کہ صدق کی وجہ سے اُن کا نام مصحف رکھا گیا تھا۔
مسلم ابن کیسان الملائی الکوفی رح انس اور عبدالرحمن ابن ابی لیلےٰ رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور ترمذی وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
مکحول الشامی رح واثلہ اور انس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور مسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
معاویہ ابن اسحٰق رح۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد ہیں اور بخاری وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
منصور ابن زاذان الواسطی رح انس اور ابوالعالیہ رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
منصور ابن المعتمر ابوعتاب الکوفی رح۔ ابراہیم اور ابو وائل اور زر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

موسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ التیمی رح اپنے والد اور عثمان رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

موسیٰ ابن مسلم الکوفی رح ابراہیم تیمی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ابوداؤد وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

میمون بن سیاہ البصری رح۔ انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور بخاری وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

میمون ابن مہران رح ابوہریرہ اور ابن عباس اور ایک جماعت صحابہ کے شاگرد ہیں اور صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

نافع مولی عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ ابن عمر اور ابولبابہ اور ابوہریرہ اور عائشہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُنکی روایتیں موجود ہیں۔

ہشام ابن عروہ رح فاطمہ بنت المنذر اور ابوسلمہ کے شاگرد ہیں اور ایوب و ابن جریج و شعبہ و معمر رح وغیرہ کے استاد کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

یحییٰ بن ابی حیۃ الکوفی رح۔ عبدالرحمٰن ابن ابی لیلے رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ابوداؤد وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

یحییٰ ابن عبداللہ ابوالحارث رح۔ سالم ابن ابی الجعد رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ابوداؤد وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

یزید ابن صہیب رح۔ ابن عمر اور جابر رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں۔ اور بخاری

مسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
یہ ہیں امام صاحب کے اساتذہ آپنے دیکھ لیا کہ اکثر اساتذہ امام صاحب کے تابعین اور صحابہ کے شاگرد ہیں جن کی روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں اور جن کی روایتیں بعضے محدثین نے نہیں لیں۔ اُس کی عام وجہ یہ ہے کہ بُعدِ زمانہ کی وجہ سے معرفت کے اکثر ذریعے مسدود ہوجاتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخالفوں اور حاسدوں کی افترا پردازیاں مشہور ہوجاتی ہیں جس سے متاخرین کو ان میں اشتباہ پیدا ہوتا ہے اور اُن کی حدیثوں کو ترک کر دیتے ہیں۔ بخلاف اس کے معاصرت میں ایسا اتفاق کم ہوتا ہے۔ کیونکہ آدمی اپنی ذات سے تحقیق کر سکتا ہے۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ امام صاحب پر کیسے کیسے طعن ہوے جواب تک مخالفوں کے زباں زد ہیں۔ مگر عبداللہ ابن مبارک وغیرہ اکابر محدثین نے جو امام صاحب کے معاصر تھے خود جاکر تحقیق کرلی اور جب دیکھا کہ سب محض کذب و افترا ہیں آپ کو اپنا استاد بنالیا اسی وجہ سے ابن سیرین فرماتے ہیں جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے۔
روی عن ابن سیرین انہ قال ان الرجل لیحدثنی فما اتہمہ ولکن اتہم من فوقہ۔
یعنی میں اپنے استاد پر تہمت نہیں لگا سکتا البتہ اُنکے اوپر کے لوگوں کو متہم سمجھ سکتا ہوں"۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ کسی کو جب اپنا استاد بناتے ہیں تو اوّل اُس کی حالت کی تحقیق کر لیتے ہیں اِسلئے کہ علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے انظروا ممن تاخذون ہذا العلم فانما ہو الدین۔ یعنی تحقیق کرکے کسی کو اپنا استاد بنایا کرو کیونکہ علم ہی دین ہے اور ربا مع الصغیر میں اسی کی مؤید حدیث

مرفوع موجود ہے۔ ان ہذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم کے عن انس السجزی عن ابی ہریرہ اور بعد تحقیق تہمت لگانے کا موقع نہیں بخلاف اوپر کے لوگوں کے کہ اُن کی جرح وتعدیل کا مدار تقلید پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رح کے بعضے اساتذہ ایسے بھی ہیں کہ امام مسلم وغیرہ نے انہیں کلام کرکے انکی روایتوں کو داخل صحاح نہیں کیا اور انکو جو بخاری رح کے نزدیک اُنکا صدق مسلم ہوگیا تھا۔ اسلئے اُن کو استاد بنالیا الغرض امام صاحب کے جتنے اساتذہ ہیں اُن میں کلام کی گنجایش نہیں کیونکہ اپنی ذاتی تحقیق سے امام صاحب نے اُن کو استاد بنالیا تھا۔ اور متاخرین کی جرح جو تقلید پر مبنی ہے۔ اُس ذاتی تحقیق کے مقابلہ میں مُفید نہیں۔ اب رہے استادوں کے استاد سو وہ صحابہ تھے جن میں کسی کو کلام کی گنجایش نہیں۔ جیساکہ اصول حدیث میں مسلم ہے کہ صحابہ کل عدول ہیں اور جو روایتیں امام صاحب کے اساتذہ نے تابعین سے کی ہیں اُن میں بھی جرح کا احتمال بہت کم ہے جیساکہ اہل بصیرت پر پوشیدہ نہیں الحاصل امام صاحب کو جتنی روایتیں پہونچی ہیں اُن کی صحت میں کلام نہیں اور اگر کسی روایت میں متاخرین کو کلام ہو تو بمقابلہ تقدم زمان وقلت وسائط وجلالت شان امام ودیگر قرائن قابل اعتبار نہیں۔

غرضکہ اکابر محدثین کی چشم دید گواہیوں سے ثابت ہے کہ نہ کوئی عقل وفہم میں امام صاحب کا نظیر تھا نہ قوت حافظہ میں اور امام صاحب کی نشو ونما ایسے شہر میں ہوئی جو قبۃ الاسلام اور مرجع علما ومحدثین تھا اور علاوہ اسکے دوسرے شہروں میں بھی آپنے طالب علمی کی۔ اور چار ہزار استادوں سے سرمایہ حدیث فراہم کیا

اور تدین اور خدا ترسی کا وہ حال کہ سرآمد روزگار تھے جسکا حال انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا۔ اب اِن تمام امور کے لوازم اور متعلقات پر غور کرنے سے اہل انصاف بآسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ امام صاحب کو فن حدیث میں جو تبحر حاصل تھا فوق العادات تھا۔ یہ بات ہم اپنے قیاس سے نہیں کہتے بلکہ اکابر محدثین نے اُسکی تصریح کی ہے چنانچہ کردری رح نے مناقب میں یزید بن ہٰرون کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے علماء سے سُنا ہے کہ ابو حنیفہ کے زمانہ میں اُن کا نظیر تلاش کیا گیا مگر نہ ملا۔ اسیوجہ سے یزید بن ہٰرون قائل تھے کہ امام صاحب اعلم النّاس ہیں جیسا کہ موفق نے لکھا ہے۔

م۔ ابوبکر ابن عیاش کہا کرتے تھے کہ ابو حنیفہ اپنے زمانہ کے لوگوں میں افضل تھے۔

م۔ ابو یحیی حمانی کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رح سے بہتر شخص کو کبھی نہیں دیکھا۔

م ص۔ عبداللہ بن مبارک رح کہتے ہیں ابو حنیفہ افقہ النّاس تھے میں نے فقہ میں اُن کا مثل نہیں دیکھا۔

ص ک۔ اعمش کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ وہ مسائل جانتے ہیں کہ نہ حسن بصری جانتے ہیں۔ نہ ابن سیرین نہ قتادہ نہ بتی نہ اُن کے سوا اور کوئی۔

م ص ک۔ خارجہ ابن مصعب کہتے ہیں کہ ایک ہزار سے زیادہ علما سے میں نے ملاقات کی ہے بگر علم و عقل میں میں نے کسی کو ابو حنیفہ کا نظیر نہیں پایا۔ اُن کے روبرو آتے ہی اُن کے علم اور زہد اور ورع اور صیانت نفس کی وجہ سے آدمی کی یہ حالت ہو جاتی تھی کہ اپنے نفس کو حقیر سمجھ کر متواضع

ہو جاتا تھا۔

م ص۔ ایک بار ابن مبارک رح کی مجلس میں امام صاحب کا ذکر کسی نے بیطوری سے کیا آپنے فرمایا کہ تمام علما میں سے ایک تو ابو حنیفہ کا مثل پیش کرو ورنہ ہمارا پیچھا چھوڑو اور ہم کو عذاب میں نہ ڈالو میں اُن کی مجلس میں اکابر کو دیکھتا تھا کہ صغیر معلوم ہوتے تھے اُن کی مجلس میں میں اپنے آپ کو جس قدر ذلیل پاتا تھا کسی مجلس میں نہیں پایا یعنی اُن کے مقابلہ میں اپنے علم کی کوئی ہستی نہ تھی"۔

خ۔ سفیان ثوری رح کا قول ہے کہ ابو حنیفہ کی مخالفت ایسا شخص کرسکتا ہے جو اُنسے قدر اور علم میں بڑا ہو۔ اور ایسا شخص کہاں ہے۔

م ص۔ سفیان ابن عیینہ رح کہتے ہیں کہ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے زمانہ کے عالم تھے اُنکے بعد شعبی رح اپنے زمانہ کے عالم ہوئے۔ اُنکے بعد ابو حنیفہ رح اپنے زمانہ کے عالم ہوئے یعنی ان قرون ثلاثہ میں ہر ایک اپنے اپنے زمانہ میں بے مثل تھا۔

ح۔ سفیان بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ ابو حنیفہ کا مثل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا"۔

ک۔ مسیب ابن شریک کہتے ہیں کہ اگر تمام شہروں کے لوگ اپنے اپنے علما کو لائیں۔ اور ہم ابو حنیفہ کو پیش کریں تو وہ ہمارا مقابلہ نہ کرسکیں گے۔

ک۔ خلف ابن ایوب کہتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ میں اُنسے علم میں بڑھا ہوا کوئی نہ تھا۔

م ک - ابو معاذ خالد بن سلیمان بلخی کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح سے افضل شخص میں نے نہیں دیکھا "

ک م ص - حمانی کہتے ہیں کہ شریک رح ایک روز اپنی مسجد میں بیٹھے تھے کہ قریش کی ایک قوم آئی اور ابو حنیفہ رح کا ذکر کر کے پوچھا کہ آپ کا کیا حال تھا کہا وہ ایک اجنبی شخص تھے ہم میں سے نہ تھے مگر ہم سب پر غالب آگئے "

م ص ک - عبد الرحمن بن مہدی کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح علما کے قاضی القضاۃ ہیں یعنی جس مسئلہ میں انہوں نے فیصلہ کر دیا اسکو کوئی توڑ نہیں سکتا -

ت ح - مکی ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ اپنے زمانہ کے علما میں اعلم تھے یعنی علم میں سب سے زیادہ تھے امام صاحب کے زمانہ کے علما امام مالک اوزاعی سفیان ثوری مسعر اور عبد اللہ ابن مبارک وغیرہ صدہا محدثین تھے جنکے شاگردوں میں اصحاب صحاح ستہ کے معتمد اساتذہ تھے اُن سب کے علم پر امام صاحب کے علم کو مکی ابن ابراہیم جیسے شیخ جلیل القدر ترجیح دے رہے ہیں - یہ وہی مکی ابن ابراہیم رح ہیں جن کا حال امام ذہبی رح نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ ابو حنیفہ کے شاگرد اور بخاری وغیرہ کے استاد ہیں "

امام بخاری اُن کی شاگردی پر جس قدر ناز کریں بجا ہے اسلئے کہ اکثر ثلاثیات کا افتخار جو اُنکو حاصل ہے انہی حضرت کے طفیل سے ہے کیونکہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں اور امام بخاری رح کے زمانہ تک زندہ رہے -

ص - مکی ابن ابراہیم حدیث اور فقہ میں ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے اور اُنسے نہایت محبت رکھتے تھے اور اُنکے مذہب کے باب میں نہایت متعصب تھے اسمعیل ابن بشر کہتے ہیں کہ ایک بار مکی ابن ابراہیم کی مجلس میں میں حاضر تھا اونہوں نے کہا حدثنا ابوحنیفہ ایک شخص نے کہا حضرت ابن جریج کی کوئی روایت بیان کیجئے ابوحنیفہ کی روایت کی ہمیں ضرورت نہیں۔ یہ سنتے ہی نہایت غضبناک ہوکر کہا اے شخص میری مجلس سے اٹھ جا اور جبتک وہ اٹھا نہیں گیا کوئی روایت نہیں بیان کی۔ اب غور کیا جاے کہ مکی ابن ابراہیم اور اکابر محدثین جب یہ کہہ رہے ہیں کہ ابوحنیفہ اعلم الناس تھے جنکا نظیر تلاش کرنے پر بھی نہ ملا توان چشم دید گواہیوں کے مقابلہ میں اگر کوئی آخری زمانہ والا ہندوستانی کہے کہ ابوحنیفہ ایک بے علم شخص تھے جنکو حدیثیں پہونچی ہی نہیں تو اُسکو کیا کہنا چاہیے۔

ت - شداد ابن حکیم کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ سے اعلم میں نے نہیں دیکھا۔

خ - امام شافعی رح نے امام مالک رح سے کئی محدثین کا حال دریافت کر کے ابوحنیفہ رح کا حال پوچھا۔ فرمایا سبحان اللہ لم ار مثلہ یعنی وہ عجیب شخص تھے اُن کا مثل میں نے نہیں دیکھا۔

م ص ک - معروف ابن حسان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ملاقاتی علما میں ابوحنیفہ رح کا مثل علم فقہ۔ ورع۔ اور رصیانت میں نہیں دیکھا۔

م ص ک - یوسف ابن خالد اسمتی کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ دریاے بے پایاں تھے اُن کی عجیب شان تھی نہ میں نے اُن کا مثل دیکھا نہ سنا۔

**م ص** خلف ابن ایوب کہا کرتے تھے کہ ابو حنیفہ ایک نادر الوجود شخص ہیں۔

**م ص**۔ ابو یوسف کہتے ہیں کہ پہلے میں ابن ابی لیلے کے حلقہ میں جایا کرتا تھا اُسکے بعد ابو حنیفہ کے حلقہ میں جانا شروع کیا۔ ایکبار ابن ابی لیلےؔ سے ملاقات ہوئی انہوں نے امام صاحب کی خیریت پوچھی پھر کہا اُن کو مت چھوڑو فقہ اور علم میں اُن کا مثل تم نے نہیں دیکھا" انتہیٰ۔

یہ بات متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ ابن ابی لیلے اور امام صاحب میں سخت مخالفت تھی مگر طبیعت میں اُن کے انصاف تھا اِسلئے واقعی بات کہنے میں ذرا بھی تامل نہ کیا۔ الحاصل موافق مخالف سب قائل تھے کہ علم اور فقہ میں امام صاحب کا مثل نہیں۔

**ص ک**۔ سعید ابن ابی عروبہ نے امام صاحب سے کئی مسئلوں میں گفتگو کی آخر کہدیا کہ ہم نے جو متفرق اور مختلف مقاموں سے حاصل کیا تھا وہ سب آپکے پاس مجتمع ہے"

سعید ابن ابی عروبہ نے جو مختلف مقاموں کا ذکر کیا اسکی خاص وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بہت سے اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے جیساکہ امام ذہبی رح نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حدث عن الحسن و ابی نضرۃ العبدی و ابی رجاء العطاردی و نضر ابن انس و قتادۃ و مطر الوراق و خلق کثیر دیکھئے جو حدیثیں انہوں نے ایک خلق کثیر سے حاصل کی تھیں سب امام صاحب کے پاس جمع تھے تو کیا اس کا یہی مطلب ہوگا کہ امام صاحب فن حدیث سے ناواقف تھے

**ت**۔ خلف ابن ایوب کہتے ہیں کہ علم خدائے تعالیٰ کی طرف سے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا پھر صحابہ میں تقسیم ہوا پھر تابعین میں اُن کے بعد ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب میں آیا۔

**م ص ک** ۔ عبداللہ ابن مبارک کہتے ہیں اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ افراط کی نسبت میری طرف کی جاویگی تو ابوحنیفہ پر کسی کو مقدم نہ کرتا۔

**م ص ک** بحر سقا کہتے ہیں کہ میں ابوحنیفہ رح سے علمی مسائل میں کلام کیا کرتا تھا ایک روز انہوں نے کہا تم اپنے نام کی طرح بحر ہو میں نے کہا اگر میں بحر ہوں تو آپ بحور ہو۔

**م ص** حسن بن زیاد لولوی کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ ایک دریاے بے پایاں تھے۔ اُن کے علم کی انتہا ہمیں معلوم نہ ہو سکی۔

**ک** ۔ اسرائیل ابن یونس کی مجلس میں امام صاحب کا ذکر آیا انہوں نے کہا کہ اس زمانہ میں لوگ جن چیزوں کی طرف محتاج ہیں انکو وہ سب سے زیادہ جانتے ہیں

**ت** ۔ اسرائیل بن یونس کہتے ہیں کہ جس حدیث میں فقہ کا کوئی مسئلہ ہو اُس کو ابوحنیفہ خوب یاد رکھتے تھے۔

تہذیب التہذیب میں اسرائیل بن یونس کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے ایک خلق کثیر سے روایت کی ہے دیکھئے جنہوں نے ایک خلق کثیر سے سرمایہ حدیث حاصل کیا اور حافظہ اُن کا اس قدر کہ امام احمد ابن حنبل رح جیسے قوی الحفظ انکے حافظہ پر تعجب کرتے تھے جیسا کہ تہذ التہذیب میں لکھا ہے جب ایسے شخص کہیں کہ لوگ جن چیزوں کی طرف محتاج ہیں ابوحنیفہ اُن کو سب سے زیادہ جانتے ہیں تو غور کیجئے کہ امام صاحب کے پاس محتاج الیہ

سرمایہ حدیث کس قدر ہوگا۔ ہم نے مانا کہ لوگوں کو اُس زمانہ میں تدوین فقہ کی احتیاج تھی مگر اُسکے ساتھ یہ بھی ماننا پڑیگا کہ فقہ بغیر حدیث کے مدوّن نہیں ہوسکتی تھی اس سے یہ لازم ہے کہ بقول اسرائیل رح امام صاحب فقہ اور حدیث دونوں میں سب سے بڑے ہوے تھے۔ چنانچہ یہی بات اعمش رح نے کھلے لفظوں میں فرمایا کہ آپ فقہ اور حدیث دونوں کو خوب مانتے ہو۔

ک۔ حفص ابن غیاث رح فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح کے جیسا عالم اُن احادیث کا میں نے نہیں دیکھا جو احکام میں مُفید اور صحیح ہوں۔

حفص رح چونکہ خود فقیہ تھے جیسا کہ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے اِسلئے انہوں نے ایک چھوٹے سے جملہ میں امام صاحب کی نہایت وسیع تعریف کی۔ اِسلئے کہ امام صاحب کو تدوین فقہ میں انہی احادیث کی ضرورت تھی۔ جو مفید احکام اور صحیح ہوں۔ کسی مسئلہ میں ایک صحیح حدیث موجود ہو تو وہ سو غیر صحیح حدیثوں سے بہتر سمجھی جائیگی۔ امام صاحب نے چار ہزار شیوخ سے جو حدیثیں لی تھیں اُنمیں غور و فکر کر کے انہی حدیثوں کو مستحضر کرلیا تھا جن سے احکام کا استنباط ہوسکتا تھا اور وہ صحیح بھی تھیں اب غور کیجئے کہ جو کہا جاتا ہے کہ فقہ صحیح حدیثوں کے مخالف ہے کس قدر زیادتی ہے اکابر محدّثین کی شہادتوں سے تو یہ ثابت ہے کہ امام صاحب کے زمانہ میں جو حدیثیں صحیح سمجھی جاتی تھیں فقہ اُن کے موافق ہے۔

م ص ک۔ محمود ابن شریک کہتے ہیں کہ انبانا عبداللہ بن یزید قال حدثنا ابو حنیفہ شاہ مروان یعنی عبداللہ یزید مقری امام صاحب سے حدیث کی روایت کرتے

اُن کا نام شاہ مروان کے لقب کیساتھ بیلتے اور لکھا ہے کہ حدثنا شاہ شاہ بھی کہتے تھے۔

**م ک ص** - ابو عصمہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے بہت سی حدیثیں جو اساتذہ سے سنی تھیں ابو حنیفہ رحہ پر پیش کیں انہوں نے ہر ایک کا ضروری حال بیان کر دیا کہ فلاں حدیث لینے کے قابل ہے اور فلاں نہیں - اب مجھے افسوس آتا ہے کہ کل حدیثیں اُن کو کیوں نہیں سنائیں" اسی سے امام صاحب کی حدیث دانی کا بھی حال معلوم ہوگیا کہ ہر حدیث کے مالہ وما علیہ کو بھی خوب جانتے تھے یہی وجہ تھی کہ محدثین بھی امام صاحب کو امام کہتے تھے چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ابو داؤد سجستانی (صاحب سنن) کا قول ہے ان اباحنیفۃ کان اماما یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ بات یقیناً ثابت ہے کہ ابو حنیفہ امام تھے -

**ک** - ابراہیم ابن طہمان کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ ہر بات کے امام ہیں -

**ک** - ابو امیہ سے پوچھا گیا کہ عراق سے جو علما آپ کے پاس آئے اُن میں افقہ کون ہیں - کہا ابو حنیفہ اور وہی امام ہیں -

**ک** - ابن مبارک رحہ فرماتے ہیں کیف تقولون الامام الاعظم لا یعرف الحدیث" یعنی امام اعظم کی نسبت یہ کیونکر کہہ سکتے ہو کہ وہ حدیث نہیں جانتے مطلب یہ کہ جو اور اماموں سے بڑا امام ہو کیا ممکن ہے کہ وہ حدیث ہی کو نہ جانے - اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام صاحب کو امام اعظم کا لقب امیر المومنین فی الحدیث (یعنی ابن مبارک نے) دیا ہے جنکا اتباع کل محدثین کو لازم ہے اسیوجہ سے

امام ذہبی رحمہ نے تذکرۃ الحفاظ میں آپکے ترجمہ کی ابتداء یوں کی ہے ابوحنیفہ الامام الاعظم فقیہ العراق النعمان ابن ثابت۔

**م ص ک** - امام ابو یحییٰ زکریا ابن یحییٰ نیشاپوری نے اپنی کتاب مناقب ابی حنیفہ میں یحییٰ بن نصر ابن حاجب رحمہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ رحمہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ کئی صندوق حدیثیں میرے پاس ہیں ان میں سے بہت تھوڑی حدیثیں نکالی ہیں جنسے انتفاع ہوا نتھیٰ؟

کشف بزدوی میں بھی یہ روایت موجود ہے چونکہ امام صاحب کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ کئی صندوق حدیثیں آپ کو ازبر یاد تھیں جن کو آپ اجتہاد کے وقت مستحضر رکھتے تھے۔ مگر چونکہ روایت کا کام آپنے اپنے ذمہ نہیں لیا تھا اسلئے وہ روایتیں آپ سے مروی نہیں۔ آپ کی عادت تھی کہ اجتہاد کے وقت جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو اہل حلقہ سے فرماتے جنکو جو کچھ احادیث و آثار یاد ہوں پیش کردیں۔ اسکے بعد آپ تقریر کرتے اثنائے تقریر میں جس بات پر آپ کو بمقتضائے اجتہاد زور دینا منظور ہوتا اور اسکی موید اہل حلقہ کی پیش کردہ حدیثوں میں کوئی حدیث نہ ہوتی تو ایسے موقع میں آپ اپنی ذاتی مرویات کو بیان کردیتے۔ یہ طریقہ آپنے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اختیار کیا تھا کہ جب کسی واقعہ میں اشد ضرورت ہوتی اور کسی کو اس واقعہ سے متعلق کوئی حدیث یاد نہ ہوتی آپ بیان کردیتے جیسا کہ کتب سیر وغیرہ سے ظاہر ہے اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اعمش رحمہ جو مصحف کہے جاتے تھے انہوں نے بھی امام صاحب کے محدث ہونے کو تسلیم کرلیا ہے۔

امام صاحب صرف کثرت سرمایہ حدیث ہی کی وجہ سے امام نہیں سمجھے جاتے تھے بلکہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ احادیث کے معنی اس خوبی سے کرتے تھے کہ کسی قسم کا اشکال باقی نہیں رہتا تھا۔

م ک۔ خلف ابن ایوب کہتے ہیں کہ میں علما کی مجلسوں میں جایا کرتا تھا جو بات سمجھ میں نہ آتی تو مجھے غم ہوتا اور ابو حنیفہ سے جب وہی بات پوچھتا تو اشکال حل ہو جاتا جس سے دل میں نور پیدا ہوتا تھا۔

م ص ح ک میں لکھا ہے کہ حافظ محمد ابن میمون قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابو حنیفہ کے افادات سننے میں جس قدر مجھے خوشی ہوئی لاکھ اشرفی ملنے میں بھی نہیں ہو سکتی۔"

یہ نور و سرور جو امام صاحب کے افادات سے حاصل ہوتا تھا اس کی وجہ یہی تھی کہ احادیث کے مضامین غامضہ جن تک محدثین کے فہم و ادراک کی رسائی نہ تھی۔ امام صاحب ان کو نہایت عمدگی سے بیان کرتے تھے جس کو طالبین کمال علم سمجھتے تھے۔

ک۔ شداد بن حکیم کہتے ہیں کہ نوح ابن مریم جب کوئی روایت سلف سے کرتے تو اس کے آخر میں ابو حنیفہ رح کا قول ضرور بیان کر کے کہتے کہ جس طرح انہوں نے علم کی تفسیر کی ہے کسی نے نہیں کی۔

م ص ک معروف ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں علی بن عاصم کی مجلس میں تھا انہوں نے سب سے کہا کہ تم لوگ علم سیکھو ہم نے کہا کیا آپ سے جو کچھ ہم سنتے ہیں وہ علم نہیں کہا علم وہ ہے جو ابو حنیفہ جانتے ہیں اور کہا کہ

اگر ابو حنیفہ کا علم اُن کے زمانہ کے تمام علما کیساتھ وزن کیا جاتا تو انہی کا علم غالب ہوتا۔

**م ص ک** - ابو سفیان حمیری کہا کرتے تھے کہ ابو حنیفہ اس امت کے بہتر اشخاص سے ہیں سخت مسائل کا کشف اور احادیث مبہمہ کی تفسیر جو انہوں نے کی کسی سے نہ ہو سکی۔

**م ص ک** - مقاتل ابن سلیمان رح کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رح کو علم کی تفسیر کرتے دیکھا ایسی تفسیر کرتے تھے کہ اُس سے تسکین ہو جاتی تھی۔

**م** - فضل ابن موسیٰ سینانی کہتے ہیں کہ ہم حجاز اور عراق کے علما کی مجلسوں میں پھرا کرتے تھے مگر جو برکت اور نفع ابو حنیفہ رح کی مجلس میں تھا وہ کہیں نہ تھا

**ک** - ایک روز وکیع رح کی مجلس میں ایک حدیث پیش ہوئی جسکا مضمون مشکل تھا وہ کھڑے ہو گئے اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہا اب ندامت سے کیا فائدہ کہاں ہیں وہ شیخ یعنی ابو حنیفہ جن سے یہ اشکال حل ہوتا۔

**خ** - ابن مبارک رح نے امام صاحب کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا کہ ابراہیم نخعی اور حماد ابن سلیمان نے مرتے وقت اپنا خلیفہ چھوڑا تھا خدا آپ پر رحم کرے کہ آپنے اپنا خلف روے زمین پر نہ چھوڑا یہ کہکر زار زار دیر تک روتے رہے

**ک** - امام ابو یوسف رح کہتے تھے کہ مجھے آرزو آتی ہے کہ ابو حنیفہ رح کی ایک مجلس مجھے نصیب ہو اور میں اپنا آدھا مال اُسکے لئے صرف کر دوں۔ لکھا ہے کہ اُس زمانہ میں دس لاکھ درہم اُنکے ملک میں تھے اصمعی رح نے اس آرزو کی وجہ دریافت کی کہا کہ بعضے مسائل میں خدشے ہیں جنکو حل کرنیکی ضرورت ہے۔

م ص - خلاد سکونی کہتے ہیں کہ ایک روز میں زہیر ابن معاویہ کے یہاں گیا انہوں نے پوچھا کہاں سے آتے ہو میں نے کہا ابو حنیفہ کے پاس سے سنتے ہی انہوں نے کہا خدا کی قسم اُنکے پاس ایک روز بیٹھنا میرے پاس ایک مہینہ بیٹھنے سے زیادہ تم کو نفع دیگا۔" یہ ہیں نفوس قدسیہ کے آثار و علامات کہ باوجودیکہ منشا حسد کا قائم ہے مگر واقعی فضیلت بیان کرنے اور خود اپنے آپ پر ترجیح دینے میں ذرا بھی تامل نہیں - اور قابل قبول بھی ایسی ہی شہادتیں ہوتی ہیں - بخلاف اسکے جو بدگوئیاں معاصرین میں باہم ہوتی ہیں - چنانچہ امام صاحب کی نسبت بھی بہت سارے الزام لگائے گئے جنکا منشا صرف حسد تھا سو وہ اس قابل بھی نہیں کہ توجہ سے سنے جائیں اسی وجہ سے محدثین اہل تحقیق نے قاعدہ ٹھہرا دیا ہے کہ اس قسم کی جرحیں بے اعتبار محض ہیں -

ک - وکیع رح محدثین سے کہا کرتے تھے کہ اے قوم تم حدیثیں طلب کرتے ہو اور اُنکے معنی نہیں طلب کرتے - اس میں تمہاری عمر اور دین ضائع ہوجائیگا مجھے آرزو آتی ہے کہ ابو حنیفہ کی فقہ کا عشر مجھ میں ہوتا - ایک روز انہوں نے حضار مجلس سے فرمایا لوگو - حدیث سننا بغیر فقہ کے تمکو کچھ نفع نہ دیگا اور تم میں سمجھ پیدا نہ ہوگی - جب تک اصحاب ابو حنیفہ کے ساتھ نہ بیٹھوگے اور وہ اُن کے اقوال کی تفسیر نہ بیان کرینگے -

م ص ک - ابن مبارک کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کی رائے مت کہو بلکہ تفسیر حدیث کہو -

اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب کے اقوال حدیث کی تفسیر ہیں۔

م ص ۔ یوسف ابن خالد سمتی رح کہتے ہیں کہ میں بصرہ میں عثمان بتی رح کی خدمت میں جایا کرتا تھا اُس زمانہ میں مجھے یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ بصرہ کا فی علم سے مجھے حاصل ہو گیا ہے۔ مگر جب ابو حنیفہ رح کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُسوقت میری آنکھیں کہلیں اور یہ معلوم ہوا کہ علم کچھ بھی مجھے نہیں آیا۔ پھر جو کچھ حاصل ہوا وہ ابو حنیفہ رح کی خدمت میں حاصل ہوا" ابتدا میں انہوں نے صرف کثرت احادیث ہی کو علم سمجھ رکھا تھا جس طرح عموماً محدثین کا خیال تھا مگر جب انہوں نے امام صاحب کی مجلس کو دیکھا اور نادر نادر مضامین احادیث کی تفسیر میں سنے اُسوقت معلوم ہوا کہ علم الفاظ اور تحت اللفظ ترجمہ کا نام نہیں بلکہ علم چیز ہی اور ہے۔ اِسکے لئے امام اعظم کی ضرورت ہے۔

م ص ک ۔ شداد ابن حکیم کہتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ ہم پر احسان نہ فرماتا ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب کے وجود سے جنہوں نے علم کو ظاہر کیا اور اُس کی شرح کی تو ہم نہ جان سکتے کہ کس چیز کو اختیار کر لیں اور لیں۔

م ص ک ۔ ابن مبارک اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ آثار و احادیث کو لازم سمجھو مگر اُن کے لئے ابو حنیفہ کی ضرورت ہے کیونکہ وہ حدیث کے معنی جانتے ہیں" اور لکھا ہے کہ ابن مبارک رح فرمایا کرتے تھے کہ علما ابو حنیفہ سے مستغنی نہیں ہو سکتے کچھ نہیں تو تفسیر حدیث میں تو ضرور محتاج ہیں" دیکھئے امیر المومنین فی الحدیث تو یہ فرما رہے ہیں کہ ہر محدث تفسیر حدیث میں ابو حنیفہ کا محتاج ہے۔ اور آخری زمانہ کے مولوی کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ

اقوال دیکھنا درست نہیں۔ اگر ابو حنیفہ ہی کی مخالفت ہوتی تو مضائقہ نہ تھا مگر افسوس یہ ہے کہ امیر المومنین فی الحدیث کی بھی مخالفت کی جاری ہے۔

**م ک**۔ محدثین کہا کرتے تھے کہ عبداللہ ابن مبارک ابو حنیفہ سے علم میں بڑے ہوئے ہیں ابو سعید ابن معاذ نے یہ سنکر کہا کہ ان لوگوں کی مثال رافضیوں کی سی ہے۔ کہ علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا امام بنالیا اور خود انہوں نے جنکو اپنا امام بنایا تھا یعنے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو امام نہیں سمجھتے اسی طرح یہ لوگ بھی عبداللہ ابن مبارک کو اپنا امام قرار دیتے ہیں اور خود انہوں سنے جو ابو حنیفہ کو اپنا امام بنایا تھا اُن کو امام نہیں سمجھتے بات یہ ہے کہ بمفحواے۔ انما یعرف الفضل من الناس ذووہ۔ اہل فضل کی قدر و منزلت اہل فضل ہی جانتے ہیں باوجودیکہ سفیان ثوری اور امام صاحب میں بمقتضاے بشریت کسی قدر شکر رنجی تھی مگر قدر و منزلت امام صاحب کی جس قدر چاہئے سفیان ثوری رح کے دل میں تھی جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے جو تبییض الصحیفہ وغیرہ میں لکھاہے کہ ابو بکر ابن عیاش کہتے ہیں کہ سفیان ثوری رح کے بھائی کا جب انتقال ہوا تو ابو حنیفہ رح اُن کی تعزیت کے لئے گئے سفیان رح اُن کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اور معانقہ کر کے اُن کو اپنی جگہ بٹھلایا اور خود روبرو بیٹھ گئے بعد برخاست میں نے کہا کہ آج آپنے یہ کیا حرکت کی جو سب کو بدنما معلوم ہوئی فرمایا کیا بات میں نے کہا کہ آپ ابو حنیفہ کے لئے اُٹھے اور اُنکو اپنی جگہ بٹھاکر خود روبرو بیٹھ گئے۔ فرمایا اعتراض کی کیا بات ہے میں ایسے شخص کیلئے اُٹھا جو علم میں اعلیٰ درجہ پر ہے اگر اُنکے علم کی وجہ سے نہ اُٹھتا تو عمر کے لحاظ سے

اٹھاتا تھا اور اگر عمر کے لحاظ سے بھی نہ اٹھتا تو انکی فقہ کے سبب سے اُٹھنے کی ضرورت تھی وہ کہتے ہیں کہ اس کا جواب مجھ سے نہ ہو سکا۔

خ۔ ابو حنیفہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ ایک بار بالاتفاق حج کو گئے انہوں نے التزام کر لیا تھا کہ ہر جگہ ابو حنیفہ کو آگے بڑھاتے اور خود پیچھے رہتے تھے اور جو کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ کچھ جواب نہ دیتے۔ یہاں تک کہ ابو حنیفہ رح کو جواب دینے کی ضرورت ہوتی۔

اکابر محدثین امام صاحب کی تعظیم و توقیر اور ثنا و صفت جو اس قدر کرتے تھے اُس کا سبب یہی تھا کہ علاوہ وفور علم حدیث کے امام صاحب کا تفقہ مسلم اور شہرۂ آفاق تھا جس کی طرف محدثین محتاج تھے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔

ک۔ ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ ہم لوگ امام باقر رض کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ امام صاحب آئے اور چند مسائل پوچھے جب وہ چلے گئے۔ تو امام باقر رض نے کہا کہ یہ شخص کیسے کثیر الفقہ ہیں امام باقر رض کا غائبانہ امام صاحب کی کثرت فقہ کی تعریف کرنی اُن کی جلالت شان پر دلیل قوی ہے۔

م ح ک۔ یزید ابن ہارون سے کسی نے پوچھا کہ امام مالک رح کی رائے کو آپ اچھی سمجھتے ہو یا ابو حنیفہ کی رائے کو؟ کہا کہ امام مالک رح سے حدیثیں لکھ لو۔ کیونکہ وہ احادیث کی تحقیق خوب کرتے ہیں اور فقہ ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب کا کام ہے گویا وہ اسی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

م ص۔ علی ابن ہاشم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ علم کے خزانہ تھے جو مسائل اعلیٰ درجہ کے عالم پر سخت ہوں وہ انپر آسان تھے۔

م ص ک - رقبہ بن مسقلہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمہ نے علم میں ایسا خوض کیا کہ کسی نے کیا نہ تھا - اسلیئے وہ چاہتے تھے اُن کو حاصل ہو گیا -

م ص ک یحیٰی بن آدم رحمہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمہ نے فقہ میں ایسی کوشش کی کہ اُن سے پیشتر کسی نے نہیں کی اسلیئے خدائے تعالیٰ نے اُن کو راہ بتلادی اور اس کو آسان کردیا - اور خاص و عام نے اُن کے علم سے نفع اٹھایا -

ک - نصر ابن محمد کہتے ہیں کہ میرا ظن غالب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ کو رحمت پیدا کیا ہے - اگر وہ نہ ہوتے تو بہت سا علم گم ہو جاتا -

م ص ک - سفیان ابن عینیہ کہتے ہیں کہ جب میں سعید ابن ابی عروبہ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بلاد سے ابوحنیفہ کی جو خبریں پہونچتی ہیں اُنسے معلوم ہوتا ہے کہ اُنسے افقہ کوئی نہیں مجھے آرزو ہے کہ اس شخص کو جو خدائے تعالیٰ نے علم دیا ہے وہ تمام مسلمانوں کے دلوں میں ڈالا جائے اس شخص کیلئے خدائے تعالیٰ نے فقہ میں فتحیاب کردیا گویا کہ وہ اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے -

م ص ک - اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے ابوعمرو بن علا سے سُنا ہے وہ کہتے تھے کہ علم اگر پوچھو تو ابوحنیفہ کا ہے اور ہم لوگ جس علم میں مصروف ہیں وہ بہت آسان ہے -

م ص یحیٰی ابن سعید قطان کہا کرتے تھے کہ جو واقعات لوگوں میں وقتاً فوقتاً پیش ہوا کرتے ہیں - اُن میں حکم شرعی بیان کرنے والا سوائے ابوحنیفہ کے کوئی نہیں - یہ بات اُن کے اوائل میں نتھی مگر تھوڑے دنوں میں

اُن کا کام ترقی کر گیا۔

**م ص ک**۔ سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں کہ جسکو مغازی کا شوق ہو وہ مدینہ جاے اور جو مناسک چاہے تو مکّہ جاے اور جو فقہ سیکھنے کا ارادہ کرے وہ کوفہ میں جا کر اصحاب ابو حنیفہ کی صحبت کو لازم پکڑے۔

**م ص**۔ امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ جس کو فقہ کی معرفت منظور ہو وہ ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب کو لازم پکڑے کیونکہ فقہ میں سب عیال ابی حنیفہ ہیں اِس سے ظاہر ہے کہ فقہ کے لئے کوفہ اور اُس میں خاص امام صاحب کا حلقہ مخصوص ہے

**خ**۔ قاضی شریک کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ فقہ میں دقیق النظر اور علم و عمل اور بحث میں اُن کا استخراج لطیف ہوتا تھا" چونکہ دقت نظر ایک خلقی امر ہے جسمیں کسب کو دخل نہیں۔ جیسا کہ اعمش رح نے امام صاحب سے کہا تھا کہ اگر طلب سے فضیلت حاصل ہوتی تو میں تم سے افقہ ہو جاتا مگر وہ خداے تعالیٰ کی طرف سے عطا ہے" کما ذکرہ الکردری فی المناقب اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب کو فقہ کے ساتھ منجانب اللہ وہ خصوصیّت حاصل تھی جو دوسروں کو نہ تھی یہی بات امام مالک رح کے ارشاد سے بھی ثابت ہے جو الخیرات الحسان میں نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ کو فقہ کی توفیق دی گئی جس سے اُنپر اُسی کی مشقت نہ رہی۔

**ک**۔ اسمعیل ابن ابان کہتے ہیں کہ عبدالرّحمٰن ابن عبداللہ مسعودی رح نے کہا کہ ابو حنیفہ رح فقہ اور فتوے میں مؤید من اللہ تھے میں نے یہ قول ابو عبدالغفار پر پیش کیا انہوں نے کہا ہاں وہ اپنے زمانہ کے فقیہ ہیں پھر قیس بن الرّبیع پر وہ قول

پیش کیا انہوں نے بھی کہا کہ مسعودی سچ کہتے ہیں۔ غرضکہ امام صاحب کا موفق من جانب اللہ ہونا اُس زمانہ میں مسلّم تھا۔

**م ص ک** ۔ سوید بن سعید کہتے ہیں کہ اگر ابو حنیفہ اور خدائے تعالیٰ کے درمیان کوئی امر محکم نہ ہوتا تو اُن کو اس قدر توفیق نہ ہوتی۔ کردری نے سوید کو توبہ لکھا ہے۔

**م ص** ۔ ابو بکر ابن عیاش کہتے ہیں کہ میں نے ابن السائب الکلبی سے سنا ہے کہ کہتے تھے ابو حنیفہ خدا کی رحمت ہے

**م ک** ۔ ابو بکر ابن عیاش کہتے ہیں کہ میں نے محمد ابن السائب الکلبی سے بارہا سنا ہے کہ کہتے تھے ابو حنیفہ خدا کی رحمت ہے۔

**م ص** ۔ ابو جعفر البلخی کہتے ہیں کہ یہ بات مجھے پہونچی ہے کہ جب ابو حنیفہ پر کوئی مسئلہ مشکل ہوتا تو اپنے اصحاب سے کہتے کہ کوئی گناہ مجھ سے صادر ہوا ہے جسکی یہ سزا ہو رہی ہے پھر کرکے دو رکعت نماز پڑھتے اور استغفار کرتے جس سے وہ مسئلہ حل ہوجاتا اور نہایت خوشی سے کہتے کہ مجھے امید ہے کہ میری توبہ قبول ہوگئی اسلئے کہ یہ مسئلہ حل ہوگیا۔ یہ خبر جب فضیل ابن عیاض رح کو پہونچی تو وہ رونے لگے اور کہا کہ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ ابو حنیفہ کے گناہ بہت کم تھے دوسروں کو تو تنبہ ہی نہیں ہوتا اسلئے کہ گناہ میں غرق ہیں"۔ دیکھئے امام صاحب پر کس قدر فیضان الٰہی متصل اور متواتر تھا کہ ہر مسئلہ مجرد سوال کے آپ بیان کردیتے تھے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور اگر کسی گناہ کی وجہ سے اسمیں رکاوٹ آجاتی تو استغفار کرنے سے وہ بھی فوراً دفع ہوجاتی اسی وجہ سے اکابر محدثین امام صاحب کو بڑے بڑے نامی وگرامی فقہا سے افقہ کہا کرتے تھے۔

**م ص ک** - نضر ابن علیؒ نے ابو عاصم نبیل رحمہ سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک ابو حنیفہ افقہ ہیں یا سفیان انہوں نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ ابو حنیفہ میرے نزدیک ابن جریج سے بھی افقہ ہیں میری آنکھوں نے اونسے زیادہ فقہ پر اقتدار والا شخص نہیں دیکھا" اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے جھڑک کر کہا اے جاہل ابو حنیفہ کے یہاں کا چھوٹا لڑکا سفیان سے افقہ ہے چونکہ ابو عاصم نبیل رحمہ خود بھی فقیہ تھے جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے اسلئے ان حضرات کا موازنہ علم کر کے امام کو ترجیح دی۔

**ک** - ابو حنیفہؒ جب مکہ معظمہ جاتے تو ابن جریج اور عبد العزیز ابن رواد اونکے ساتھ اکثر بیٹھتے اور ابن جریج حد سے زیادہ انکی توصیف کیا کرتے ایکبار اُن کی مجلس میں امام صاحب کا تذکرہ آیا فرمایا وہ بیشک فقیہ ہیں اور اس جملہ کو مکرر تین بار کہا۔

**م ص ک** - حرملہ ابن یزید کہتے ہیں کہ میں نے مقریؒ کو سنا کہتے تھے کہ میری آنکھوں نے ابو حنیفہ سے افقہ نہیں دیکھا

**م ص ک** محمد بن منصور رحمہ کہتے ہیں کہ میں نے خلف ابن ایوب سے سنا ہے کہتے تھے کہ جو شخص ابو حنیفہ کے باب میں افراط نہ کرے ہم اُس سے بدگمان ہوتے ہیں کسی نے پوچھا افراط کی کیا صورت فرمایا یہ کہنا چاہیے کہ اُنکے زمانہ میں اُنسے اعلم اور افقہ کوئی نہ تھا۔

**م ص** - عثمان المدینی کا قول ہے کہ حماد اور ابراہیم اور علقمہ اور ابن اسود سے افقہ ابو حنیفہ تھے۔ یہ حضرات مشاہیر فقہا میں ہیں جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ سے ظاہر ہے۔

**م ص ک** - یحییٰ ابن آدم کہتے ہیں کہ شریک اور داؤد ابو حنیفہ کے مقابلہ میں

ایسے تھے جیسے چھوٹے لڑکے کاش وہ اُن کا قول ہی سمجھ لیتے "

مرک - جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مغیرہ نے مجھ سے کہا کہ ابوحنیفہ کے حلقہ میں رہا کرو گے تو فقیہ ہو جاؤ گے اگر ابراہیم نخعی ہوتے تو وہ بھی اُن کے حلقہ میں بیٹھتے۔

م ص - مسعر رح کہتے ہیں کوفہ میں ابو حنیفہ سے افقہ میں نے نہیں دیکھا اُن کی فقاہت پر مجھے رشک آتا ہے۔

م ص ک - یحییٰ ابن آدم کہتے ہیں کہ تمام اہل فقہ اور اہل بینش کا اتفاق ہے کہ ابوحنیفہ سے افقہ کوئی نہیں - اس امر میں انہوں نے ایسی کوشش کی کہ اُنسے پہلے کسی نے نہیں کی تھی اِسلئے خدائے تعالیٰ نے اُن کو راستہ دکھلا دیا " اس سے تو انہوں نے یہ بات ثابت کر دی کہ امام صاحب کے افقہ ہونے پر اُس زمانہ کے کل فقہا و محدثین کا اجماع ہوگیا تھا یہ بات اور معلوم ہوئی کہ ابوحنیفہ اکابر تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو تابعین بھی اُن کی طرف محتاج ہوتے۔ اس کی تصدیق مقاتل رح کے قول سے ہوتی ہے جو ابھی لکھا گیا کہ میں نے تابعین اور تبع تابعین کو دیکھا مگر اُن میں ابوحنیفہ کے جیسا نکتہ رس اور بصیرت والا شخص نہیں دیکھا۔

م عفان ابن سیار کہتے ہیں کہ فقہ میں ابوحنیفہ رح کو کوئی پہونچ نہ سکا۔

م ص ک - وکیع رح کا قول ہے کہ ما لقیت احدًا افقہ من ابی حنیفہ اب دیکھئے کہ وکیع رح کو کیسے کیسے اکابر محدثین سے ملاقات ہے تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رح نے لکھا ہے کہ انہوں نے ہشام ابن عروہ اور اعمش اور اسمٰعیل ابن ابی خالد

اور ابن عون اور ابن جریج اور سفیان اور اوزاعی - اور خلق کثیر سے حدیثیں سنی ہیں - اور امام احمد رح کا قول نقل کیا ہے کہ ما رأت عینی مثل وکیع قط بحفظ الحدیث و یذاکر بالفقہ فیحسن مع ورع واجتہاد یعنی امام احمد رح فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے وکیع کے جیسا عالم نہیں دیکھا حدیثیں انکو خوب یاد تہیں اور فقہ کا مذاکرہ عمدگی سے کیا کرتے اور نہایت پرہیزگار اور عابد تھے - اور یحییٰ ابن اکثم کا قول نقل کیا ہے کہ میں انکے ہمراہ سفر اور حضر میں رہا ہوں ہمیشہ یہی دیکھا کہ دن کو روزہ رکھتے اور رات میں ایک ختم قرآن کا کیا کرتے تھے " اسکے سوا اور بہت سی تعریفیں اُن کی لکھی ہیں ایسے شخص جب یہ کہیں رہے ہیں کہ کسی ایسے شخص سے مجھے ملاقات نہ ہوئی جو ابو حنیفہ سے افقہ ہو تو غور کیا جائے امام صاحب کی فقاہت کس درجہ کی تھی - معلوم رہے کہ امام احمد رح نے جو وکیع رح کے مذاکرہ فقہ کی تعریف کی وہ یہی فقہ حنفیہ تہی اسلئے کہ وہ امام صاحب کے مقلد ہیں جیسا کہ اسی تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے وکان یفتی بقول ابی حنیفۃ اسی وجہ سے وہ نبیذ پیا کرتے تھے حالانکہ محدثین کو اُس میں بہت کچھ خلاف ہے امام ذہبی رح نے اسی میں لکھا ہے کہ اُن میں کوئی عیب نہ تھا مگر نبیذ پیا کرتے تھے جس کا ثبوت کسی طور سے ہوگیا ہے اور یحییٰ ابن معین رح کا قول نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اُنسے پوچھا کہ میں نبیذ پیا تھا سو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص کہہ رہا ہے کہ تم نے شراب پی - وکیع رح نے یہ سنتے ہی کہا کہ وہ شیطان تھا - یہ وہی وکیع رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنکو

امام صاحب سے اوائل میں مقابلہ تھا جیسا کہ خطیب بغدادی رحمہ نے کتاب النصیحہ لاہل الحدیث میں اُن کا قول نقل کیا ہے کہ ایک بار ابو حنیفہ مجھسے ملے اور کہا کہ آپ جو حدیثیں لکھا کرتے ہو کیا اُس سے بہتر نہو گا کہ فقہ حاصل کریں میں نے کہا کیا حدیث تمامی فقہ کو جامع نہیں ہے اسپر انہوں نے ایک مسئلہ پوچھا میں نے جواب میں ایک حدیث پڑھ دی اُسکے بعد انہوں نے میرا پیچھا چھوڑا۔

اُس میں علی ابن حشرم رحہ کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ کئی بار میں نے وکیع رحہ سے سُنا ہے کہ محدثین سے کہا کرتے کہ اگر تم لوگ فقہ حدیث سیکھ لو گے تو اصحاب الرائے تم پر غالب نہ آسکیں گے۔ ابو حنیفہ جو کسی مسئلہ میں کچھ کہتے ہیں سو ہم اُس میں ایک باب روایت کرسکتے ہیں۔

دیکھئے ان تقریروں سے کس قدر مخالفت معلوم ہوتی ہے مگر یہ سب اوائل کی باتیں تھیں جب امام صاحب کے حالات سے خوب واقف ہوے اور معلوم ہو گیا کہ اُن کو حدیث میں بھی ید طولیٰ ہے اُسوقت ایسے معتقد ہو گئے کہ امام صاحب ہی کے اقوال پر فتویٰ دینے لگے۔ یہی حال کل اہل حق محدثین کا رہا ہے کہ ابتدا میں فقہ کو مخالف حدیث سمجھ کر مخالفت کرتے اور امام صاحب کو بُرا بھلا کہتے مگر جب واقف ہوتے تو پشیمان ہو کر توبہ کرتے جیسا کہ اعمش اور اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ کے حالات سے ظاہر ہے۔

خ - اگر سفیان ثوری رحہ کے پاس کوئی آکر کہتا کہ میں ابو حنیفہ کے پاس سے آیا ہوں تو کہتے کہ ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو جو روے زمین پر اُن کا سا فقیہ نہیں۔

اور ابن عون اور ابن جریج اور سفیان اور اودی - اور خلق کثیر سے حدیثیں سنی ہیں - اور امام احمد رح کا قول نقل کیا ہے کہ مارات عینی مثل وکیع قط بحفظ الحدیث و یذاکر بالفقہ فیحسن مع ورع واجتہاد یعنی امام احمد رح فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے وکیع کے جیسا عالم نہیں دیکھا حدیثیں انکو خوب یاد تھیں اور فقہ کا مذاکرہ عمدگی سے کیا کرتے اور نہایت پرہیزگار اور عابد تھے - اور یحییٰ ابن اکثم کا قول نقل کیا ہے کہ میں انکے ہمراہ سفر اور حضر میں رہا ہوں ہمیشہ یہی دیکھا کہ دن کو روزہ رکھتے اور رات میں ایک ختم قرآن کا کیا کرتے تھے " اسکے سوا اور بہت سی تعریفیں اُن کی لکھی ہیں ایسے شخص جب یہ کہیں رہے ہیں کہ کسی ایسے شخص سے مجھے ملاقات نہ ہوئی جو ابو حنیفہ سے افقہ ہو تو غور کیا جائے امام صاحب کی فقاہت کس درجہ کی تھی بمعلوم رہے کہ امام احمد رح نے جو وکیع رح کے مذاکرہ فقہ کی تعریف کی وہ یہی فقہ حنفیہ تھی اسلئے کہ وہ امام صاحب کے مقلد ہیں جیسا کہ اسی تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے وکان یفتی بقول ابی حنیفہ اسی وجہ سے وہ نبیذ پیا کرتے تھے حالانکہ محدثین کو اس میں بہت کچھ خلاف ہے امام ذہبی رح نے اسی میں لکھا ہے کہ اُن میں کوئی عیب نہ تھا مگر نبیذ پیا کرتے تھے جس کا ثبوت کسی طور سے ہوگیا ہے اور یحییٰ ابن معین رح کا قول نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اُنسے پوچھا کہ میں نبیذ پیا تھا سو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص کہہ رہا ہے کہ تم نے شراب پی - وکیع رح نے یہ سنتے ہی کہا کہ وہ شیطان تھا - یہ وہی وکیع رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنکو

امام صاحب سے اوائل میں مقابلہ تھا جیساکہ خطیب بغدادی رح نے کتاب النصیحہ لاہل الحدیث میں اُن کا قول نقل کیا ہے کہ ایک بار ابوحنیفہ مجھسے ملے اور کہا کہ آپ جو حدیثیں لکھا کرتے ہو کیا اس سے بہتر نہوگا کہ فقہ حاصل کریں میں نے کہا کیا حدیث تمامی فقہ کو جامع نہیں ہے اُسپر انہوں نے ایک مسئلہ پوچھا میں نے جواب میں ایک حدیث پڑھ دی اُسکے بعد انہوں نے میرا پیچھا چھوڑا۔

اُس میں علی ابن خشرم رح کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ کئی بار میں نے وکیع رح سے سُنا ہے کہ محدثین سے کہا کرتے کہ اگر تم لوگ فقہ حدیث سیکھ لو گے تو اصحاب الرائے تم پر غالب نہ آسکیں گے۔ ابوحنیفہ جو کسی مسئلہ میں کچھ کہتے ہیں سو ہم اُس میں ایک باب روایت کر سکتے ہیں۔

دیکھئے ان تقریروں سے کس قدر مخالفت معلوم ہوتی ہے مگر یہ سب اوائل کی باتیں تھیں جب امام صاحب کے حالات سے خوب واقف ہوئے اور معلوم ہوگیا کہ اُن کو حدیث میں بھی یدطولیٰ ہے اُسوقت ایسے معتقد ہوگئے کہ امام صاحب ہی کے اقوال پر فتویٰ دینے لگے۔ یہی حال کل اہل حق محدثین کا رہا ہے کہ ابتدا میں فقہ کو مخالف حدیث سمجھ کر مخالفت کرتے اور امام صاحب کو بُرا بھلا کہتے مگر جب واقف ہوتے تو پشیمان ہوکر توبہ کرتے جیساکہ اعمش اور اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ کے حالات سے ظاہر ہے۔

**خ** ۔ اگر سفیان ثوری رح کے پاس کوئی آکر کہتا کہ میں ابوحنیفہ کے پاس سے آیا ہوں تو کہتے کہ ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو جو روے زمین پر اُن کا سا فقیہ نہیں۔

ت۔ محمد ابن بشیر کہتے ہیں کہ میں ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے پاس جایا کرتا تھا جب سفیان رح کے پاس جاتا اور وہ پوچھتے کہ کہاں سے آئے اور میں ابوحنیفہ کا نام لیتا تو وہ کہتے کہ جئت من عند افقہ اہل الارض سفیان ثوری رح وہ شخص تھے کہ امام ذہبی رح نے اُن کو تذکرۃ الحفاظ میں الامام شیخ الاسلام سید الحفاظ الفقیہ لکھا ہے اور لکھا ہے کہ شعبہ اور یحییٰ ابن معین اُن کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے تھے اور ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ ایک ہزار ایک سو شیوخ سے میں نے حدیث لکھی ہے اُن میں سفیان رح سے کوئی افضل نہ تھا وکیع رح کہتے ہیں کہ سفیان رح ایک دریا تھے۔ ابواسامہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی تم سے کہے کہ میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ سفیان سے افضل تھا تو اس کی تصدیق مت کرو۔ اوزاعی رح کہتے ہیں کہ سوائے سفیان کے اب کوئی ایسا شخص باقی نہیں جس کی رضا اور صحت پر امت کا اجماع ہوا ہے۔ ذہبی رح نے لکھا ہے کان قوالا بالحق یعنی وہ بڑے حق گو شخص تھے۔ اس قسم کے اقوال اُن کی جلالت شان اور تقدس کے باب میں بہت سے وارد ہیں غور کیا جائے کہ جب ایسے جلیل القدر امام فقیہ امیر المومنین فی الحدیث فرما رہے ہیں کہ ابوحنیفہ کا نظیر روئے زمین پر نہیں تو امام صاحب کا تفقہ اور فقہ حنفیہ کس درجہ قابل وثوق ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجودیکہ اوزاعی رح سفیان ثوری رح کی جلالت شان کے قائل ہیں مگر طبیب امت امام صاحب ہی کو قرار دیا اور طبقۂ محدثین کو عطاروں ہی میں داخل رکھا۔ اسیطرح وکیع رح نے

باوجودیکہ اُن کو علم کا دریا کہا مگر امام صاحب ہی کے سرچشمۂ حیات سے اپنی تشنگی بجھاتے
رہے اور ابن مبارک رہے گو اُن کو فضل الشیوخ فرمایا مگر عمر بھر امام صاحب ہی
کے ملازم خدمت رہے اس سے ظاہر ہے کہ اکابر محدّثین عمل کے لئے
فقہ کی ضرورت سمجھتے تھے اور عمل بالحدیث کے قائل نہ تھے یہاں اگر یہ کہا جائے
کہ سفیان ثوری رح امام صاحب کو اگر افقہ سمجھتے تھے تو اُن کی تقلید کیوں نہیں کی
سو اُس کا جواب یہ ہے کہ سفیان رح خود فقیہ اور مجتہد تھے اور مجتہد کو اپنے
اجتہاد کے خلاف کسی مجتہد کی تقلید درست نہیں۔ باوجود اسکے فتوی دینے
کے لئے امام صاحب ہی کے اقوال کی تلاش کیا کرتے تھے چنانچہ
امام موفق اور کردری رح نے ثابت زاہد رح کا قول نقل کیا ہے کہ جب سفیان
ثوری رح سے کوئی دقیق مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے کہ اس مسئلہ میں کوئی عمدہ
تقریر نہیں کرسکتا سوائے اُس شخص کے جس پر ہم لوگ حسد کرتے ہیں (یعنی ابو حنیفہ رح)
پھر امام صاحب کے شاگردوں سے پوچھتے کہ اُس مسئلہ میں تمہارے استاد کا
کیا قول ہے اور جو وہ جواب دیتے اُس کو یاد رکھ کے اسی کے موافق فتوی
دیتے تھے۔

م ص۔ قیس ابن الربیع کہتے ہیں کہ میں بہت سے علما کی مجلس میں گیا۔
مگر ابو حنیفہ سے زیادہ فقہ اور علم میں کسی کو نہیں پایا۔
عبید ابن سعید رح کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ نے جس سے ملاقات کی وہ اس سے افقہ تھے
یعنی تقریباً کل معاصرین سے آپ افقہ تھے۔

م ص۔ امام جعفر صادق رح فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ کل فقہائے کوفہ سے افقہ ہیں

م۔ علی ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں ابوامیہ سے پوچھا کہ عراق یا کوفہ سے جو لوگ آپ کے یہاں آے اُن میں افقہ کون تھے کہا ابوحنیفہ۔

ت ح۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے حسن ابن عمارہ کو دیکھا کہ ابوحنیفہ کی رکاب پکڑے ہوے کہہ رہے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو فقہ میں آپ سے زیادہ بلیغ اور حاضر جواب ہو آپ اپنے وقت کے تمام فقہا کے سردار ہو اور جو لوگ آپ کے باب میں کچھ کلام کرتے ہیں وہ صرف حسد سے ہے"۔ دیکھئے حسن ابن عمارہ جیسے شخص کہ سفیان ثوری رح کے استاد ہیں امام صاحب کی رکاب پکڑے ہوے فرما رہے ہیں کہ آپ سید الفقہا ہو تو اس سے کیسی جلالت شان امام صاحب کی ظاہر ہوتی ہے۔

م ص ک۔ عبید ابن اسحق کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ سید الفقہا ہیں اور جو اُنپر تہمت لگاتا ہے وہ حاسد یا شریر شخص ہے۔

م ت ح۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ افقہ الناس تھے اُنسے افقہ میں نے نہیں دیکھا

م ص۔ اسحق ابن راہویہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو احکام اور قضایا کو ابوحنیفہ سے زیادہ جانتا ہو ہر چند قبول قضا پر زبردستی اور سختی کی گئی مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ خالصاً لوجہ اللہ تعلیم اور ارشاد کیا کرتے تھے۔

ک۔ ابوالحسن احمد بن محرز کہتے ہیں کہ ایک بار منصور کو کسی مسئلہ کی ضرورت ہوئی مدینہ طیبہ اور کوفہ وغیرہ تمام شہروں سے علما بلاے گئے مگر کسی سے اُس کا جواب نہ ہو سکا آخر ابوحنیفہ نے تسکین بخش جواب دیا بادشاہ نے سب کو

رخصت کرکے امام صاحب کو ٹھہرایا اور خدمت قضا قبول کرنیکی درخواست کی۔

خ عیسیٰ ابن یونس نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ اگر ابو حنیفہ کے باب میں کوئی بدگوئی کرے تو ہرگز اُس کی تصدیق مت کرو میں خدا کی قسم کہا کہتا تم سے کہتا ہوں کہ میں نے اُنسے افضل اور افقہ نہیں دیکھا۔

اکابر دین جو قسمیں کہا کہا کر امام صاحب کی جلالت شان اور عظمت پر گواہیاں دیتے ہیں۔ اُس سے یہی مقصود تھا کہ حاسدین اور سفہا جو امام صاحب کی نسبت بدگوئیاں کرتے ہیں وہ طالبین حق کے ذہن نشین نہ ہوں اور اسمیں صرف خیرخواہی الہٰی کی ملحوظ تھی کہ کہیں بے اصل باتوں کو باور کرکے عتاب الٰہی کے مستحق نہ ہوجائیں ورنہ اس سے انکا کوئی ذاتی نقصان متصوّر نہ تھا مگر افسوس ہے بعضے آخری زمانہ والے اُس سے بھی کچھ نفع نہ اُٹھا سکے۔

م ت ح ک۔ امام شافعی رحہ فرماتے ہیں الناس عیال فی الفقہ علی ابی حنیفہ یعنی لوگ فقہ میں ابو حنیفہ رحہ کے عیال ہیں۔ منتہی الارب میں لکھا ہے کہ عیال الرّجل زن و فرزند و ہرکہ در نفقہ و مؤنت مرد باشد۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب کے معاصر اور بعد والے فقہا اُنکے عیال ہیں جن کی تربیت معنوی امام صاحب کے افادات سے متعلق ہے اسیوجہ سے امام شافعی رحہ نے فرمایا ہے من اراد ان تعرف الفقہ فلیلزم ابا حنیفہ واصحابہ کذا فی تبییض الصحیفہ اور الخیرات الحسان وغیرہ میں لکھا ہے کہ من لم ینظر فی کتبہ لم یتبحر فی العلم ولا یتفقہ یعنی جو شخص امام صاحب کی کتابیں نہ دیکھے اُسکو نہ علم میں تبحر ہوسکتا ہے نہ وہ فقیہ بن سکتا ہے۔ اسیوجہ سے امام بخاری رحہ نے مسند ارشاد پر

بیٹھنے سے پہلے اصحاب الرّائے کی کتابیں یعنی فقہ حنفیہ دیکھ لئے جسکا حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا۔ بڑی افسوس کی بات ہے کہ اکابر سلف رحمہم اللہ تو امام صاحب کی فقہ کی ایسی تعریفیں کریں اور آخری زمانہ والے اُسکے برخلاف اسکو گمرہی قرار دیں۔

**م ص ک**۔ ہارون ابن سعید کہتے ہیں کہ امام شافعی رح فرماتے تھے کہ ابو حنیفہ سے افقہ میں نے نہیں دیکھا۔ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُنسے افقہ میرے علم میں نہیں ہے۔

**ک م ص**۔ داؤد طائی رح کے روبرو امام صاحب کا ذکر آیا انہوں نے فرمایا وہ ایک ستارہ ہیں جن سے راہ وہدایت پاتے ہیں اور ایک بڑی نشانی ہے جس کے طرف مسلمانوں کے دل متوجہ ہوتے ہیں۔ جو عالم اُن کا علم نہیں جانتا وہ اُسپر بلا ہے۔ یہ اسوجہ سے فرمایا کہ فقہ میں حدیث کے اشکال حل ہوتے ہیں بغیر فقہ کے حدیث مفید نہیں ہوتی۔

**م ص ک**۔ نضر ابن علی کہتے ہیں کہ ہم شعبہ رح کے پاس بیٹھے تھے کسی نے امام ابی حنیفہ کے انتقال کی خبر سنائی انہوں نے انا للہ پڑھ کر کہا کہ اب اہل کوفہ کی روشنی علم جاتی رہی۔ یاد رکھو کہ اُنکے جیسا شخص وہ کبھی نہ دیکھیں گے۔" دیکھئے امام صاحب کا تبحر علم کس قدر مافوق العادت ہوگا کہ باوجودیکہ امام صاحب کا مثل تو کیا بہتر شخص کا پیدا ہونا بھی حیز امکان میں ہے مگر اُن کا علم وفضل مافوق العادت دیکھکر بلحاظ امکان عادی شعبہ رح نے صاف کہدیا کہ اُن کے جیسا عالم کبھی پیدا نہ ہوگا۔

ک ۔ شعبہ رح جب ابو حنیفہ کا ذکر کرتے تو بہت دیر تک اُن کی مدح کرتے اور ابو الولید کہتے ہیں کہ جب امام صاحب کا ذکر شعبہ رح کی مجلس میں ہوتا وہ انکے حق میں دعا کرتے ۔

شعبہ وہ شخص ہیں کہ اُن کا حال تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ چار سو تابعین سے انہوں نے حدیثیں لی ہیں اور اعمش اور سفیان ثوری وغیرہ کے استاد ہیں مزاج میں اُن کے تحقیق اس درجہ تھی کہ اگر بیس بار مختلف استادوں سے روایت سنتے تو اُسپر بھی کفایت نہ کرتے ۔ امام احمد کہا کرتے تھے کہ کان شعبۃ امۃ واحدۃ فی ہذا الشان یعنی شعبہ اکیلے ایک امت کے قائم مقام تھے اُنسے بڑھ کر عابد و زاہد دیکھا نہیں گیا صائم الدہر اور کثیر الصلوٰۃ تھے ریاضت سے اُن کا پوست ہڈیوں پر خشک ہو کر سیاہ ہو گیا تھا اُنکے کپڑے مٹی کے ہمرنگ تھے " ایسے شخص امام صاحب کی مدح میں فرما رہے ہیں کہ اُن کا نظیر پیدا ہونا مشکل ہے ۔ مردم شناسی انہی حضرات کا کام تھا ۔ شعبہ جیسا کوئی فاضل محتاط باخدا شخص ہو تو امام صاحب کی قدر جانے ہر کس و ناکس کو اُن کی کیا قدر ۔

م ص ک ۔ عبد الرزاق کہتے ہیں کہ میں ایک روز معمر رح کے پاس بیٹھا تھا کہ ابن مبارک رح آئے اُن کو دیکھتے ہی معمر رح نے کہا کہ سوائے ابو حنیفہ کے ایسا کوئی شخص میرے خیال میں نہیں ہے جو فقہ میں عمدگی سے کلام کرے اور حدیث کی شرح کرنیکی لیاقت رکھتا ہو اور اُسکو خوف بھی ہو کہ دین میں کوئی شک کی بات داخل نہ ہونے پائے "

معمر اکابر محدثین سے ہیں چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ سفیان ثوری اور ابن مبارک وغیرہ کے استاد ہیں۔ امام احمد رح کہتے ہیں کہ معمر کو جس کے ساتھ ملاؤ گے انہیں کو فوقیت ہوگی ابن جریج رح کہتے ہیں کہ انکے زمانہ میں اُن سے زیادہ علم میں کوئی شخص نہ تھا۔

دیکھئے ایسے بینظیر جلیل القدر محدث مذہب حنفیہ کی تعریف چند مختصر لیکن نہایت گرانبہا معنیٰ خیز الفاظ میں کر رہے ہیں جن سے بہتر نہیں ملسکتے اسلئے کہ بانی مذہب کو چاہیئے کہ ملکہ تفقہ کامل اور احادیث کی شرح کرنے میں لیاقت تامہ رکھتا ہو۔ اور اُسکے ساتھ خوف خدا بھی ہو کہ کوئی شک کی بات مذہب میں شریک نہ ہونے پائے سو انہوں نے بتصریح بیان کردیا کہ ان تینوں امور میں امام صاحب بے نظیر شخص تھے جس سے ظاہر ہے کہ معرکۃ الآرا مسائل میں امام صاحب نے وہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اُس میں شک کا گذر نہ ہو۔ اب غور کیجئے کہ فقہ حنفیہ کس قدر موافق حدیث اور مذہب حنفیہ کس قدر قابل وثوق ہے۔

ان اقوال اکابر دین سے ثابت ہے کہ تفقہ میں امام صاحب کا کوئی نظیر نہ تھا اور اسکے پیشتر یہ بات معلوم ہوئی کہ یزید ابن ہٰرون۔ خارجہ۔ ابن مبارک سفیان ثوری۔ سفیان ابن عیینہ۔ مسیب بن شریک۔ خلف ابن ایوب۔ مکی ابن ابراہیم۔ امام مالک۔ سعید ابن ابی عروبہ۔ اسرائیل ابن یونس۔ اور حفص ابن غیاث وغیرہم رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ ابوحنیفہ علما میں بے مثل و بے نظیر تھے اب اِسکے بعد کوئی محدث تو امام صاحب کی توہین نہیں کرسکتا

رہے جہال سو وہ معذور ہیں اور اُن کی کوئی بات قابل توجہ بھی نہیں ہو سکتی یہ تو امام صاحب کے علم و تفقہ کا حال تھا اب اُن کے خوف و خشیت اور ورع و تقویٰ کا حال سُنئے مجملاً یہ ہے کہ آیہ شریفہ واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الہویٰ کا پورا پورا مضمون آپ پر صادق تھا

چونکہ ہمارے نفوس میں نہ اُس قسم کا خوف ہے نہ خشیت نہ کوئی شخص ایسا نظر آتا ہے جس کو بطور نظیر پیش کریں۔ اسلئے بعضے لوگونکو امام صاحب کے حالات دور از قیاس معلوم ہونگے۔ اس وجہ سے قبل از بیان مقصود خوف الٰہی سے متعلق تھوڑی بحث کی جاتی ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ کامل الایمان وہی شخص سمجھا جاتا ہے جسکو قرآن وحدیث پر پورا پورا ایمان ہو اور جانتا ہو کہ قیامت کا روز جزا و سزا کے لئے مقرر ہے اور گناہوں سے آدمی مستوجب غضب الٰہی ہوتا ہے۔ ہرچند ہر مسلمانکو اس کا یقین ہے مگر غفلت بھی مقتضائے بشری ہے اور غفلت ایک ایسا پردہ ہے کہ ایمان کے آثار کو ظاہر ہونے نہیں دیتا۔ اسیوجہ سے عموماً عوام الناس میں وہ حالات نہیں پائے جاتے جو اعلیٰ درجہ کے اہل ایمان سے ظہور میں آتے ہیں کیونکہ وہ حضرات جن کی عقل معاد کامل ہوتی ہے اکثر اپنے گناہوں اور لغزشوں کو پیش نظر رکھتے ہیں جو لازمہ نفس غیر معصوم ہیں۔ اور اُس کے ساتھ ہی اُن وعیدوں اور سزاؤں کا خیال بھی لگا رہتا ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں اور یہی خیال باعث خوف الٰہی ہوتا ہے جس طرح مشاہد ہے کہ جو شخص کسی جرم کا مرتکب ہو اور قانون سے واقف ہو

کہ اُس جرم پر سزا مقرر ہے اور اُسکو یقین ہو جاوے کہ بادشاہ کو اپنے جرم کی خبر ہو گئی ہے تو ضرور اُسکے دل میں ایک ایسی کیفیت اور حالت پیدا ہوگی جسکو خوف کہتے ہیں پھر بعضوں کی طبیعت میں خوف زیادہ ہوتا ہے اور بعضوں کی طبیعت میں بیباکی ہوتی ہے چنانچہ یہ بھی مشاہد ہے کہ کسی معزز نیکنام شخص سے کوئی خفیف جرم بھی صادر ہوتا ہے تو اُس کو اتنی فکر ہوتی ہے کہ خواب وخور ناگوار ہو جاتا ہے اور بعض اس طبیعت کے بھی لوگ ہیں کہ بڑے بڑے جرموں کی بھی اُنکو کچھ پروا نہیں ہوتی بلکہ بعضوں کا تو یہ حال بھی سنا گیا کہ سزا بھگت کر قیدخانہ جب نکلتے ہیں تو یہ کہہ کر نکلتے ہیں کہ پھر چند روز میں ہم یہاں آجائینگے۔ ایسی طبیعت والوں کو خوف سے کیا تعلق۔ بہرحال بعضے غیرت دار طبیعتیں ایسی ضرور ہوتی ہیں کہ جرائم کا خیال اُن کے دلوں پر اپنا پورا اثر کرکے اُنکو خائف و ترساں رکھتا ہے۔

ان حضرات پر جو خوف الٰہی غالب رہتا ہے اُس کا سبب فقط یہی نہیں کہ جرائم کو باعث سزا سمجھتے ہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کے حکم کی تعمیل بھی منظور ہے جس کی تاکید قرآن شریف میں بکرات ومرات ہوئی چنانچہ ارشاد ہے فاتقون یا اولی الالباب یعنی اے عقل والو مجھ سے ڈرتے رہو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خوف الٰہی کی صلاحیت عقلمندوں ہی کے دلوں میں ہے اسیوجہ سے قابل خطاب وہی لوگ سمجھے گئے غرضکہ جب خالق عزوجل اپنے نام قہار۔ شدید العقاب۔ شدید البطش اور رقیب وغیرہ بتاکر یہ فرمادے کہ مجھسے ڈرتے رہو تو عقلمند اہل ایمان کا کیا حال ہونا چاہئے پھر اہل ایمان کا حال

حق تعالیٰ خود بیان فرماتا ہے۔ ان الذین ہم من خشیۃ ربہم مشفقون والذین ہم

بآیات ربہم یومنون والذین ہم بربہم لایشرکون۔ والذین یوتون ما اٰتوا وقلوبہم وجلۃ انہم الی ربہم راجعون۔ اولئک یسارعون فی الخیرات وہم لہا سابقون یعنی البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے مضطر رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے اور جو لوگ دیتے ہیں جو دیتے ہیں اور اُن کے دل میں ڈر ہے کہ اُن کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے وہی لوگ نیکیوں میں کوشش اور جلدی کرتے ہیں اور نیکیوں کی طرف سبقت کرتے ہیں"۔ اور ارشاد ہے قولہ تعالیٰ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء یعنی اللہ سے ڈرتے وہی ہیں جو علماء ہیں"۔ اس سے تو ظاہر ہے کہ جسکو خوف خدا نہیں وہ عالم ہی نہیں۔ اسلئے کہ جس ایماندار کو خدائے تعالیٰ کی عظمت اور سطوت اور تمام صفات قہاریہ کا علم ہو اور اُسکے ساتھ ہی اُن وعیدوں کا بھی علم ہو جو قرآن و حدیث میں ہیں تو ممکن نہیں کہ ان تمام امور کو جاننے کے بعد بھی خوف خدا دل میں پیدا نہ ہو البتہ آج کل کی اصطلاح میں جسکا نام علم رکھا گیا ہے کہ چند کتابیں ادبیات وغیرہ کی پڑھ لیں اور مولوی عالم اور مولوی فاضل ہو گئے۔ خواہ مسلمان ہوں یا ہندو وغیرہ سو ایسے علم پر آثار مرتب نہیں ہو سکتے اور نہ وہ درحقیقت علم ہے اُس کو تحصیل باطل کہنا چاہیئے۔ علم وہ ہے جس کی مثال ابھی بیان کی گئی کہ کوئی شخص کسی جرم کا مرتکب ہو اور وہ جانتا ہے کہ جو جرم اپنے سے صادر ہوا وہ سنگین ہے اور اس کا بھی اُسکو علم ہو کہ بادشاہ نے اس قسم کے جرم کی سزا سخت مقرر کی ہے۔ اور اُس کا بھی علم ہو کہ بادشاہ کو

اپنے جرم کی اطلاع ہوگئی ہے تو اسپر یہ آثار ضرور مرتب ہونگے کہ اسکو فکر ضرور
ہوجائے گی۔ اور خوف شاہی کے مارے آب و خور ناگوار ہوجائے گا
اور کسی کام سے اُس کو دلچسپی نہ رہیگی۔ اب غور کیجئے کہ جنپر لفظ علما کا اطلاق
صحیح طور پر ہوسکتا ہو کیا ممکن ہے کہ اُن کو خشیت اور خوف الہی نہ ہو۔ پھر جس دل
میں واقعی خوف ہوگا اُسکے آثار بھی نمایاں ہونگے چنانچہ کسی بزرگ نے
کہا ہے

دوستان منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم باید اول بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی

اب ہم چند نظیریں پیش کرتے ہیں کہ جن حضرات پر خوف خدا غالب تھا اُنکی
کیا حالت تھی۔ امام غزالی رحمہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جب یہ آیت
نازل ہوئی وان جہنم لموعدہم اجمعین یعنی دوزخ ان سب کی وعدہ گاہ ہے
تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بے اختیار چیخ ماری اور ایسی بیخودی انپر
طاری ہوئی کہ ایک جگہ نہ بیٹھ سکے اور تین دن تک حیران و پریشان جنگلوں
میں پھرتے رہے عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز سورۂ اذا الشمس کورت
پڑھی جب واذا الصحف نشرت پر پہونچے تو بیہوش ہوکر گر پڑے۔ ایک روز عمر
رضی اللہ عنہ کسی صاحب کی ملاقات کو گئے وہ نماز پڑھ رہے تھے آپ
وہاں ٹھہر گئے جب انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ انّ عذاب ربک لواقع ما لہ من
دافع جس کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً تمہارے رب کا عذاب ہونیوالا
ہے اُسکو کوئی دفع کرنے والا نہیں۔ تو آپ سواری سے اُترکر دیوار کے
سہارے سے کھڑے ہوگئے اور بہت دیر کے بعد اپنے مکان کو

واپس آئے اور اُس کا صدمہ آپ کے دل پر اس قدر ہوا کہ ایک مہینہ بیمار
رہے۔ آپ اس قدر روتے تھے کہ آپکے رخساروں پر آنسوؤں کے بہنے
سے دو سیاہ خط محسوس ہوتے تھے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ قرآن کی کوئی آیت
سنکر بیہوش ہو جاتے اور کئی روز تک ایسے بیمار رہتے کہ لوگ عیادت کو
آتے۔ لکھا ہے کہ ایک روز یحییٰ بکا کی مجلس میں کسی نے یہ آیت پڑھی۔
ولو تریٰ اذ وقفوا علی ربہم تو وہ چیخ مار کر گر گئے۔ اور چار مہینے تک بیمار رہے
ایک روز علی کرم اللہ وجہہ نے کمال افسوس سے فرمایا کہ صحابہ کی یہ حالت
تھی کہ رات بھر وہ قیام اور سجود اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے اور
اتنا روتے کہ آنسوؤں سے اُنکے کپڑے تر ہو جاتے اور اب ایسے
لوگ دیکھے جاتے ہیں کہ رات غفلت میں گذار دیتے ہیں اسکے بعد آپکو
کسی نے ہنستے نہیں دیکھا اُسوقت تک کہ شہید ہوئے انتہیٰ احیاء العلوم
میں اسکے سوا اور بہت سے خائفین کے واقعات مذکور ہیں۔
ذہبی رح نے تذکرۃ الحفاظ میں منصور بن المعتمر کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ
چالیس سال تک وہ دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر نماز پڑھتے اور
روتے رہتے اسی میں امام اوزاعی رح کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ
ہمیشہ راتیں نماز اور تلاوت قرآن اور گریہ وزاری میں بسر کرتے اور یحییٰ
ابن سعید قطان کے حال میں لکھا ہے کہ ایک روز کسی نے سورۂ دخان
اُنکے روبرو پڑھی وہ چیخ مار کر بیہوش ہو گئے۔ عبداللہ ابن وہب کے
حال میں لکھا ہے کہ انہوں نے جو کتاب احوال قیامت میں لکھی تھی۔

ایک روز اُن کے روبرو پڑھی گئی وہ بیہوش ہو گئے اور وہی حالت ممتد ہوئی یہاں تک کہ چند روز میں انتقال ہو گیا اور اُس وقت تک کوئی بات نہ کر سکے امام ترمذی رح کے حال میں لکھا ہے کہ کثرت گریہ و زاری سے اُن کی بصارت جاتی رہی تھی۔

تہذیب التہذیب میں شیخ الاسلام ابن حجر رح نے لکھا ہے کہ زرارہ ابن ابی اوفی رض نے ایک بار نماز صبح پڑہائی جب اس آیت پر پہونچے فاذا نقر فی الناقور تو ایک چیخ ماری اور جان بحق ہو گئے۔ امام نووی رح نے التبیان فی آداب حملۃ القرآن میں لکھا ہے کہ سلف کی کئی جماعتوں کا قرأتِ قرآن سے بیہوش ہونا اور مرجانا ثابت ہے۔ اب امام صاحب کے خوف و خشیت کا حال سُنئے۔

ک۔ یحیٰی ابن معین کہتے ہیں کہ ہم ابو حنیفہ کے ساتھ بیٹھے اور اُنسے سُنے اور لکھے جب ہم اُن کے چہرہ کی طرف دیکھتے تو صاف معلوم ہوتا کہ انکو خوف خدا ہے۔

خ۔ وکیع رح کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ بڑے امانت دار شخص تھے اُنکے دل میں خدائے تعالیٰ کی بڑی عظمت تھی۔

ح۔ یحیٰی قطان کہتے ہیں کہ اگر کوئی ابو حنیفہ رح کا چہرہ دیکھ لیتا تو اُسکو صاف معلوم ہوتا کہ خدائے تعالےٰ کا اُن کو خوف ہے یعنی آثار خوف الٰہی آپکے چہرہ سے نمایاں تھے۔

ص۔ عبد الرزاق کہتے ہیں کہ جب میں ابو حنیفہ رح کو دیکھا تو یہی دیکھا کہ

آثار گریہ اُن کی آنکھوں اور رخساروں سے ظاہر تھے۔

ح ۔ فضل ابن وکین رح کہتے ہیں کہ میں نے ایک تابعین کی جماعت کو دیکھا اور اُنکے سوا بہتوں کو دیکھا مگر ابو حنیفہ سے بہتر نماز پڑھتے ہوے کسی کو نہیں دیکھا نماز سے پہلے اُنپر ایک ایسی حالت طاری ہوتی کہ بے اختیار روتے اور دعا کرتے جس سے دیکھنے والوں کو اُنکے خوف الہی کا اِس قدر یقین ہوتا تھا کہ اوسپر قسم کھا سکیں۔

ص ح ۔ امام صاحب کے رونے کی یہ کیفیت تھی کہ جب آنسو بوریے پر ٹپکتے تو بارش کے قطروں کی سی آواز سنائی دیتی تھی۔

ص ت ح ۔ مفضل ابن صدقہ کہتے ہیں کہ تہجد میں امام صاحب کے رونے کی آواز اکثر اتنی بلند ہو جاتی کہ محلہ والے سنکر ترحم کرتے اور لکھا ہے کہ ایک رات آپنے نماز میں یہ آیہ شریفہ پڑھی بل الساعۃ موعدہم والساعۃ ادھیٰ وامرّ جس میں قیامت کی سختیوں کا ذکر ہے اُسکو رات بھر دہرا دہرا کر پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ ہر چند امام صاحب کا معمول تھا کہ ہر رات ایک قرآن نماز میں ختم کیا کرتے تھے مگر اصحاب قلوب اور ارباب احوال جانتے ہیں کہ جب کوئی خاص حالت دل پر طاری ہوتی ہے تو ممکن نہیں کہ ایسے وقت کسی دوسرے مضمون کی طرف توجہ ہو سکے چنانچہ نسائی اور ابن ماجہ میں ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات نبی صلّی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ان تعذّبہم فانہم عبادک اور صبح تک اسی کو مکرر فرماتے رہے۔ ذکرہ النووی رح فی التبیان

اسی طرح امام صاحب بھی کبھی بمقتضائے غلبۂ حال صبح تک ایک ہی آیت کی تکرار کرتے رہتے کیونکہ یہ تو مقصود تھا ہی نہیں کہ کسی طرح شبینہ میں قرآن پڑھ لیا اور بیفکر ہو گئے۔ وہاں تو تدبر معنی اور عبادت مقصود تھی جس کا منشا خوف الٰہی تھا۔

**ص ح ت**۔ یزید ابن لیث رح کہتے ہیں کہ ایک روز امام نے عشا میں سورۂ اذا زلزلت پڑھی اور ابو حنیفہ رح بھی جماعت میں شریک تھے نماز کے بعد دیکھا کہ اُنپر فکر کے آثار نمایاں اور حالت متغیر ہے میں چلا گیا جب صبح کے قریب آکر دیکھا تو کھڑے ہیں۔ اور ڈاڑھی پر ہاتھ رکھے ہوئے کہہ رہے ہیں۔ یامن یجزی بمثقال ذرۃ خیر خیرا ویامن یجزی بمثقال ذرۃ شر شرا۔ آجر النعمان عبدک من النار ومایقرب منہا وادخلہ فی سعۃ رحمتک۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس رات آپ تہجد بھی نہ پڑھ سکے اور تضرع اور زاری میں رات بسر ہوگئی۔ غرضکہ خوف الٰہی کے آثار ہر وقت نئے رنگ میں ظہور کرتے ہیں۔

ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ خوف الٰہی ایک نعمت عظمیٰ ہے جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ احیاء العلوم میں رسالۂ قشیریہ سے نقل کیا ہے کہ امام احمد ابن حنبل رح فرماتے ہیں کہ میں نے خدائے عزّ وجل سے سوال کیا کہ میرے دل پر خوف کا دروازہ کھولا جائے چنانچہ وہ دعا قبول ہوئی اور ایسا خوف الٰہی میرے دل پر مسلط ہوا کہ قریب تھا کہ عقل جاتی رہے میں نے فوراً دعا کی کہ الٰہی اُسی قدر دیجیو کہ میں متحمل ہو سکوں

اُسکے بعد وہ حالت نہ رہی اور دل کو تسکین ہوئی دیکھئے اکابر دین دعائیں کرکے
خوف الہی حاصل کرتے اور اپنے میں صلاحیت نہ پاکر اُسکے کم ہونیکی دعا
کرتے تھے۔ حق تعالی اُسنے یہ ظرف امام صاحب کو عنایت فرمایا تھا کہ ہروقت
خوف الہی مسلط ہے رات بھر گریہ وزاری اور تضرع و ابتہال اور دن بھر
اشاعت علم اور خدمت دین جس میں محض امتثال الہی مقصود ہے۔
**ص ت ح** - مسعر رح کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ رح کو دیکھا کہ نماز صبح پڑھکر
بیٹھ گئے۔ اور ظہر کے قریب تک تدریس وتعلیم میں مشغول رہے پھر ظہر پڑھکر
عصر تک پھر عصر کے بعد مغرب کے قریب تک پھر مغرب کے بعد عشا تک
تدریس وتعلیم میں مشغول رہے میں نے دل میں کہا کہ اتنی خدمت علم کے
بعد عبادت اُنسے کیونکر ہوسکیگی۔ دیکھیں رات میں اُن کی کیا حالت رہتی ہے
دیکھا کہ جب لوگوں کی آمد ورفت موقوف ہوگئی تو طہارت کرکے لباس فاخرہ
پہنے ایسے معطر نکلے جیسے دولھا اور نماز کے لئے کھڑے ہوگئے
اور صبح تک نماز پڑھتے رہے پھر مکان میں جاکر معمولی لباس پہنکر صبح کی نماز
کے لئے نکلے اور اسی طرح دن بھر تدریس وتعلیم میں مشغول رہے میں
نے خیال کیا کہ شاید اتفاقی طور پر حالت نشاط میں یہ سب کیا ہوگا دیکھیں آج
کی رات کیا حالت رہتی ہے وہ رات بھی انہوں نے نماز ہی مین گذاری۔
میں نے خیال کیا کہ شاید وہ بھی اتفاقی ہو تیسری رات بھی وہیں گزاری غرضکہ
تین دن اور تین راتیں متصل اُن کو دیکھا کیا کہ نہ دن کو افطار ہے نہ رات کو
نیند صرف ظہر کے پیشتر کسی قدر قیلولہ کرلیتے تھے اُسوقت میں نے اپنے دلمیں

جزم کرلیا کہ جب تک اپنی یا اُن کی زندگی ہے اُن کی صحبت سے جدا نہ ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مسعر رح کا انتقال امام صاحب ہی کی مسجد میں عین سجدہ کی حالت میں ہوا۔ انتہیٰ۔ اور اسی قسم کی روایت شریک رح سے بھی نقل کی ہے۔ دیکھئے یہ ہیں خوف الٰہی کے آثار کہ دن رات میں سوائے طاعت وعبادت کے ہوا وہوس کا دل میں گذر ہی نہیں۔

الخیرات الحسان وغیرہ میں لکھا ہے کہ ایک روز امام صاحب کا پاؤں کسی لڑکے کا پاؤں پر پڑ گیا اُس نے کہا اے شیخ کیا تم کو خوف نہیں کہ قیامت کے روز قصاص ہوگا یہ سنتے ہی آپ بیہوش ہو گئے۔ افاقہ کے بعد کسی نے پوچھا کہ اس لڑکے کی بات کا آپ پر بڑا ہی اثر ہوا فرمایا کہ مجھے خوف ہوا کہ اس لڑکے کو غیب سے تلقین ہوئی ہے کیونکہ وہ بات اُسکے حوصلہ سے بڑھی ہوئی تھی۔ حاصل یہ کہ جس دل میں اس قسم کا خوف الٰہی ہوتا ہے اُسکے آثار ہی نرالے ہوتے ہیں بات بات میں نیا معاملہ پیش آتا ہے اسوجہ سے ممکن نہیں کہ وہ تمام وقائع قید قلم میں آسکیں۔ اِسلئے ہم نے یہ چند واقعات بطور مشتے نمونہ از خروارے لکھے اہل دانش اسپر قیاس کر سکتے ہیں کہ جسکو اس قدر خوف خدا ہو دینی مسائل میں وہ کس قدر احتیاط کرتے ہونگے

امام صاحب کے شدت خوف الٰہی پر دلیل قوی اُن کی کثرت طاعت وعبادت ہے اِسلئے کہ اُس کا منشا یا خوف الٰہی ہو گا یا محبت وشوق اور جسمیں دونوں باتیں نہ ہوں وہ اُسکو فضول سمجھیگا۔ یہ بات کہ امام صاحب کی عبادت مافوق العادت تھی۔ ابھی معلوم ہوئی کہ اُن کے رات دن ہی

عبادت میں گزرتے تھے اور الخیرات الحسان میں امام ذہبی رح کا قول نقل کیا ہے - قد تواتر قیام اللیل وتہجدہ وتعبدہ ومن ثمہ کان یسمی الوتد من کثرۃ قیامہ اللیل بل احیاہ بقرأۃ القرآن فی رکعۃ ثلثین سنۃ وحفظ عنہ انہ صلی صلوۃ الفجر بوضوء العشاء اربعین سنۃ وکان عامۃ اللیل یقرأ جمیع القرآن فی رکعۃ واحدۃ یسمع بکاؤہ باللیل حتی یرحمہ جیرانہ وحفظ عنہ انہ ختم القرآن فی الموضع الذی توفی فیہ سبعۃ الاف مرۃ الخ یعنی امام ذہبی رح جو فن رجال میں محقق اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں لکھتے ہیں کہ یہ بات بتواتر ثابت ہوئی ہے کہ ابو حنیفہ رح کو کثرت عبادت اور تہجد وقیام لیل کی وجہ سے لوگ وتد یعنے میخ کہتے تھے اسلئے کہ اُن کو جنبش ہی نہ تھی تیس برس تک وہ تہجد کی ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے رہے اور یہ بات محفوظ چلی آرہی ہے کہ چالیس سال تک انہوں نے عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی - اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک رکعت میں سالم قرآن پڑھتے اور رات کو اس قدر روتے کہ انکے ہمسایہ والے اُن پر ترحم کرتے - انتہٰی - اور الانتصار میں لکھا ہے کہ اس روایت کو خطیب بغدادی نے بھی تاریخ میں ذکر کیا ہے -

**ت** - اسد ابن عمر کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ نے چالیس برس عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی -

**خ ص** - ابو الاحوص فرماتے ہیں کہ اگر ابو حنیفہ سے کہا جاتا کہ تم تین دن میں مرجاؤ گے تو اُنسے یہ نہ ہوسکتا کہ عمل میں کچھ زیادتی کریں اسلئے کہ جتنے اوقات تھے سب عبادت سے معمور رکھتے -

ص ت۔ ابولجویریہ اور شریک کا قول مختلف ذرائع سے نقل کیا ہے جسمیں ایک روایت خطیب بغدادی سے بھی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم حماد بن ابی سلیمان اور علقمہ اور مرثد اور محارب اور ابن وثار اور عون ابن عبداللہ او سلمہ ابن کہیل اور عطار اور طاؤس اور سعید ابن جبیر رحمہم اللہ کی بھی صحبت میں رہے اور ابوحنیفہ رح کی بھی صحبت میں رہے مگر جو رات ابوحنیفہ کی تھی یعنی شب بیداری اور گریہ وزاری وغیرہ وہ کسی کو حاصل نہ تھی "یہ حضرات اکابر تابعین میں علما دودہا تھے اب اس سے زیادہ عبادت کیا ہو گی۔

ص علی ابن یزید صدای کہتے ہیں کہ میں نے رمضان میں ابوحنیفہ رح کو دیکھا کہ ساٹھ قرآن انہوں نے ختم کئے ہر روز دو قرآن ختم کرتے ایک دن میں اور ایک رات میں اور سفیان ابن عیینہ سے بھی یہی مروی ہے۔

ص۔ احمد ابن بشر اور حفص ابن عیاث کہتے ہیں کہ ہم نے جس عابد کو دیکھا حلال وحرام کے باب میں اُسکو ناقص پایا اور جس فقیہ کو دیکھا عبادت میں اُسکو کم رغبت پایا بخلاف ابوحنیفہ رح کے کہ حق تعالیٰ نے دونوں صفتیں انہیں کامل دی تھیں۔

م ص۔ اسحٰق بن بہلول کہتے ہیں کہ ابوحمزہ ابوحنیفہ رح کا ذکر نہایت عمدگی سے کرکے کہا کرتے تھے کہ باوجود اشتغال علم کے اُنسے عبادت اس قدر کیونکر ہو سکتی ہے۔

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ چالیس برس تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنی وغیرہ امور جو امام صاحب کی

ریاضات اور تقوی سے متعلق لکھے گئے ہیں صرف مبالغے اور افسانے ہیں
یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہیں نہ اُن سے کسی شرف پر استدلال
ہوسکتا ہے اسکے لئے ایسی سند درکار ہے کہ جس میں ذرا بھی شبہ کی
گنجائش نہ ہو۔

معلوم نہیں مولوی صاحب نے اس باب میں اس قدر تشدد کیوں فرمایا۔
شاید یہ خیال ہوا ہے کہ اگر یہ امور ثابت ہوجائیں تو ہمیں بھی یہ سب کام کرنے
پڑیں گے اور محال ہے کہ ایسا ایک کام بھی ہم سے ہو سکے اس خیال پر
یہ قرینہ ہے کہ مولوی صاحب نے صدہا روایتیں اُس کتاب میں نقل
کردیں اور کبھی کسی کی سند کا نام تک نہیں لیا۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں اسلئے کہ کثرت
عبادت اور تقوی کا مدار خوف الٰہی پر ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ خوف
ایک کیفیت قلبیہ کا نام ہے جس کی وجہ سے ایسے افعال صادر ہوتے
ہیں جو عموماً ہر کسی سے نہیں ہوتے اور جس قدر خوف زیادہ ہوگا اُسکے آثار
بھی زیادہ ہونگے۔ کون نہیں جانتا کہ زردی رنگ اور پراگندگی خاطر اور
بیخوابی وغیرہ خوف کے لوازم ہیں۔ بعضے وقت خائف شخص سے ایسے
حرکات صادر ہوتے ہیں جو دیکھنے والے اُسکو احمق بلکہ دیوانہ سمجھتے ہیں
مثلاً قوی دشمن کسی کا تعاقب کرے تو کیسا ہی عقلمند ہو اُس سے بھاگے گا
اور بلاتامل کسی کے گھر بلکہ زنانہ میں گھس جائیگا۔ اس خلاف وضع وعادت
حرکت کو دیکھنے والے جو اصل سبب سے ناواقف ہوں یہی خیال کریں گے
کہ اُسکے دماغ میں فتور آگیا ہے۔ اب غور کیجئے کہ جب مخلوق کے خوف سے

اس قسم کی حالتیں طاری ہوں توجس کے دل پر خوف خدا کامل طور پر ہو اُس کا کیا حال ہوگا۔ رہی یہ بات کہ ہم میں اس قدر خوف نہیں اور نہ کوئی ایسا آدمی دکھا جاتا ہے سو یہ دوسری بات ہے۔ اصل یہ ہے کہ خوف الٰہی کا مدار ایمان پر ہے اور ایمان و یقین ایک ایسی وسیع کیفیت ہے کہ اُسکے مدارج بے انتہا ہیں پہلا درجہ اُس کا یہ ہے کہ سال میں ایک مہینہ ایک وقت کا کھانا اور ہر روز پانچ وقت تمام کار و بار کو چھڑا دیتا ہے۔ اُسکے بعد بحسب مدارج ایک ایک چیز چھوٹتی جاتی ہے۔ مثلاً گناہوں کی برائیوں اور اُن کی سزاؤں کا یقین کامل ہو اور دار و گیر محکمہ آخرت اور قید خانہ جہنم پیش نظر ہو تو تقریباً کل گناہ چھوٹ جائینگے اور خود بخود طبیعت میں یہ احتیاط پیدا ہو جائیگی کہ ادنیٰ ادنیٰ شبہ سے بہت سارے مباحوں کا ترک کر دینا آسان ہو جائیگا۔ اور حدیث شریف دع ما یریبک الی ما لا یریبک وغیرہ پر عمل ہونے لگے گا۔ غرضکہ کامل الایمان اور بے ایمان شخص کے اعمال افعال حرکات و سکنات میں جو تفاوت ہوگا محتاج بیان نہیں۔ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

ملحد گرسنہ در خانۂ خالی برخوان        عقل باور نکند کز رمضان اندیشد

ملحد سے ہزار کہئے کہ بھائی رمضان میں دن کو کھانے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے خدا کا غضب اُترتا ہے وہ کبھی نہ مانے گا۔ بخلاف اِسکے اُسی سفرہ پر جاہل سے جاہل مسلمان کو بٹھا دیجے اور ترغیبیں بھی دیجئے کہ ہر نوالہ پر ہم کچھ انعام بھی دینگے تو بھی وہ اُس کی طرف توجہ نہ کرے گا بشرطیکہ نئی روشنی کی جھلک اُسپر نہ پڑھی ہو۔ جب ہم جاہل مسلمانوں میں اس قدر خوف خدا پاتے ہیں

توجنکو سچے مسلمانوں کے اکابر نے صرف اُن صفات کی وجہ سے جو دین میں محمود ہیں اپنا مقتدا بنا لیا تھا اُنکے خوف وخشیت کا کیا حال ہوگا۔ اسکو ہر قوم وملت والا تسلیم کرے گا کہ ہر ملت و دین میں وہی لوگ مقتدا مانے جاتے ہیں جو اُس ملت کے ضروریات اور مستحسنات کو ادا کرنے میں اوروں سے ممتاز ہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں وہی لوگ بزرگ اور مقتدا تسلیم کیے گئے ہیں جن میں خوف خدا وتقویٰ وغیرہ صفات حمیدہ تھے جیسا کہ کتب سیر وتراجم اور تذکروں وغیرہ سے ظاہر ہے اور تواتر اور خود مولوی صاحب کے بیان سے بھی ثابت ہے کہ امام صاحب کو اکابرین نے امام ومقتدا تسلیم کرلیا تھا تواب بمقتضائے درایت اجمالی طور پر ماننا پڑیگا کہ امام صاحب میں خوف خدا اور تقوی وغیرہ صفات حمیدہ کا وجود کامل طور پر تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے اقران وامثال میں ممتاز اور امام تھے اور اِس اجمال کی تفصیل میں وہی واقعات پیش ہونگے جو تواریخ وغیرہ میں مذکور ہیں یہ بات بالکل مطابق عقل ہے کہ جب تک کسی کے تقدس کا اثر دل پر مسلط نہ ہو آدمی اُس کو اپنا امام نہیں بناتا۔ یہ واقعہ مشہور ہے کہ ہارون رشید جب حج کو گیا تو حجر اسود کو بوسہ دینے میں بڑی زحمت اسکو اٹھانی پڑی اور اِسی عرصہ میں حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ جب تشریف لائے تو بلا زحمت حجر اسود تک پہونچگئے۔ ہارون رشید نے آپ سے اسکی وجہ دریافت کی تو فرمایا تم ائمۃ الاجسام ہو اور ہم ائمۃ القلوب ہیں دیکھیے آپ کے تقدس کا اثر تھا کہ خلیفۂ وقت کے مقابلہ میں مسلمانوں نے انکو

اپنا امام تسلیم کرلیا۔

اب غور کیجئے کہ محدثین اور اولیاء اللہ کے اکابر مرشدین مثل داؤد طائی اور شقیق بلخی اور فضیل ابن عیاض رضی اللہ عنہم نے جب آپ کو مقتدا اور امام تسلیم کرلیا تھا تو آپ میں تقوے وغیرہ کا کس قدر رسوخ و وثوق ہوگا۔

ان قرائن پر غور کرنے کے بعد درایت سے کام لیا جاے تو وہ اسی بات پر گواہی دیگی کہ جتنے واقعات امام صاحب کی عبادت اور تقوی وغیرہ سے متعلق مورخین نے لکھے ہیں سب واقعی اور بلا مبالغہ ہیں اور اُن میں خوش اعتقادی کو اگر دخل ہے تو اس قدر ہے کہ اُن واقعات کے اظہار پر اُسنے مورخین کو مجبور کیا تھا اگر یہ خوش اعتقاد حضرات سیلی اور کی طرح قلم انداز ہو جاتے تو ہمیں اپنے امام کی اُن حالتوں پر اطلاع ہی نہ ہوتی جنہوں نے اُن کو اسلام کے عین شباب کے زمانہ میں امام بنا دیا۔ دراصل یہی مورخین کی تصانیف کے باعث رونق ہوے ورنہ اگر ان خصوصیات کو ترک کرکے معمولی باتیں لکھدیتے کہ امام صاحب ایک مولوی اور مجتہد تھے لوگوں کو پڑھایا کرتے تھے فتوے دیا کرتے تھے تو اُن کی کتابوں کو کون دیکھتا بلکہ خود اُن کو لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

مولوی صاحب نے ان واقعات کو مبالغے اور افسانے قرار دے کر مصنفین پر جو حملہ کیا ہے کہ (لطف یہ ہے کہ ہمارے مورخین انہیں دور از کار قصوں کو امام صاحب کے کمالات کا جوہر سمجھتے تھے) یہ انقلاب زمانہ کی تاثیر ہے کہ بارہ سو برس سے جو امور مسلمانوں میں کمالات کے

جو ہنر سمجھی جاتی تھے اس زمانہ میں باعث توہین ہو رہے ہیں کیوں نہ ہو یہ وہ زمانہ ہے کہ باوجودیکہ مسلمانوں کو اپنے فرائض دینی ادا کرنے میں گورنمنٹ کی طرف سے آزادی ہے مگر اس زمانہ کے مسلمانوں سے اُن کو آزادی نہیں ملسکتی اسی کو دیکھ لیجئے کہ ان مسلمانوں کی مجلس میں کوئی پرانی فیشن والا مسلمان نماز و روزہ وغیرہ ادا کرے تو اُس کی کیسی گت بنائی جاتی ہے اور کیسی کیسی پھبتیاں اُسپر اڑتی ہیں کہ مارے شرم کے بیچارہ سر نہ اٹھا سکے۔

حنفیوں کو مولوی شبلی صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ امام صاحب کے علم و ذکاوت کو اصول درایت اور اصول تاریخ کے شکنجہ میں نہیں کھینچا ورنہ اس کا بھی خاتمہ ہوگیا ہوتا کیونکہ آج کل درایت زوروں پر ہے۔ کسی بات کا خیال آنے کی دیر ہے اُدھر خیال آیا اور ادھر ذہن نے کاسیاں شروع کر دیں اور کسی بات کا سر اور کسی بات کا پاؤں چسپاں کر کے ایک ایسی تصویر پیش کر دی کہ کسی کے حاشیہ خیال میں نہ ہو جس طرح فوٹو میں دستکاریاں کی جاتی ہیں اور مصنوعی ایسا فوٹو تیار کیا جاتا ہے کہ جس کا فوٹو ہو وہ بھی حیران رہجاے۔ محکی عنہ سے حکایت کو کوئی تعلق نہیں صرف چہرہ تو اُسی شخص کا ہوتا ہے اور باقی اعضا اور لباس وضع کیب جنکی چاہیں اُس کی چسپاں کر کے کسی شہادت میں پیش کر دیں۔

## اب امام صاحب کے ورع کا حال سُنئیے

یہ بات ظاہر ہے کہ جس کو خوف الٰہی ہوگا وہ متورع اور پرہیزگار ضرور ہوگا اور امام صاحب کے خوف و خشیت کا حال اکابر محدثین کی گواہیوں سے

ابھی ثابت ہوا اسلئے جداگانہ اُن کے ورع کا حال بیان کرنیکی ضرورت نہ تھی۔ مگر چونکہ محدثین نے اُسکو خاص طور پر بیان کیا ہے اِسلئے ان حضرات کی تقلید کر کے ہم بھی چند روایات اور واقعات لکھتے ہیں۔

م ص ک یحیٰی ابن معین سے کسی نے پوچھا کیا ابو حنیفہ ثقہ تھے کہا ہاں ثقہ تھے ثقہ تھے مکرر توثیق کر کے کہا خدا کی قسم اُن کا رتبہ اِس سے بلند تھا کہ وہ جھوٹ کہتے ورع میں وہ سب سے زیادہ تھے اور کہا کہ جسکو ابن مبارک اور وکیع نے عدل کہا اُسکو تم کیا گمان کرتے ہو۔

م ص ک ت۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ جب میں کوفہ میں گیا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کے علما میں افقہ کون ہیں کہا ابو حنیفہ پھر پوچھا زہد میں سب سے زیادہ کون ہیں کہا ابو حنیفہ پھر پوچھا ورع اور پارسائی میں سب سے زیادہ کون ہیں کہا ابو حنیفہ۔

م ص ک ت۔ مکی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں کوفہ کے تمام علما کیساتھ بیٹھا مگر ابو حنیفہ سے اورع کسی کو نہیں دیکھا۔ تہذیب الکمال میں بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔

م ص ک۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کے زمانہ میں کوئی اونسے افقہ اور اورع اور افضل کوفہ میں نہ تھا۔

م عشیر رح کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ صوام قوام ورع زاہد اور فقیہ تھے اور کردری رح نے یہی الفاظ عامر رح سے نقل کئے ہیں۔

م ص ک۔ ابو شیخ کہتے ہیں کہ نو سال اور کئی مہینوں میں ابو حنیفہ کیساتھ

بیٹھا اس مدتمیں کوئی بات اُنسے ایسی نہیں دیکھی جو قابل انکار ہو وہ صاحب ورع و صلوٰۃ و صدقہ و مواساۃ تھے۔

**م ص ک** - بکیر ابن معروف کہتے ہیں کہ جس نے ابوحنیفہ کو دیکھا اُسکو یہ بات معلوم ہوئی کہ اعلیٰ درجہ کے فقیہ اور صاحب معرفت اور پرہیزگار کیسے ہوا کرتے ہیں۔ اور اُن کو دیکھنے والے پر یہ ثابت ہوجاتا تھا کہ وہ خیر ہی کیلئے مخلوق ہیں۔

**م ص ک** امام صاحب کا ذکر امام احمد ابن حنبل کی مجلس میں آیا اُنہوں نے کہا یقیناً وہ صاحب ورع تھے اُکیس کوڑے خدمت قضا قبول کرنے کے لئے اُن کو مارے گئے مگر وہ انکار ہی کرتے رہے۔

**م ص ک** - ابن عیینہ رح سے مروی ہے کہ ابن جریج رح کہتے تھے کہ مجھے نعمان فقیہ اہل کوفہ کے حالات معلوم ہوے ہیں کہ وہ شدید الورع تھے اپنے دین اور علم کی صیانت کرتے تھے۔ اہل آخرت کے مقابلہ میں اہل دنیا کو اختیار نہیں کرتے تھے میں گمان کرتا ہوں کہ قریب میں انکے علم کی عجیب شان ہوگی۔

**م ص** - عبدالوہاب بن ہمام کہتے ہیں کہ جتنے مشایخ عدن طلب حدیث کے لئے کوفہ گئے تھے وہ بالاتفاق کہتے تھے کہ ابوحنیفہ کے زمانہ میں اُنسے افقہ اور اورع کوفہ میں ہم نے نہیں دیکھا۔

**ک** - عبدالرزاق ابن ہمام کہتے ہیں کہ جتنے ہمارے شیوخ طلب علم کے لئے کوفہ گئے تھے سب کا یہی قول تھا کہ ابوحنیفہ رح کے زمانہ میں

اُنسے افقہ اور اورع ہم نے کوفہ میں نہیں دیکھا۔

م ص ک۔ یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ مجھے بہت سارے علماء سے ملاقات ہے مگر ابو حنیفہ سے افضل اور اورع میں نے نہیں دیکھا۔

م ص ک۔ ابراہیم ابن عکرمہ مخزومی کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے افقہ اور اورع نہیں دیکھا۔

م ص ک۔ عمر ابن ذر رحہ کہتے ہیں کہ جس موقع میں ہم ابو حنیفہ رحہ کیساتھ گئے دیکھا کہ وہاں کے علماء پر فقہ اور علم اور ورع میں ابو حنیفہ ہی غالب تھے

م ص ک۔ ابو بردہ کندی رحہ کہتے ہیں کہ میں حماد ابن ابی سلیمان اور علقمہ اور عبد الرحمن اودی اور طلق ابن معاویہ اور نخعی اور عبد الرحمن ابن عباس رضہ کی صحبت میں رہا مگر اُن میں کسی کو ابو حنیفہ رحہ سے اورع نہیں پایا۔

م ص ک۔ وکیع رحہ کہتے ہیں کہ حدیث کے باب میں ابو حنیفہ رحہ کو جس قدر ورع تھا کسی میں نہیں پایا گیا۔

الانتصار میں سبط ابن جوزی رحہ نے حافظ ابو بکر محمد ابن عمر ابن محمد بن سیرۃ الجعابی کی کتاب الانتصار لمذہب ابی حنیفہ سے نقل کیا ہے قال

اخبرنی علی ابن الحسین عن ابیہ قال سئل یحیٰی ابن معین عن الرجل یحدث الحدیث

لا یحفظہ یحدث بہ فقال کان ابو حنیفہ یقول لا یحدث الا بما یعرف و یحفظ یعنی ابن معین رحہ سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص حدیث روایت کرے اور اُسکو وہ حفظ نہ ہو تو جائز ہے یا نہیں کہا ابو حنیفہ رحہ کہتے تھے کہ وہی حدیث روایت کرنی چاہئے جس کو اچھی طرح جانتا اور یاد رکھتا ہو۔

یہاں دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ امام صاحب کے مذہب کی تائید میں قدما میں بھی حافظ جابی رح نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جسکا نام الانتصار لمذہب ابی حنیفہ رح رکھا ہے اور دوسری یہ کہ یحییٰ ابن معین جیسے جلیل القدر محدث نے جنپر جرح و تعدیل کا گویا مدار ہے امام صاحب کے قول سے استدلال کیا اور اُسپر فتوے دیا۔

م ص ک۔ ابو غسان مالک ابن اسمعیل کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے نزدیک یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ جن جن حضرات کی طرف ورع کی نسبت کی گئی اور وہ متورع مشہور تھے اون میں ابو حنیفہ رح سے اورع کوئی نہ تھا۔

م ص۔ حفص ابن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں اقسام کے علما یعنی فقہا زہاد نساک عباد اور راہل ورع کے ساتھ بیٹھا مگر سوائے ابو حنیفہ کے کسی کو ان صفات کا جامع نہ پایا۔

م ص۔ عطار ابن جبلہ رح کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رح کے افقہ اور اورع اور اعبد الناس ہونے میں کسی عالم کو اختلاف کرتے نہیں دیکھا۔

م ص۔ ابو حمزہ سکری رح کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح کے زمانہ میں کوئی شخص اُنسے اورع نہیں سمجھا گیا۔

م ص ک ح۔ ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ میں نے ورع میں ابو حنیفہ سے بڑھا ہوا شخص نہیں دیکھا اُنکے ورع کی آزمایش کوڑوں اور اموال سے ہوگئی۔ یعنی باوجودیکہ خدمت قضا قبول کرنے کے لئے کوڑے لگائے گئے۔ مگر اُن کو لغزش نہ ہوئی اور مالی امور میں تجربہ ہوگیا کہ ادنیٰ

ادنیٰ شبہ سے احتیاط کرتے اور مال لٹا دیتے تھے۔

م ص ک۔ شداد بن حکیم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحہ سے اورع کوئی نہ تھا

ک۔ عمرو بن صالح کا قول ہے کہ علم اور ورع میں ابو حنیفہ رحہ کا مثل نہیں دیکھا گیا۔

ص ک ح ت۔ یزید ابن ہارون کہتے ہیں کہ میں نے ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا مگر خدا کی قسم ابو حنیفہ سے اورع نہیں دیکھا۔

م ک۔ عیسیٰ ابن یونس رحہ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ میں نے ابو حنیفہ سے افقہ اور اورع نہیں دیکھا۔

م ص ح۔ حسن ابن صالح کہا کرتے تھے کہ ابو حنیفہ شدید الورع اور نہایت پرہیزگار شخص تھے حرام کی اُن پر اتنی ہیبت تھی کہ بہت سارے حلال چیزوں کو انہوں نے شبہ سے چھوڑ دیا تھا کسی فقیہ کو اُنسے زیادہ صیانت نفس اور علم کرتے میں نے نہیں دیکھا۔

م ک ح۔ ایک بار کوفہ میں ایک مغصوبہ بکری بکریوں میں ملگئی آپنے دریافت کیا کہ بکری کی عمر کتنی ہوتی ہے۔ کہا گیا سات سال۔ آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت ترک کر دیا۔

م ص ک۔ ابو داؤد حضری کا قول ہے کہ ابو حنیفہ ایسی چیزوں سے ورع اور پرہیزگاری کرتے تھے جنکے حلال ہونے میں شک نہیں تو خیال کیا جاے کہ حرام سے اُن کو کس قدر احتراز ہوگا۔

م ص ک ح ت۔ تاریخ بغداد میں خطیب رحہ نے لکھا ہے کہ

حفص بن عبدالرحمن جو تجارت میں امام صاحب کے شریک تھے اُنکے پاس آپ نے پارچہ بھیجا اور یہ اطلاع دی کہ فلاں تھان میں عیب ہے بیچتے وقت مشتری کو اُسپر مطلع کر دینا۔ مگر اتفاقاً حفص بھول گئے جب حساب پیش ہوا امام صاحب نے اُس تھان کا حال دریافت کیا انہوں نے کہا کہ میں بھول کر سب تھانوں کے ساتھ اُسکو بھی بیچ ڈالا یہ سنتے ہی امام صاحب اپنے حصے کے پورے روپیے فقیروں کو دیدیئے لکھا ہے کہ تیس ہزار درہم تھے جو اُس تھان کی قیمت اُن میں مخلوط ہو گئی تھی تہذیب الکمال میں بھی یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

**مص** - جب منصور نے امام صاحب کو خدمت قضا کے لئے کہا تو آپ نے جواب دیا کہ مجھ میں اس خدمت کی صلاحیت نہیں یہ تو میں جانتا ہوں کہ بینہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور منکر پر قسم ہے۔ لیکن اس خدمت کے لئے ایسا نفس چاہیئے کہ آپ پر اور آپ کی اولاد اور عہدہ داروں پر برابر حکم کر سکے اور میرے نفس کی یہ حالت ہے کہ جب آپ مجھ کو بلاتے ہیں تو وہ میرے اختیار میں نہیں رہتا جبتک آپ سے جدا نہ ہوں۔ منصور نے کہا ہم جو صلے اور عطیات دیتے ہیں وہ کیوں نہیں قبول کرتے۔ کہا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے اپنے مال سے مجھ کو کچھ دیا ہو اور میں نے قبول نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں ضرور قبول کرتا آپنے تو بیت المال کا روپیہ مجھے دیا جس میں میرا کوئی حق نہیں نہ میں سپاہی ہوں کہ جنگ پر جاؤں نہ اُن کی اولاد میں ہوں کہ

گھر بیٹھے کہاؤں اور نہ فقیروں میں ہوں۔ غرضکہ آپنے نہ خدمت قبول کی نہ خزانہ شاہی کا روپیہ لیا۔

**ص ک** - تاریخ خطیب بغدادی میں یوسف ابن خالد السمتی سے مروی ہے کہ ایک بار ابو جعفر منصور نے تیس ہزار درہم ابو حنیفہ رح کو بطور ہدیہ بھیجے آپنے کہا اے امیر المومنین میں بغداد میں مسافر ہوں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اُن کی حفاظت کروں اسلئے بیت المال ہی میں رکہنے کا حکم دیا جاے چنانچہ امام صاحب کے انتقال تک وہ بیت المال کے مد امانت میں رکہے رہے اُسکے بعد جب منصور کو اطلاع ہوئی تو کہا ابو حنیفہ نے ہمیں دہوکا دیا غور کیجے کہ اس زمانہ میں جس طرح ناجائز طور پر روپیہ حاصل کرنے کی غرض سے حیلے اور تدبیریں کی جاتی ہیں امام صاحب جائز طور پر اشتباہی روپیہ نہ لینے کی تدبیریں کرتے تھے آخری زمانہ کے نفوس کو اُس نفس قدسی کے ساتھ کیا مناسبت مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ باوجود ایسی ناگفتہ بہ حالت کے اپنے نفوس پر قیاس کرکے امام صاحب کی توہین کرتے ہیں کیا عقل سلیم یہ بات قبول کرسکتی ہے کہ ایسا محتاط خائف شخص جس کو دنیا سے کوئی تعلق نہ ہو دین میں فساد ڈالے اور خلاف مرضی خدا و رسول اپنے دل سے مسئلے گھڑکر اپنی آخرت تباہ کرے۔

اگر فقہ کے ایجاد سے اُن کو دنیا طلبی مقصود ہوتی تو بجاے اسکے کہ سلاطین کے طرف سے خدمت قبول کرنیکی درخواست اور اصرار ہوتا خود درخواست

کرتے اور سفارشیں پہونچاتے اور کسی نہ کسی حیلے سے خدمت حاصل کرکے
امیرانہ گزران کرتے ۔ برخلاف اسکے وہاں تو ان چیزوں کا ذکر ہی نہ تھا
م ص ح ۔ سہل ابن مزاحم کہتے کہ ہم ابو حنیفہ رح کے گھر میں جایا کرتے
تھے سوائے بوریوں کے کوئی چیز وہاں نظر نہ آتی ۔
م ۔ ابو الخجیب مروزی کہتے ہیں کہ امام صاحب کا قوت مہینے میں دو درہم تھا
م ح ص ک ۔ جب قضا کے بارہ میں آپ بغداد میں قید کیگئے تو آپنے
فرزند کو کہلایا کہ تم جانتے ہو کہ مہینے میں میرا قوت دو درہم ہے اسکو
بھی تم نے روک دیا جلد بھیجو ۔
یہ تو آپکی ذاتی حالت تھی جس سے کمال زہد ظاہر ہے ۔ اب آپکے تمول کا
حال بھی سُن لیجئے
م ک ۔ عبد الحکیم بن میسرہ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح کے کئی غلام تجارت پر مامور
تھے ایک بار وہ ستر ہزار درہم لے آئے جن میں تیس ۳۰ ہزار درہم نفع
کے تھے امام صاحب نے اُنسے تجارت کے طریقے دریافت کئے
بعضوں نے اکا طریقہ ایسا بھی بیان کیا کہ اس میں غلطی تھی امام صاحب نے
پوچھا کیا وہ نفع علیحدہ رکھا گیا یا خلط کر دیا گیا ۔ کہا خلط کر دیا گیا آپنے فرمایا
تم نے کل مال کو فاسد کر دیا ۔ پھر علمائے کوفہ سے سات شخصوں کو بلاکر
ہر ایک کو دس دس ہزار درہم دئے کہ مساکین پر تقسیم کر دیں ۔ غور کرنے کا
مقام ہے کہ ستر ہزار درہم جو راس المال اور نفع کا مجموعہ یعنی کل سرمایہ
تھا سب کو ایک ادنیٰ شبہ سے لٹا دینا کوئی آسان کام نہیں ۔ اس زمانہ میں

حالانکہ سد بینارے چو خرد رگل بماند۔ کامضمون پورے طور پر صادق ہے مگر تقویٰ کا
وہ دعوے کہ ابو حنیفہ نے عمر بھر میں کبھی نہ کیا ہوگا کیونکہ ان کو اگر تقویٰ کا دعوے
ہوتا تو رات دن خوف خدا سے رونے کی کیا ضرورت تھی۔
قرائن سے بخوبی ظاہر ہے کہ آپ کا تجارت کرنا بھی دینی مصلحتوں کے لحاظ
سے تھا پہلے تو تقوے کا امتحان دینا آپ کو مقصود تھا کیونکہ تقوے کی
آزمائش انہی معاملات سے ہوتی ہے جو مال سے متعلق ہیں سو بفضلہ تعالیٰ
آپ کا اس امتحان میں کامیاب ہونا اُن حیرت انگیز وقائع سے ظاہر ہے
جو کتابوں میں کثرت سے مروی ہیں مگر چونکہ اس رسالہ کی غرض اُنسے چنداں
متعلق نہیں اسلئے اُن کا ذکر ضروری نہیں سمجھا گیا۔ پھر مال حاصل ہونیکے
بعد بخل اور اسراف سے بچنا بھی ایک مشکل کام ہے سو امام صاحب اُسمیں
بھی قابل تحسین رہے چنانچہ آپ کی سخاوت اس درجہ تک پہونچگئی تھی کہ
اپنے زمانہ میں آپ سخی مشہور تھے چنانچہ کردری رح اور امام سیوطی رح نے
فضیل ابن عیاض کا قول نقل کیا ہے کان ابو حنیفۃ معروفا بکثرۃ الافضال
واکرام العلم واہلہ۔
مک۔ مسعر رح کہتے ہیں کہ جب ابو حنیفہ رح کوئی چیز اپنے عیال کیواسطے خرید کرتے
یا لباس بناتے یا فواکہ خرید کرتے تو پیشتر اُن اشیاء کی قیمت سے زیادہ
قیمتی اشیا شیوخ علما کے لئے خرید کرتے اور یہ اُن کی عادت تھی کہ جب کوئی
چیز صدقہ یا ہدیہ کے لئے خرید کرتے تو عمدہ اور بیش قیمت خرید کرتے۔
اور اپنے عیال کے لئے خرید کرتے تو اس میں یہ اہتمام نہ کرتے۔

م ک ۔ شقیق بلخیؒ کہتے ہیں کہ ایک بار میں ابوحنیفہؒ کے ساتھ کسی کی عیادت کو جا رہا تھا راستہ میں ایک شخص آپ کو دیکھکر چھپ گیا اور دوسرے راستہ سے نکل جانا چاہا۔ آپنے اسکو پکار کر کہا دوسرے راستہ سے کیوں جاتے ہو اُسنے دیکھا کہ امام صاحب پہچان گئے شرمندہ ہو کر کھڑا ہو گیا آپنے جب ملکر سبب دریافت کیا تو اُسنے کہا کہ مجھپر آپکے دس ہزار درہم ہیں اور باوجود مدت گذر جانیکے تنگدستی کی وجہ سے ادا نہ کرسکا اسلئے روبرو آنے سے مجھے شرم آئی فرمایا سبحان اللہ اُن درہموں سے چھپنے کی نوبت پہنچگئی وہ کل میں نے تمہیں معاف کردیا۔ اور تم سے یہ درخواست ہے کہ میری طرف سے تمہارے دلپر جو گرانی گذری وہ تم معاف کردو۔

م ک ۔ امام صاحب کے فرزند حمادؒ نے جب سورۂ فاتحہ ختم کی تو آپنے معلم کے پاس ہزار درہم بھیجکر معذرت کہلائی کہ اسوقت میرے پاس اتنے ہی ہیں اگر زیادہ ہوتے تو تعظیم قرآن کے لحاظ سے وہ سب بھیجدیتا۔

غرضکہ تجارت اور تمول سے آپنے نہ حظوظ نفسانی حاصل کئے نہ دنیوی کوئی فائدہ اٹھایا۔ بلکہ اُسکے کل مصارف فی سبیل اللہ تھے اور اپنی ذاتی گذران فقیرانہ رکھی اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے کہ مہینے بھر میں صرف دو درہم آپ کا قوت تھا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ انہی اسباب سے اکابر محدثین کے دل میں آپ کی وہ وقعت تھی کہ کسی دوسرے کی نہ تھی

م ص ک ۔ اسمعیل بغدادی کہتے ہیں کہ کسی نے یزید ابن ہارون سے پوچھا کہ آدمی کو فتویٰ دینا کب حلال ہوتا ہے فرمایا کہ جب ابوحنیفہ کے

جیسا ہو۔ اُسنے کہا حضرت آپ ایسی بات کہتے ہو کہا ہاں اس سے زیادہ کہوں گا میں نے اُنسے افقہ اور اورع نہیں دیکھا۔ ایک روز وہ کسی شخص کے دروازہ کے روبرو دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے میں نے کہا سایہ میں اگر آپ بیٹھ جاتے تو اچھا تھا کہا اس مکان والے پر میرا کچھ قرض ہے میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اُسکے گھر کے سایہ میں بیٹھوں اب کہو کہ اس سے زیادہ کیا ورع ہو گا۔ اور یحیٰی ابن زائدہ کہتے ہیں کہ میں نے جب ابو حنیفہ کو دیکھا کہ دھوپ میں بیٹھے ہیں تو اُن کو قسم دیکر پوچھا کہ سایہ چھوڑکر دھوپ میں بیٹھنے کا کیا سبب ہے۔ کہا اس مکان والے پر میرا کچھ قرض ہے میں اُسکے گھر کے سایہ کو اسوجہ سے مکروہ سمجھتا ہوں کہ کہیں وہ نفع نہ ہوجاے (کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے جس قرض سے کوئی نفع حاصل کیا جاے وہ ربٰو ہے) پھر فرمایا اس قسم کی احتیاط اور لوگوں پر واجب نہیں۔ عالم کو ضرور ہے کہ جن امور کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے اُن میں خود زیادہ احتیاط اور عمل کرے الخیرات الحسان میں بھی یہ واقعہ بالاختصار قشیریہ سے نقل کیا ہے یزید بن ہارون نے جو فتوے کے لئے ورع اور تقوے کی ضرورت سمجھی اسکی وجہ یہ ہے کہ جسکو خوف خدا ہو گا وہی سچے مسئلے دین کے بتائے گا۔ ورنہ اپنی خواہش نفسانی کے مطابق فتوے دیگا۔ جیسا کہ دیکھا جاتا ہے۔

**م ص ک** - مالک ابن سلیمان سے روایت ہے کہ حسن بن عمارہ ابوحنیفہ رح کی شان میں بدگوئی کیا کرتے تھے ایک بار کسی مسئلہ کی تحقیق کیلئے امیر کوفہ نے کل علمار کوفہ کو جمع کیا مناظرہ کے بعد سب کا اتفاق ابو حنیفہ رح کے جواب پر ہوا

جب امیر نے لکھنے کو کہا تو ابو حنیفہ نے تامل کرکے کہا کہ اس مسئلہ میں ہم سب خطا پر تھے اور ثواب وہی ہے جو حسن ابن عمارہ کہتے ہیں چنانچہ وہی لکھا گیا۔ اسکے بعد حسن بن عمارہ امام صاحب کی نہایت مدح کرتے اور کہا کرتے تھے کہ اگر ابو حنیفہ چاہتے تو میرا قول رد کردیتے اور باوجودیکہ وہ مجلس مفاخرت کی تھی مگر انہوں نے خطا کا الزام اپنے ذمہ لینے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا اس روز سے مجھے یقین ہوا کہ وہ ورع میں سب سے زیادہ ہیں۔

ہص۔ نضر بن محمد کہتے ہیں کہ چند روز بادشاہ نے ابو حنیفہ رح کو فتویٰ دینے سے منع کردیا تھا۔ اس زمانہ میں اگر انکے فرزند حماد ہی کوئی بات پوچھتے تو آپ حکم شاہی کا عذر کرکے جواب نہ دیتے۔ ایک بار حماد نے کہا حضرت یہاں تو آپ ہیں اور میں تیسرا کوئی شخص نہیں آپنے فرمایا اے لڑکے اللہ کہاں ہے یعنی اللہ تعالیٰ تو موجود ہے۔

ہص۔ ابو غانم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح ایسے شخص تھے کہ جب فتویٰ دینے کو بیٹھے ایک مسئلہ پیش ہوا جس کا جواب وہ نہ دے سکے اسکے بعد دس سال تک فتویٰ اور مجلس کو ترک کردیا۔ پھر جب تکمیل کی اور معلوم ہوا کہ لوگونکو انکے فتوے کی طرف احتیاج ہے اسوقت فتوے دینا شروع کیا۔

ہک۔ جب امام صاحب کے استاد حماد رح کا انتقال ہوا اور ان کی خدمت کو جس طرح چاہئے کوئی انجام نہ دیسکا۔ تو اصحاب حماد رح نے بالاتفاق امام صاحب سے درخواست کی کہ مسند افتا کو اپنے افادات سے آپ زینت دیں ورنہ علم ضایع ہونیکا خوف ہے امام صاحب نے کہا

اس شرط پر میں یہ کام قبول کرتا ہوں کہ آپ حضرات میں سے دس صاحب ضامن ہوجائیں کہ ایک سال تک میرے ساتھ رہیں چنانچہ انہوں نے قبول کیا ہر چند یہ مسلم تھا کہ اصحاب حماد رح میں امام صاحب ہی اس خدمت کے مستحق ہیں۔ لیکن امام صاحب کے تقوی نے یہ اجازت نہ دی کہ خود رائی سے آپ مسند نشین ہوجائیں۔ اسلئے آپنے دس صاحبوں کو منتخب کیا کہ ہر مسئلہ اُنکے شوری سے قابل نفاذ سمجھا جاے باوجود اسقدر احتیاط کے بمقتضاے خوف الہی پھر بھی کھٹکا لگا رہتا تھا چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے۔

**م ص ک**۔ یزید طحان کہتے ہیں کہ جب ابوحنیفہ رح کسی مسئلہ میں فتوی دیتے تو دیر تک سکوت کرتے پھر ایک لمبی سانس کھینچکر کہتے اللھم لاتواخذنا۔

**م ص ک**۔ ابویوسف رح کہتے ہیں کہ ایک بار میں امام صاحب کے مکان کو گیا دیکھا کہ اس قدر مغموم ہیں کہ اُن کا سبب دریافت کرنیکی بھی مجھے جرائت نہ ہوئی تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا اے ابویوسف ہم جو کام کر رہے ہیں کیا خداے تعالی اسکا سوال ہم سے کریگا میں نے عرض کی حضرت خداے تعالی آپ پر رحم کرے مجتہد کے ذمہ اسی قدر ہے کہ اجتہاد اور کوشش میں کمی نہ کرے پھر کہا اللھم اغفر پھر تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا اللھم لاتواخذنا۔

**م ص**۔ مالک ابن مغول رح کہتے ہیں کہ ایک روز میں ابوحنیفہ رح کے

پاس گیا اُسوقت ایک مسئلہ اُنسے پوچھا گیا انہوں نے اپنے اصحاب میں اُسکو پیش کیا جب سب نے خوض وفکر کرکے اُس کا حکم بیان کیا تو انہوں نے سب کے آخر میں ایک تقریر کی اُسکے بعد بہت دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے پھر سر اُٹھا کر کہا اللّٰہم انک تعلم انی انما ارید بہ وجھک یعنی یا اللہ تو جانتا ہے کہ مجھے اس سے مقصود صرف تیری ذات ہے یہ کہہ رہے تھے اور اُن کی آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ ان حالات کے معلوم ہونیکے بعد ہر شخص کی طبیعت اس بات پر گواہی دے گی کہ امام صاحب نے جو فقہ کا کام اپنے ذمہ لیا تھا اُس میں اُن کی کوئی نفسانی غرض نہ تھی اور بفضلہ تعالیٰ انھوں نے رحمہ اللہ نہایت دیانتداری سے اُس کو انجام دیا۔ بات یہ ہے کہ جس دل میں خوف خدا ہوتا ہے اُس سے جو کچھ صادر ہوگا خدا و رسول کی مرضی کے مطابق ہوگا کیونکہ بات بات میں اسکو ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں کوئی ایسا فعل یا حرکت نفسانی ایسی صادر نہو جو باعث عتاب الٰہی ہو۔ اسیوجہ سے خاصان خدا محدثین کو ورع حاصل کرنے کی ہدایت کیا کرتے تھے چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رحمہ نے بکر ابن مضر کے ترجمہ میں لکھا ہے الامام المحدث الصادق العابد ابو عبد الملک المصری کان طویل الحزن خازنا للسانہ یعنی اکثر اوقات اُنپر حزن طاری ہوتا اور خاموش رہا کرتے تھے۔ انکے فضائل ذاتی بیان کرکے لکھا ہے کہ جب محدثین اُن کے پاس آتے تو اکثر اوقات کہا کرتے تعلموا الورع یعنی احادیث کے ساتھ ورع بھی سیکھو۔

اب غور کیجئے کہ اس قدر خوف الٰہی کے بعد کیا ممکن ہے کہ کوئی بات دین میں انہوں نے ایسی ایجاد کی ہوگی۔ یا کوئی مسئلہ ایسا دل سے گھڑ لیا ہوگا جو خلاف حکم خدا و رسول ہو۔ عقل سلیم تو اسکو ہرگز قبول نہیں کر سکتی اُنکے کمال تدین ہی کی وجہ سے اکابر محدثین نے اُنکے اتباع کی ترغیبیں دیں اور بتصریح کہدیا کہ جس نے ابوحنیفہ کو اپنا پیشوا بنا لیا اُسنے احتیاط میں کمی نہ کی وغیر ذلک۔

## اب امام صاحب کی تقریر کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے

تقریر امام صاحب

چونکہ قوت تقریر کا مدار کثرت معلومات اور استحضار مضامین اور طبیعت نکتہ رس پر ہے اور ابھی معلوم ہوا کہ امام صاحب اُسوقت کے علما میں سب سے علم میں فائق اور قوت حافظہ میں ممتاز اور طبیعت نکتہ رس کے لحاظ سے بینظیر تھے ان وجوہ سے آپ کی تقریر ایسی ہوتی تھی کہ موافق تو موافق مخالف بھی دم نہیں مار سکتے تھے اور سب کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔

**م ک** ۔ یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ جب ابوحنیفہ رح کلام کرتے تو کل حاضرین کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔

**م ص ک** ۔ کنانہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ کا کل علم مفہوم اور مستعمل ہے۔ اور دوسرونکے علم میں حشو و زوائد بہت ہیں۔ میں اُن کی صحبت میں ایک مدت تک رہا۔ مگر ایک بات بھی اُنسے ایسی نہیں سنی جو قابل مواخذہ ہو یا اُسپر عیب لگایا جائے۔

**م** ۔ ابو معاویہ کہتے ہیں کہ شریک رح جہل اور حسد کی وجہ سے ابوحنیفہ رح

کے ساتھ دشمنی تو رکھتے تھے مگر جب اُن کا قول سنتے تو بیچارے سر نہ اٹھا سکتے۔

ک۔ عبدالصمد بن حسان کہتے ہیں کہ میں ایک بار سفیان کے پاس بیٹھا تھا ایک شخص نے کہا ابوحنیفہ کو جدل اور جھگڑے کا علم دیا گیا ہے انہوں نے کہا اگر تم اُنکے پاس بیٹھو تو معلوم ہوگا کہ اُن کا مثل تم نے دیکھا نہیں جب وہ شخص امام صاحب کی مجلس میں حاضر ہوا تو اس بات کا قائل ہوگیا کہ جو شخص اُونکے پاس بیٹھے اُن کی فقہ اور فہم اور ورع کی وجہ سے خاضع ہوکر اُنکے روبرو سر نہ اٹھا سکیگا۔ پھر وہ شخص ہمیشہ امام صاحب کے فضائل بیان کرکے بدگویوں کو جواب دیا کرتا تھا۔

الحاصل امام صاحب کی تقریر ایسی ہوتی تھی کہ کوئی سر نہ اٹھا سکتا۔ اب غور کیجیے کہ اس زمانہ میں امام صاحب کے مخالف محدثین کثرت سے تھے جنکی مخالفت کا اثر اب تک جاری ہے اور محدثین کی عادت تھی کہ جو بات مخالف حدیث پاتے اُس میں مناظرے کرتے یہاں تک کہ جان دینے کو مستعد ہوجاتے تھے جیسا کہ خلق قرآن کے مسئلہ میں آپنے دیکھ لیا۔ اور امام صاحب حاکم یا صاحب احتشام شخص نہیں تھے کہ اُن کے دروازہ پر روک ٹوک ہو وہ تو ہمیشہ مسجد میں بیٹھے رہتے تھے جسکا جی چاہتا مسئلہ پوچھ لیتا یا مناظرہ کرلیتا غرضکہ محدثین کی تصریحات اور عقل کی رو سے ثابت ہے کہ اُس زمانہ کے محدثین امام صاحب سے بکثرت مناظرہ کیا کرتے تھے مگر امام صاحب کی تقریر سنکر بجز انقیاد اور گردن جھکانے کے گزیر نہ تھا۔ اس سے یہ بات

باسانی معلوم ہوسکتی ہے کہ جتنے مسائل میں محدثین کو امام صاحب سے خلاف ہے
اُن میں اکثر مباحثے ہوے اور بکرّات ومرّات محدّثین کو امام صاحب نے منوا کر
چھوڑا پھر جو حضرات متدین اور منصف مزاج تھے وہ تو امام صاحب کی تعریفیں
کیا کرتے اور جو خود سر اور حاسد تھے روبرو کچھ نہ کہہ سکتے البتہ غائبانہ بدگوئی
کیا کرتے تھے جیسا کہ دنیا داروں کی عادت ہے مگر دینداروں کے نزدیک
ایسے لوگوں کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں ہوسکتی۔

**م ص ک** - یحیٰ ابن آدم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح کا کلام خالصۃً للہ تھا
اگر اس میں دنیوی امور کی آمیزش ہوتی تو اُن کا کلام آفاق میں ہرگز نافذ نہ ہوسکتا
کیونکہ اُنکے حاسد اور کسرشان کرنے والے لوگ بہت سارے تھے۔
اب غور کیجئے کہ امام صاحب کے کلام کو آفاق میں پہونچانے والے کیسے متدین
اور با وجاہت حضرات ہونگے۔ کہ حاسدوں اور مخالفوں کو ساکت کرکے اسکو
آفاق میں نافذ کر دیا اور کس زمانہ میں کہ جدہر دیکھئے حدیث ہی حدیث ہے
فقہ کی ایک کتاب بھی دنیا میں نظر نہیں آتی تھی یہ امام صاحب کی للّٰہیّت اور قوت
کلام کا اثر تھا۔

**م ص ک** - ایکبار کسی نے مسعر رح سے کہا کہ ابو حنیفہ کے دشمن کس قدر
کثرت سے ہیں یہ سُنکر مسعر رح سیدھے ہو بیٹھے اور کہا دور ہو میں نے
جب کسی کو اُنکے ساتھ مباحثہ کرتے دیکھا تو انہی کو غالب دیکھا۔

**م** - مطلب ابن زیاد کہتے ہیں کہ جب کبھی ابو حنیفہ رح نے کسی مسئلہ میں
کسی کے ساتھ گفتگو کی تو وہ شخص ذلیل اور اُن کا منقاد ہوگیا۔

م ک ۔ ابو معاویہ ضریر رح کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ رح سے اعلم نہیں دیکھا کبھی یہ خیال نہیں ہوتا تھا کہ کوئی شخص تقریر میں اُن پر غالب ہوگا۔ مباحثہ میں نہ اُن کا سا حلیم دیکھا نہ کبھی اُن کو مغلوب ہوتے دیکھا۔

ک ۔ ابو سعد الصفانی کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ کسی مسئلہ میں ابوحنیفہ رح پر غالب ہوا ہو۔

خ ۔ سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ ابوحنیفہ رح کی مخالفت ایسا شخص کر سکتا ہے جو اُنسے قدر اور علم میں بڑھا ہوا ہو اور ایسا شخص کہاں ہے۔

انصاف اسے کہتے ہیں باوجود اس تبحر کے کہ امیر المومنین فی الحدیث سمجھے جاتے تھے انصاف سے کہدیا کہ ابوحنیفہ سے مخالفت کوئی نہیں کر سکتا۔

م ۔ واقدی رح کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رح سے پوچھا کہ اہل عراق جو آپ کے یہاں آئے ہیں اُن میں افقہ کون ہیں فرمایا اہل عراق سے ہمارے یہاں کون آئے میں نے کہا ابن ابی لیلیٰ ابن شبرمہ سفیان ثوری اور ابوحنیفہ فرمایا تم نے ابوحنیفہ کا نام آخر میں لیا میں نے انکو دیکھا کہ ہمارے یہاں کے کسی فقیہ کے ساتھ انہوں نے مناظرہ کیا اور تین بار اُس کو اپنی رائے کی طرف رجوع کرا کے آخر میں کہدیا کہ یہ بھی خطا ہے۔ مطلب یہ کہ جس مسئلہ میں مناظرہ ہوا تھا اُس میں امام صاحب کے تین قول یکے بعد دیگرے ہوئے اور جس قول کے اثبات میں امام صاحب نے تقریر کی اُس فقیہ کو تسلیم کرنا پڑا اور آخری قول کو بھی قابل فتویٰ نہیں سمجھا اور فرمایا کہ اس میں بھی خطا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب کے استدلال میں وہ قوت ہوتی تھی کہ کسی کو
کلام کرنے کی گنجائش نہیں ملتی تھی اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ امام مالک رح اس مناظرہ
کو دیکھ رہے تھے اور ہر قول کی تقریر اور استدلال کو سن رہے تھے
مگر یہ نہ ہو سکا کہ کسی استدلال میں جرح کریں حالانکہ مناظرہ صرف احقاق
حق کی غرض سے ہوا کرتا ہے۔ اور ہر عالم کو حق ہے کہ اس میں دخل دیکر
احقاق حق کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب جس قول پہ دلیل پیش
کرتے وہ ایسی قوی ہوتی تھی کہ امام مالک جیسے افراد بھی اس میں جرح وقدح
نہ کر سکتے تھے تا بہ دیگرے چہ رسد آخر امام صاحب ہی کو معلوم ہوتا کہ وہ دلیل
مخدوش ہے اور رائے سے رجوع کرکے دوسرا قول اختیار کرتے
اب غور کیجئے کہ جب امام صاحب کے مقابلہ میں امام مالک رح کا یہ حال
ہو جو اس زمانہ میں امام مسلم ہو چکے تھے تو دوسرے کس قطار و شمار میں۔

**ک ت ح** ۔امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ امام مالک رح سے کسی نے
پوچھا کیا آپنے ابو حنیفہ کو دیکھا ہے کہا نعم لو کلمک فی ہذہ الساریۃ ان یجعلھا
ذھبا لقام بحجۃ یعنی ہاں دیکھا ہے وہ ایسے شخص تھے کہ اگر تم سے کہدیتے
کہ اس ستون کو سونے کا ثابت کر دینگے تو اسپر حجت قائم کر دیتے۔

**م ک ح ص** ۔عبد اللہ ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ ایک بار میں امام مالک رح
کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک صاحب آئے امام مالک رح نے ان کی بڑی
تعظیم و تکریم کی جب وہ چلے گئے تو کہا تم جانتے ہو یہ کون ہیں یہ ابو حنیفہ
ہیں اگر کہدیں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو اسپر دلیل قائم کر دیں گے حق تعالی

نے اُن کو فقہ کی توفیق دی ہے جس سے اُس کا بار اُنپر نہیں رہا اُسکے بعد
سفیان ثوری آئے اُن کو امام صاحب سے کم درجہ میں جگہ دی اور اُنکے جانیکے
بعد کہا کہ یہ سفیان ہیں اور اُن کی فقہ اور ورع کا بھی ذکر کیا۔ کردری رح نے
لکھا ہے کہ امام مالک رح نے امام صاحب کی نسبت جو کہا ہے لوکلمک فی ہذہ
الساریۃ الخ اس سے جملہ محدثین کے زعم میں امام مالک رح کی عدالت ساقط ہوگئی
عجیب بات یہ ہے یہ سب جانتے ہیں کہ لوکا مدخول محال ہوا کرتا ہے جیسا کہ
حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لوکان فیہما الہۃ الا اللہ لفسدتا دیکھئے آلہ کا وجود محال ہے
اور اگر بفرض محال ہو جاے تو فساد لازم ہے اسیطرح امام مالک رح
نے فرمایا لوکلمک فی ہذہ الساریۃ ان یجعلہا ذہبا۔ اس سے ظاہر ہے کہ
امام مالک کو یقین تھا کہ امام صاحب کا ایسا دعویٰ کرنا (یہ ستون سونے کا
ہے) محال ہے۔ اسیوجہ سے کلمۂ لو کو استعمال کیا اور فرمایا کہ اگر بفرض
محال یہ دعوے کرتے تو اُسپر بھی دلیل قائم کر دیتے چونکہ اس قسم کے
کلام میں صرف مبالغہ مقصود ہوتا ہے اِسلئے یہ نہیں کہ سکتے کہ امام مالک رح
یہ خبر دے رہے ہیں کہ امام صاحب لکڑی کے ستون کو سچ مچ سونیکا
ستون ثابت کر سکتے ہیں بلکہ اُن کو امام صاحب کا کمال تدین بیان کرکے
مبالغہ کیساتھ یہ تبلانا منظور تھا کہ استدلال میں اُن کو اعلیٰ درجہ کی قوت
اور اقتدار حاصل تھا اسیوجہ سے امام صاحب کے حاسدوں کو تشویش
آگیا۔ اور اس کلام سے امام مالک جیسے جلیل القدر امام المحدثین کی عدالت
ہی ساقط کر دی انا للہ و انا الیہ راجعون حالانکہ اسی قسم کی بات محدثین نے

امام شافعی رح کی نسبت بھی کہی ہے چنانچہ توالی التاسیس میں ابن حجر عسقلانی رح نے لکھا ہے قال ذکریا الساجی حدثنی ابوبکر ابن سعدان قال سمعت ہارون بن سعید یقول لو ان الشافعی ناظر علی ہذا العمود الذی من حجارۃ بانہ من خشب لغلب لاقتدارہ علی المناظرۃ یعنی امام شافعی رح اگر اس ستون کے باب میں جو پتھر کا ہے مناظرہ کرتے اور اس کو لکڑی کا ثابت کرنا چاہتے تو اس وجہ سے کہ ان کو مناظرہ پر اقتدار حاصل تھا غالب آجاتے "۔ غرضکہ اس قسم کی بات سے نہ امام شافعی رح اور امام صاحب کی توہین مقصود تھی نہ اُسکے قائل پر کوئی الزام عائد ہو سکتا ہے۔

**م ص ک** محمد ابن اسمعیل ابن ابی فدیک کہتے ہیں کہ میں نے مالک ابن انس رح کو دیکھا کہ ابو حنیفہ رح کا ہاتھ پکڑے ہوئے چلے جا رہے ہیں جب مسجد نبوی کے دروازہ پر پہونچے تو ابو حنیفہ کو آگے بڑھا کر آپ اُنکے پیچھے چلنے لگے۔

اس سے ظاہر ہے کہ امام مالک رح کا خیال امام صاحب کی نسبت یہ نتھا کہ جھوٹے مسئلے تراشتے ہیں بلکہ اُن کو معظم و محترم سمجھتے تھے۔

**ت م ک** جعفر ابن الربیع کہتے ہیں کہ میں پانچ سال ابو حنیفہ رح کی خدمت میں رہا اُنسے زیادہ خاموش شخص نہیں دیکھا مگر جب فقہ کی کوئی بات پوچھی جاتی تو سیل کی طرح اُن کا کلام پر زور رہتا۔

**خ ک** یحیٰی ابن آدم کہتے ہیں کہ جس مجلس میں ابو حنیفہ رح ہوتے تو کلام کا مدار انھی پر ہوتا اور جب تک وہ وہاں رہتے کوئی دوسرا بات نہ کر سکتا

م عمرو بن حماد بن طلحہ کہتے ہیں کہ جس مجلس میں ابو حنیفہ ہوتے تو کلام کا مدار انہی پر ہوتا اور جب تک وہ وہاں رہتے کوئی دوسرا بات نہ کرسکتا۔ مطلب یہ کہ امام صاحب کے روبرو مسائل شرعیہ میں بات کرنیکی ہمت کسی میں نہ تھی اسوجہ سے مجبوراً امام صاحب ہی کو کلام کرنیکی ضرورت ہوتی

م ک۔ عبداللہ بن نمیر کہتے ہیں کہ فقہا امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھتے تو انکے شاگرد سمجھے جاتے۔ اور جب امام صاحب کلام کرتے تو اُن کے کلام کی تہ تک بڑی قوت والے یعنی اعلیٰ درجے کے ذکی علما پہونچتے تھے۔

جب فقہا (جو اعلیٰ درجہ کے محدّث ہوا کرتے تھے) اُن کا یہ حال ہو تو غور کیجئے کہ معمولی محدّثین کا کیا حال ہوگا۔ آدمی شاگردی کی ذلت گوارا کرسکتا ہے مگر باوجود اسکے اگرچہ سمجھ میں نہ آئے تو مفت کی ذلت اٹھانے سے کیا فائدہ اسلئے اکثر محدّثین امام صاحب کے تلمذ اور صحبت سے محروم رہ گئے۔

م ک یحیٰ ابن آدم کہتے ہیں کہ شریک اور اُن کے رفقا ابو حنیفہ کے مقابلہ میں ایسے تھے جیسے کم عمر لڑکے کاش وہ ابو حنیفہ کے اقوال سمجھ ہی لیتے۔

ابھی معلوم ہوا کہ شریک جب امام صاحب کا قول سنتے تو سر نہ اُٹھا سکتے اور یحییٰ ابن آدم رح کے قول سے ثابت ہے کہ اُن کی لیاقت اتنی بھی نہ تھی کہ امام صاحب کی تقریر ہی سمجھ سکتے مگر بیچارے حسد کے مارے دشمنی پر مجبور رہتے تھے یہی حال اُن تمام محدّثین کا تھا جو امام صاحب کی شان میں بدگوئیاں کیا کرتے تھے جنکے کاسہ لیس آج تک موجود ہیں۔

خ ابو سلیمان کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ عجیب شخص تھے اُنکے کلام سے وہی منہ پھیرتا
ہے جو اُس کے سمجھنے پر قادر نہیں۔
اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فقہ سے اُن لوگوں نے منہ پھیرا کہ جنکی سمجھ میں
اُسکے مضامین نہیں آئے کیونکہ ایسا آدمی تو عامی اور جاہل ہے اُس کا ذکر
ہی کیا یہاں کلام محدثین میں ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ احادیث تو وہ سمجھتے تھے
مگر فقہ کو نہیں سمجھ سکتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے بعض محدثین یہ نہ سمجھ سکتے
کہ امام صاحب کے اقوال احادیث کے خلاصہ ہیں اور کوئی بات خلاف حدیث
نہیں اور ناسمجھی سے یہ خیال کر لیا کہ وہ امام صاحب کی صرف رائیں ہیں۔
اسلئے اُس سے منہ پھیرا۔ غرضکہ مقصود ابو سلیمان رحہ کا یہ ہے کہ امام صاحب کا
کوئی قول مخالف حدیث نہیں۔ مگر یہ بات ہر شخص سمجھ نہیں سکتا۔ اِسکے لئے
طبیعت نکتہ رس اور استحضار احادیث کی ضرورت ہے۔

ح ۔شعبہ رحہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابو حنیفہ کا فہم درست اور حافظہ جید تھا
لوگوں نے اُن کی تشنیع ایسے مسائل میں کی جو اُن کے سمجھ میں نہ آئے
اور ابو حنیفہ اُنسے زیادہ اُن مسائل کو جانتے تھے۔
اب دیکھئے کہ قصور تو اپنی سمجھ کا اور طعن و تشنیع امام صاحب پر کس قدر زیادتی
ہے ۔حق تعالیٰ اہل انصاف محدثین کو جزائے خیر دیوے کہ انہوں نے
فقہ کی توثیق کر کے نافہموں کا قصور ثابت کر دیا۔

ح ۔اعمش رحہ سے پوچھا گیا کہ آپ اُن لوگوں کے باب میں کیا فرماتے
ہو جو ابو حنیفہ کی بُرائیاں بیان کرتے ہیں فرمایا بات یہ ہے کہ جو مسائل

انہوں نے بیان کئے کچھ تو لوگوں نے سمجھے اور کچھ نہ سمجھے اِس لئے
اُنکے دشمن ہوگئے اور حسد کرنے لگے۔
یہ بات اوپر معلوم ہوئی کہ اعمش رح سے چند مسئلے کسی مجلس میں پوچھے
گئے جس میں امام صاحب بھی موجود تھے انہوں نے امام صاحب سے
پوچھا کہ اُن میں تمہارے کیا اقوال ہیں۔ امام صاحب نے بیان کیا مگر اعمش رح
کو تسکین نہ ہوئی اور دلیل طلب فرمائی۔ امام صاحب نے استدلال میں
وہی حدیثیں پیش کیں جو اعمش رح سے اُن کو پہونچی تھیں اور ہر ایک سے
استخراج کس طرح کیا گیا۔ اوس کا طریقہ بھی بتلا دیا۔ اعمش رح نے امام صاحب
کی تحسین کرکے فرمایا کہ تم طبیب ہو اور ہم عطار ہیں۔ اور جب حج کو گئے
تو مناسک حج امام صاحب ہی سے لکھوائے اور اُنپر عمل کیا اور شاگردوں
سے بھی لکھ لینے کو کہا۔
دیکھئے اعمش رح نے جو لوگوں کے نہ سمجھنے کا حال بیان کیا وہ اُن کا ذاتی تجربہ
تھا اسلئے کہ جن روایتوں سے امام صاحب نے استدلال کیا وہ
اعمش رح ہی سے آپ کو پہونچی تھیں اور مدتوں وہ اُنکے خزانۂ حافظہ
میں محفوظ اور ہمیشہ اُن کے پڑھنے پڑھانے میں پیش نظر رہیں۔ مگر کبھی
یہ نہ معلوم ہوا کہ اُنسے کچھ مسائل بھی نکلتے ہیں۔ پھر اعمش رح آخر امام صاحب
کے استاد ہی تھے اُن کے نازک استدلال کو فوراً سمجھ گئے اور اُسکی
داد دی بھلا ہرکس وناکس میں وہ صلاحیت کہاں اور قاعدہ کی بات
ہے کہ جب کوئی نازک بات آدمی کی سمجھ میں نہیں آتی تو جھنجھلا کر کج بحثی شروع

کرتا ہے چنانچہ اکثر غبی طلبہ کی حالت دیکھی جاتی ہے کہ جب کوئی نازک مضمون استاد بیان کرتا ہے جس کو اُسکے ہمدرس اذکیا سمجھ جاتے ہیں تو وہ لوگ ناسمجھی کے عار کو دفع کرنے کی غرض سے کج بحثی شروع کرتے ہیں جس کی انتہا دشمنی اور حسد پر ہوتی ہے یہی بات تھی جو اعمش رح نے کہی کہ امام صاحب کی باتوں کو نہ سمجھ کر بعضے دشمن ہو گئے اور حسد کرنے لگے۔

م ص خ۔ حافظ ابو حمزہ محمد ابن میمون قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کی تقریر سننے سے مجھے جس قدر خوشی ہوئی وہ لاکھ اشرفی کے ملنے سے بھی نہیں ہوسکتی۔

علی الخصوص ان میں وہ اذکیا جن کی طبیعتوں میں اعلیٰ درجہ کا مذاق علمی ہے اس خوشی کا سبب سمجھ سکتے ہیں اُن کو معلوم ہے کہ جب کوئی نازک اور دقیق بات سمجھ میں آجاتی ہے تو کس قدر خوشی ہوتی ہے کبھی تو وجد کی سی حالت طاری ہوتی ہے اور بعضے تو شادی مرگ سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ تاریخ حکمائے یونان میں لکھا ہے کہ فیثا غورس فیلسوف کی طبیعت نکتہ رس نے جب شکل عروس کی ایجاد میں کام دیا اور اُس کی سمجھ میں بات آگئی تو اُسے اس قدر خوشی ہوئی کہ بقول بعض وہ اُسی سے ہلاک ہو گیا۔ غرض پر اغبیا جس قدر نہ سمجھنے کا بُرا اثر پڑتا ہے اُسیقدر اذکیا کو سمجھنے سے خوشی پیدا ہوتی ہے یہی بات تھی کہ حافظ محمد ابن میمون رح کو امام صاحب کی تقریر سمجھنے کی اس قدر خوشی ہوئی کہ لاکھ اشرفیوں پر اسکو ترجیح دی۔ کردری رح وغیرہ نے یزید بن ہارون کا قول نقل کیا ہے کہ ابو حنیفہ رح کے اقوال کو

وہی لوگ دوست رکھتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کے علما میں اذکیا ہیں۔ اور وہی لوگ اُن کو ضبط کرتے ہیں جو اُن میں اہل فہم ہیں۔

**ک** ۔ یوسف بن خالد سمتی کہتے ہیں کہ جب میں علم حاصل کر کے ابوحنیفہ رح کے حلقہ میں گیا اور اُن کی تقریریں سنیں تو معلوم ہوا کہ علم کے چہرہ پر نقاب تھا جو اُنکی تقریروں سے اُٹھ گیا۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کونسا نقاب تھا جسکو محدثین نہ اٹھا سکے ادنیٰ تامل سے بھی ثابت ہوگا کہ ظاہری تعارض احادیث اور مضامین کا اشکال تھا جس سے طالب علم کو یقینی طور پر نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ جو وقائع پیش ہوتے ہیں اُن میں عمل کس طرح کیا جاے۔ امام صاحب نے تمام آیات و احادیث واقوال صحابہ وغیرہم کو پیش نظر رکھ کر اپنی طبیعت خداداد سے مدد لی۔ اور تعارض احادیث کو اٹھا کر اشکالوں کو ایسا حل کر دیا کہ شارع کی مراد منکشف ہوگئی۔

**خ** ۔ عبداللہ بن مبارک رح فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ رح نے علم کو ایسا منکشف کر دیا کہ کسی نے کیا ہی نہ تھا۔

جب امیرالمومنین فی الحدیث یہ گواہی دے رہے ہیں تو غور کیجئے کہ امام صاحب کا کس قدر شکریہ کرنا چاہیے۔ بات یہ ہے کہ ابہام اور اشکال کا معلوم کرنا بھی ہر کسی کا کام نہیں چنانچہ یہ حکایت مشہور ہے کہ کسی معمولی طالب علم نے کسی فاضل کے روبرو کہا کہ میں شرح جامی پڑھ چکا ہوں انہوں نے کہا اس میں تو بڑے بڑے شیر لیٹے ہیں اُسنے کہا کہ حضرت

بندہ بھی پاؤں دباکر ایسا نکلگیا کہ کسی شیر کو خبر ہی نہ ہوئی - غرضکہ امیر المؤمنین فی الحدیث کی سی طبیعت کسی کی ہو تو وہ امام صاحب کی قدر جانے اور جنکی طبیعت میں انتکال وغیرہ کا احساس ہی نہ ہو وہ کیا جانے اسیوجہ سے عبد اللہ بن یزید مقری رح نے کہا ہے کہ جو لوگ ابو حنیفہ رح کے فضل وتقدم کو نہیں جانتے وہ زندے نہیں مردے ہیں - ذکرہ فی الانتصار وغیرہ اور عبد اللہ بن مبارک رح نے ایسے لوگوں کو سفہا کہا ہے بہر حال جو عالم عاقل ہو امام صاحب کے فضل کا ضرور اعتراف کریگا -

**م ک** - ابو سفیان حمیری کہتے ہیں کہ سخت مسائل کا کشف اور احادیث مبہمہ کی تفسیر جو ابو حنیفہ رح نے کی وہ کسی سے نہ ہوسکی -

**م ص** - سعدان ابن سعید غلمی کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح اس امت کے طبیب ہیں - اسلئے کہ جہل ایسی بیماری ہے کہ اُسکی حد نہیں اور علم ایسی دوا ہے کہ اُس کی نظیر نہیں اور ابو حنیفہ رح نے علم کی ایسی شافی تفسیر کی کہ جہل جاتا رہا -

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اس تفسیر سے پہلے کس قسم کا جہل تھا اور وہ جہل کس تفسیر سے دفع ہوا - ادنیٰ تامل سے یہی ثابت ہو گا کہ مختلف احادیث و آثار سے یہ نہیں معلوم ہوسکتا تھا کہ ہر مسئلہ میں کس طرح سے عمل کیا جاے اور امام صاحب نے علم کی تفسیر جو کی وہ یہی فقہ حنفیہ ہے جس سے وہ جہل جاتا رہا -

**م ص ت** - عبد الرزاق کہتے ہیں کہ میں ایک بار معمر رح کے پاس

بیٹھا تھا کہ عبداللہ بن مبارک رح آئے معمر رح نے کہا کہ سوائے ابوحنیفہ رح کے میں کسی شخص کو نہیں جانتا جو فقہ میں عمدگی سے کلام کرے۔

ک ۔عبداللہ بن مبارک رح کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ فقہ میں ابوحنیفہ رح سے بہتر کلام کرتا ہو۔

م ک ص ۔خلف ابن ایوب کہا کرتے تھے کہ میں علما کے حلقوں میں جایا کرتا تھا مگر جو بات اُن کی تقریروں سے سمجھ میں نہ آتی تو مجھے بہت غم ہوتا اور ابوحنیفہ رح سے پوچھتا اُن کی تقریر سے وہ ایسی حل ہو جاتی کہ دل میں نور پیدا ہوتا تھا۔

م ص ک ۔ ابوسعد صغانی رح کہتے ہیں کہ جو مسئلہ میں ابوحنیفہ رح سے پوچھتا تھا ۔اُس کی شرح اور توضیح انتہا درجہ کی کرتے تھے۔

ک ۔ عمار فرات کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ بات تھی کہ میں علم میں خوب کلام کرچکا ہوں (یعنی اپنی تقریر اور علم پر ناز تھا) مگر جب ابوحنیفہ رح کی تقریر سنی تو مجھے اپنا نفس صغیر اور حقیر معلوم ہونے لگا۔

م ص ۔عبداللہ ابن مبارک رح فرماتے ہیں کہ میں ابوحنیفہ رح کی مجلس میں صبح وشام جایا کرتا تھا ایک بار حیض کے مسئلہ میں گفتگو شروع ہوئی اور تین روز تک صبح وشام ہوا کی مگر میری سمجھ میں کچھ نہ آیا آخر تیسرے روز قریب شام اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا جس سے میں نے یہ سمجھا کہ وہ مسئلہ حل ہو گیا اور یہ خوشی کا نعرہ ہے جو بے اختیار سب کی زبان سے اللہ اکبر نکل آیا۔

لت یہ حال عبداللہ ابن مبارک رح کی تھی جو امیرالمومنین فی الحدیث ہو چکے تھے کیونکہ

دیث کی تکمیل کے بعد امام صاحب کے حلقہ میں وہ شریک ہو دیکھیے وہ فرماتے ہیں
ولنت لا افہم من مسائلہم قلیلاً ولا کثیراً یعنی تین دن تک جو تقریر اس میں مسئلہ
میں ہوتی رہی وہ میری سمجھ میں کچھ نہ آئی۔ نہ تھوڑی نہ بہت۔ چونکہ وہ مستقل مزاج
تھے یہ خیال کرلیا کہ ابتدائی حالت ہر فن میں ایسی ہی ہوا کرتی ہے رفتہ رفتہ
اس میں بھی تبحر ہو جائیگا مگر اُن کی حق پسندی اور حق طلبی دیکھنے کے قابل
ہے کہ تین دن تک تضیع اوقات کرکے تبرکاً سنتے ہی رہے اور یہ نہ کہا
کہ اس جھگڑے سے کیا فائدہ اور جس طرح دوسرے طالب علم فقہ
سے محروم رہ جاتے تھے۔ آپ نہ رہے بلکہ جزم کرلیا کہ عمر بھر امام صاحب
ہی کی صحبت میں رہینگے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا کہ امام صاحب کے انتقال تک
ملازم حلقہ رہے اور کمال حاصل کیا۔ بات یہ ہے کہ جو مردانہ ہمت امیر المؤمنین
کو حاصل تھی وہ ہر کسی کو کہاں نصیب۔ اُن لوگوں نے جب دیکھا کہ طبیعت
میں صلاحیت نہیں کہ یہ وادی طے کرسکے تو جاتے جاتے امام پر کچھ الزام
دھر دیا جیسے نقل مشہور ہے کہ انگور کھٹے ہیں۔
واضح رہے کہ یہ تقریر جس کی خبر ابن مبارک رح نے دی ہے عام فہم تھی
جو مجمع میں کی گئی تھی ورنہ خاص خاص تقریریں جن میں باریک اور نازک
استدلال ہوتے وہ تو تنہائی میں ہوا کرتی تھیں جیسا کہ اس روایت سے
ظاہر ہے۔
**م ک ص**۔ ابو یوسف رح کہتے ہیں کہ جب امام صاحب کو کوئی نازک تقریر
کرنی منظور ہوتی تو خلوت میں بیٹھتے اور مسعر اور عمر ابن ذر اور ذر رحمہم اللہ کو

بلاتے پھر زفر رحمۃ اللہ علیہ چند آیات قرآنی پڑھتے اور مناظرہ ہوتا۔

الغرض امام صاحب کی تقریر کی قوت اور متانت اور برجستگی اور اس میں دقائق وحقائق کا اظہار اور استدلال کی عمدگی اور نزاکت اور بہا کا کشف اور مشکلات کا حل وغیرہ امور نے آپ کو شہرۂ آفاق بنا دیا تھا۔ اسی وجہ سے امام صاحب کا حلقۂ درس اسلامی دنیا کے اہل فضل وکمال کا مجمع اور طالبین حق کا مرجع بنا ہوا تھا۔ اب اس مرکز فیض وبابرکت حلقہ کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے۔

م ص ک حماد ابن سلمہ کہتے ہیں کہ مفتی کوفہ ابراہیم نخعی رح انکے بعد حماد ابن ابی سلیمان ہوئے جن کی وجہ سے لوگ مستغنی تھے جب ان کا بھی انتقال ہوا تو لوگوں کو ایسے شخص کی احتیاج ہوئی کہ ان کا جانشین ہو سکے ہرچند انکے فرزند ذی علم تھے اور ابوبکر نہشلی وغیرہ شاگردان حماد رح نے انسے درخواست کی مگر ان کو نحو اور کلام عرب کا مذاق زیادہ تھا اسلئے وہ فقہ کی خدمت نہ کرسکے۔ پھر ابوبکر نہشلی سے کہا گیا انہوں نے بھی انکار کیا۔ آخر ابوحنیفہ رح سے کہا گیا آپنے کہا علم کا تلف ہونا میں گوارا نہیں کرتا۔ اسلئے قبول تو کرتا ہوں مگر اس شرط پر کہ آپ حضرات میں سے دس علما میری رفاقت دیں۔ چنانچہ آپنے وہ کام شروع کر دیا ابتدا میں حماد رح کے شاگرد آپکے یہاں آتے رہے اسکے بعد ابویوسف اور زفر رح وغیرہ علمائے کوفہ شریک حلقہ ہوئے اور رفتہ رفتہ یہاں تک شہرت ہوئی کہ دو دوسرے علما اکثر شریک حلقہ ہونے لگے۔ اور امرا اور حکام کو آپ کی طرف

احتیاج ہوئی انتہی ملخصاً۔

چونکہ امام صاحب کو فن حدیث میں کمال تھا اور رائے ایسی صائب تھی کہ بسا وقت آپ کے استاد حماد رح اپنی رائے سے رجوع کرکے آپکی رائے اختیار کرتے تھے۔ حالانکہ وہ زمانہ آپ کی طالب علمی کا تھا اور استخراج مسائل میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا جسکو اکابر محدثین نے تسلیم کرلیا ہے اور استدلال آپ کا ایسا قوی ہوتا تھا کہ کوئی اُس میں کلام نہیں کرسکتا تھا اور دقیق اور مشکل مضامین کے حل کرنے میں آپ کی طبیعت وہ کام کرتی تھی جو کسی سے نہ ہو سکے۔ غرضکہ جو اسباب یگانۂ روزگار بنانے والے ہیں بفضلہ تعالیٰ آپ میں جمع تھے اسوجہ سے چند ہی روز میں آپ ایسے مشہور آفاق ہوگئے کہ بڑے بڑے محدثین آپ کے حلقہ میں آنے لگے۔

م ک ص ت۔ عبداللہ بن داود کہتے ہیں کہ اگر تم لوگ آثار اور ورع چاہتے ہو تو سفیان رح کے پاس جاؤ اور اگر دقائق چاہتے ہو تو اس کام کے لئے ابوحنیفہ ہیں۔

چونکہ فن حدیث کے جاننے اور روایت کرنے والے اُس زمانہ میں بکثرت تھے اور دقائق علمیہ بیان کرنا ہر کسی کا کام نہیں اسکے لئے اعلیٰ درجہ کی طبیعت درکار ہے اور امام صاحب کو طالب علمی کے زمانہ سے اپنی طبیعت خداداد پر وثوق ہوگیا تھا اس لئے روایت حدیث کا کام محدثین پر محول کرکے آپ دقائق علمیہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور اسمیں وہ کمال حاصل کیا

کہ شہرۂ آفاق ہوئے چنانچہ محدثین سے جب دقائق احادیث پوچھے جاتے تو آپ پر محوّل کرتے جیسا کہ عبداللہ ابن داؤد نے کیا۔

مک۔ مقاتل بن حیان جو فن تفسیر کے امام ہیں کہتے ہیں کہ میں ابوحنیفہ رح کے پاس بیٹھا ایسا شخص جسکو غوامض کے ادراک میں بصیرت تامہ ہو اُنسے بہتر نہیں دیکھا۔

ک۔ ابومعاویہ ضریر رح کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ رح نے علم کے طریقہ کی بنیاد ڈالی اور اُسکے معانی بیان کئے اور مشکلات حل کئے۔ ایسا کون شخص ہے جو اُن کے مبلغ علم تک پہونچا ہو اور کس کو وہ راہ ملی جو اُن کو ملی تھی اُنپر خدائے تعالیٰ کی بڑی منت تھی اُن کی سعی مشکور ہوئی۔

ابومعاویہ نابینا کوفہ میں معزز عالم مانے جاتے تھے ایک بار ہارون رشید نے اُن کی دعوت کی اور اپنے ہاتھ سے اُن کے ہاتھ دھلائے اور پوچھا آپ جانتے ہو کہ آپ کے ہاتھ پر پانی کون ڈال رہا ہے کہا نہیں کہا امیر المومنین یہ سنکر انہوں نے دعا دی کہ جس طرح آپنے علم کا اکرام کیا حق تعالیٰ آپ کا اکرام کرے اور آپ کے درجہ آخرت میں بلند فرماوے۔ ہارون نے کہا میری غرض یہی تھی کہ آپ کی زبان سے یہ دعا سنوں۔ ابومعاویہ رح نے جو امام صاحب کے خصوصیات بیان کئے کہ علم کی بنیاد ڈالی اور مشکلات حل کئے۔ اور جو راہ اُن کو ملی وہ کسی کو نہ ملی۔ اہل علم پر بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اُس سے یہی فقہ مراد ہے جسکو اُس زمانہ کے علما خدائے تعالیٰ کی منت سمجھتے اور امام صاحب کے ممنون ہوتے تھے

اور یہی امر امام صاحب کے حلقہ میں شریک ہونے کا باعث تھا۔

**م ک ص** - یوسف ابن خالد السمتی رح کہتے ہیں کہ میں بصرہ میں عثمان بتی کے پاس ہمیشہ جایا کرتا تھا ایک روز میرے خیال میں یہ بات آئی کہ میرا مبلغ علم اعلیٰ درجہ تک پہونچ گیا اور اس سے بہرہ کافی مجھے حاصل ہوگیا ہے مگر چونکہ اُن دنوں ابوحنیفہ رح کے علم اور فقہ کی شہرت سنی جاتی تھی میں نے کوفہ کا قصد کیا جب اُن کے حلقہ میں پہونچا اور اُن کے اصحاب کی تقریریں سُنیں تو اُسوقت مجھے اپنے علم کی حقیقت معلوم ہوئی جس کی وجہ سے میں اپنے نفس کو حقیر سمجھنے لگا اور یہ معلوم ہوا کہ اب تک علم کا کوئی مسئلہ میں نے سنا ہی نہ تھا اور جو پردہ مجھپر پڑا تھا وہ اٹھ گیا۔

دیکھیے اہل انصاف کا یہ حال تھا کہ گو اپنی ذلت کی بات تھی مگر انہوں نے صاف کہدیا کہ میں پہلے حدیث ہی کو علم سمجھتا تھا مگر امام صاحب کے حلقہ میں جب حدیث کے ثمرات اور نتایج اور نازک مضامین معلوم ہوے جنکا ماحصل فقہ ہے تو اسوقت یہ ثابت ہوا کہ بغیر فقہ علم سے بہرہ کافی حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ تمامی ارشادات سے شارع علیہ السلام کا مقصود عمل ہے۔ اور جب تک فقیہ اپنی راے اور اجتہاد سے کام لیکر ایک بات قابل عمل نہ بتلاے آدمی حیران رہتا ہے کہ کس حدیث پر عمل کیا جاے اور کونسی حدیث ترک کی جاے۔ یہی بات زہیر رح کے قول سے اوپر معلوم ہوئی ہے۔ کہ انہوں نے قسم کھا کر اپنے شاگردوں سے کہا کہ میرے پاس ایک مہینہ بیٹھنے سے ابوحنیفہ رح کے پاس ایک روز

بیٹھنا بہتر ہے حالانکہ زہیر رح کے حلقہ میں حدیث ہوتی تھی اور امام صاحب کے حلقہ میں فقہ۔

م۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ رح کے حلقہ میں اکابر کو دیکھا کہ صغار اور کم وقعت معلوم ہوتے تھے۔

م ک ص۔ فضل ابن موسیٰ رازی رح کہتے ہیں کہ ہم مشایخ حجاز و عراق کی خدمت میں جایا کرتے تھے مگر جو برکت اور نفع ابوحنیفہ رح کے مجلس میں تھا وہ کسی مجلس میں نہ تھا۔

امام صاحب کے حلقہ میں برکت اور نفع ہونے کے کئی سبب تھے ایک تو خود امام صاحب کا وجود با جود جن کی ذات سے وہ تمام برکتیں وابستہ تھیں۔ دوسرا یہ کہ اہل حلقہ تقریبًا کل علما اور محدثین ہوتے تھے کیونکہ معمولی علما اُن کی باہمی تقریریں جو تحقیق مسائل میں ہوتی تہیں سمجھ نہیں سکتے تھے۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور ظاہر ہے کہ متبحر محدثین کا مجمع کس قدر بابرکت ہوسکتا ہے تیسرا حل مشکلات و کشف مبہمات اور معلوم نہیں ان کے سوا اور کیا کیا معنوی برکات و فیوض اُن کے قلوب پر فایض ہوتے تھے۔

م ک۔ خلف ابن ایوب رح کہتے ہیں کہ میں محدثین کی مجلسوں میں جایا کرتا تھا مگر جب کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو مجھے غم ہوتا۔ پھر جب ابوحنیفہ رح کے حلقہ میں آکر اُن سے دریافت کرتا تو وہ اس خوبی سے اشکال کو حل کرتے کہ میرے دل میں ایک نورانی کیفیت پیدا ہوتی تھی۔

اس سے ظاہر ہے کہ اُس متبرک حلقہ کے ضروری مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی تھا کہ طالبین حق کے شبہات حل کئے جائیں۔

**ت ک** ۔ قاسم بن معین رہ سے کسی محدث نے کہا کیا آپ پسند کرتے ہو کہ ابو حنیفہ رہ کے لڑکوں یعنی کم درجہ کے شاگردوں میں شامل رہو۔ کہا ابو حنیفہ کی مجلس سے زیادہ کسی مجلس میں نفع نہیں ہو سکتا اگر تم خود چلکر دیکھ لوگے تو یہ معلوم ہو جائیگا۔ چنانچہ وہ اُن کے ساتھ گئے اور قائل ہو گئے کہ فی الحقیقت اُن کا مثل نہیں اور پھر انہوں نے امام صاحب کے حلقہ کو کبھی نہ چھوڑا۔ یہ واقعہ تہذیب الکمال میں بھی لکھا ہے۔ قاسم ابن معن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں اور امام صاحب کا انتساب فقہ میں ابن مسعود رض ہی کی طرف ہے اسوجہ سے اُن محدث صاحب نے اُن کو عار دلایا کہ آپ ایسے نامی وگرامی خاندان کے شخص ہو۔ پھر اس ذلت کو کیوں پسند کرتے ہو۔ مگر طالبین حق پر ایسے افسون کب اثر کر سکتے ہیں۔ انہوں نے قائل کرنیکی یہ تدبیر نکالی کہ انہی کو منصف قرار دیدیا اور فی الحقیقت وہ تھے بھی منصف قائل ہو گئے۔ دراصل یہ قاسم رح کے صدق کا اثر تھا کہ مخالف کو گرویدہ بنا دیا۔

**م ک ص** ۔ ابو معاذ بلخی رہ کہتے ہیں جو شخص ابو حنیفہ کے حلقہ میں نہیں بیٹھتا مفلس رہگیا جس میں کوئی خیر نہیں۔

لکھا ہے ابو معاذ وہ شخص ہیں کہ امام مالک رہ اُن کی نسبت اپنی آرزو ظاہر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمہارے یہاں تین شخص جو خراسان میں ہیں

ایسے ہیں کہ خالصاً لوجہ اللہ مقام کریم میں قائم ہیں اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں
اُن کو کسی کا خوف نہیں کاش وہ ہمارے یہاں ہوتے وہ تین شخص یہ ہیں
ثوریہ ابن سعد۔ اور متوکل اور ابو معاذ۔ اُنکے خلوص اور بے خوفی ہی کا اثر
تھا کہ امام صاحب کے مخالفوں کی نسبت صاف صاف کہدیا کہ وہ مفلس
ہیں جن میں کوئی خیر نہیں۔ اور ذرا بھی خیال نہ کیا کہ محدثین زمرۂ اہلحدیث
سے اُن کو خارج کردیں گے۔ لاخیر فیہم کہنے کی یہی وجہ ہوگی کہ حدیثوں
کے الفاظ یاد کرلینے سے مسلمانوں کو کیا نفع نہ کسی معاملہ میں فتویٰ دیسکتے
ہیں نہ خود اُسپر عمل کرسکتے ہیں۔

**ک** ۔ عبداللہ بن مبارک رح فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ابو حنیفہ رح کو
اس امت کے لئے رحمت پیدا کیا۔ جو شخص اُنکے حلقہ میں نہیں بیٹھا یا
اُن کے علم میں نظر نہیں کیا وہ محروم اور ناقص رہا۔
چونکہ ابن مبارک رح امیر المومنین فی الحدیث مسلّم ہو چکے تھے اِسلئے اُنکو حق
تھا کہ محدثین کو اُن کے نقص اور محرومی پر مطلع کردیں مگر افسوس ہے کہ بعض
خودسروں نے اُن کی بھی نہ مانی۔

**م ک ص** ۔ جریر بن عبدالحمید کہتے ہیں۔ مغیرہ رح نے مجھسے کہا کہ ابو حنیفہ رح
کے حلقہ کو اگر لازم پکڑو گے تو فقیہ ہو جاؤ گے اور اگر احیاناً میں جانے میں
قصور کرتا تو خفا ہو کر فرماتے کہ بلاناغہ جایا کرو۔ ہم اور ابو حنیفہ رح حماد رح
کے ہاں جایا کرتے تھے مگر جو علم کا فتح باب ابو حنیفہ رح کے لئے ہوا
وہ ہمارے لئے نہیں ہوا۔

خفگی کی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جریر رح طالب علمی کے زمانہ میں امام صاحب کی قدر کیا جان سکتے تھے اور ظاہر ہے کہ ابتدائی نظر میں طلب حدیث سے بہتر کوئی چیز نہیں معلوم ہوتی پھر اُسپر علاوہ امام صاحب کے حاسدوں کا روکنا مگر چونکہ استاد بالغ النظر تھے کمال شفقت سے اُن کو ایسی بات پر مجبور کرتے تھے جو اُن کے حق میں نافع تھی۔

م۔ خلاد سکونی رح کہتے ہیں کہ ایک روز میں زہیر ابن معاویہ کے یہاں گیا انہوں نے پوچھا کہاں سے آتے ہو میں نے کہا ابوحنیفہ کے یہاں سے فرمایا خدا کی قسم اُن کے پاس ایک روز بیٹھنا میرے یہاں ایک مہینہ بیٹھنے سے تمہارے لئے انفع ہے کما مر سابقاً۔

م ک ص۔ جریر ابن عبد الحمید کہتے ہیں کہ مغیرہ بن قاسم کہا کرتے تھے کہ اگر ابراہیم نخعی رح زندہ ہوتے تو وہ بھی ابوحنیفہ کے حلقہ کے محتاج ہوتے خدا کی قسم ابوحنیفہ حلال و حرام میں نہایت عمدگی سے کلام کرتے ہیں۔

ابراہیم نخعی رح امام صاحب کے استاد اور بڑے فقیہ تھے شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ ابوحنیفہ رح اُنکے مقلد تھے وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ اکثر امام صاحب کے اجتہاد امام نخعی رح کے اجتہادوں کے مطابق تھے۔ اس قرینہ سے شاہ صاحب نے یہ لکھدیا دراصل یہ توارد ہی تھا تقلید پر قرینہ نہیں ہوسکتا۔ دیکھ لیجئے امام صاحب کے اجتہاد اکثر امام مالک رح کے اجتہادوں کے ہی مطابق ہوا کرتے ہیں جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ پھر جب اسی زمانہ کے علما اپنی ذاتی نتائج

سے یہ تصریح کر رہے ہیں کہ ابراہیم رح بھی زندہ ہوتے تو ابو حنیفہ رح کے محتاج ہوتے تو اس گواہی کے مقابلہ میں اجمالی قرینہ قابل اعتبار نہیں اور اُسی کے موید وہ روایت ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ عثمان مدنی رح کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح حماد اور ابراہیم اور علقمہ اور ابن اسود رح سے افقہ تھے اور نیز ابن مبارک رح کا وہ قول ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ ابو حنیفہ رح اگر تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو وہ بھی اونکی طرف محتاج ہوتے۔

**م ک ص**۔ وہب ابن جریر ابن حازم رح کہتے ہیں کہ میرے والد ابو حنیفہ کے حلقہ میں بہت بیٹھے ہیں وہ ہمیشہ ابو حنیفہ کی کتابیں دیکھنے کی مجھے ترغیب دیا کرتے تھے۔

**ک**۔ جریر رح کہتے ہیں کہ جب اعمش رح سے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا تو اکثر فرماتے کہ ابو حنیفہ کے حلقہ میں جاؤ۔ اُنکے یہاں جو مسئلہ پیش ہوتا ہے وہ لوگ مباحثہ کر کے اُس کو نہایت روشن کر دیتے ہیں۔ غور کیجئے کیسا مُستند حلقہ تھا کہ اعمش رح جیسے جلیل القدر استاد المحدثین اُسکی توثیق کر کے طالبین حق کو وہاں جانے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ ایسے اکابر محدثین کی گواہیوں کے مقابلہ میں یہ کہنا کہ ابو حنیفہ نے حدیثوں کی مخالفت کی اُن محدثین پر یہ الزام لگانا ہے کہ انہوں نے بھی اس مخالفت سے حصہ لیا اور اُس کی تائید کی۔

**م ص ک ت**۔ عبداللہ ابن مبارک رح فرماتے ہیں کہ مسعر رح جب ابو حنیفہ رح کو دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے اور جب بیٹھتے تو روبرو بیٹھتے

اور مثل شاگردوں کے سوال اور استفادہ کرتے امام موفق اور سبط ابن جوزی رح نے لکھا ہے کہ مسعر وہ شخص تھے کہ حفظ اور زہد میں اہل کوفہ کو اُنسے فخر تھا اور اکابر محدثین اور خود امام صاحب کے بھی استاد تھے غور کیجئے کہ جب ایسے جلیل القدر استاد المحدثین امام صاحب کے حلقہ میں شاگردوں کی طرح بیٹھتے ہونگے تو اُس حلقہ کی کس قدر وقعت طالبین حق کے دل میں متمکن ہوتی ہوگی۔

م ص ک ابن سماک رح کہتے ہیں کہ کوفہ کے اوتاد چار ہیں سفیان ثوری اور مالک ابن مغول اور داؤد طائی اور ابو بکر نہشلی اور یہ سب ابو حنیفہ رح کے حلقہ میں بیٹھے ہیں۔

م کسی نے یحیٰی ابن معین سے پوچھا کیا سفیان ثوری نے ابو حنیفہ سے روایت کی ہو کہا ہاں ابو حنیفہ حدیث اور فقہ میں ثقہ اور صدوق تھے اور دین الٰہی پر مامون تھے۔

اگرچہ سفیان ثوری رح سے مختلف روایتیں وارد ہیں لیکن کئی روایتوں سے صفائی ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ اوائل یا اواخر میں حلقہ میں بھی بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہو۔ اور یہ کوئی مستبعد اور قابل تعجب بات نہیں اس لئے کہ ابن مبارک رح وغیرہ کی شہادتوں سے خود مسعر رح کا امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھنا ثابت ہے جو سفیان ثوری رح کے اُستاد ہیں۔

ک۔ یحیٰی ابن معین رح کہتے ہیں کہ ہم ابو حنیفہ رح کے حلقہ میں بیٹھے۔

اور اُن سے سُننے اور لکھے ہیں جب میں اُن کی طرف دیکھتا تو اُن کے چہرہ سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ خدا کا اُن کو بہت خوف ہے۔

ک ص - حارث بن عمیر کہتے ہیں کہ جب ابو حنیفہ رح مکہ معظمہ کو جاتے تو ابن جریج اور عبدالعزیز ابن رواد اُن کے ساتھ بیٹھتے اور ابن جریج اُن کی نہایت مدح کرتے اور عبدالمجید بن عبدالعزیز ابن رواد سے روایت ہے کہ جب ابو حنیفہ رح مکہ معظمہ کو آتے تو میرے والد ہمیشہ اُن کے ساتھ رہتے اور تمام کاموں میں اُن کی اقتدا کرتے اور جب کوئی مسئلہ اُن پر مشتبہ ہوتا تو اُن سے لکھ کر پوچھتے۔

م ص ک - ابو سعد صاغانی کہتے ہیں کہ حسن بن امارہ امام صاحب کے حلقہ میں اکثر بیٹھتے اور اثنائے تحقیق مسائل میں احادیث پیش کرتے تھے چنانچہ اکثر روایتیں جو ہم اُنسے کرتے ہیں وہی ہیں جنکو امام صاحب کے حلقہ میں ہم نے اُنسے سنا ہے۔ اور امام صاحب کے کہنے سے لکھ لیا ہے۔

ک - توبہ ابن سعد امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھا کرتے اور اُن کے علم سے استفادہ حاصل کرتے اور قضا میں اُن کے قول کے خلاف نہ کرتے۔ اور کہا کرتے تھے کہ وہ میرے اور میرے رب کے درمیان ہیں یعنی میں اُن کی پیروی کرتا ہوں اسوجہ سے کہ وہ اُن خصال کے جامع ہیں۔ جن کے باعث اقتدا صحیح ہے یعنی فقاہت ورع تقویٰ اور اصول کی معرفت ان تمام امور میں وہ ضرب المثل تھے۔

کردری نے لکھا ہے کہ توبہ اہل مرو کے امام اور دین کے معاملہ میں سخت تھے
چنانچہ ابن مبارک رح نے اُن کی نسبت کہا ہے کہ وہ مومن قوی القلب تھے
اور نضر ابن زیاد کہتے ہیں کہ ایک بار امام مالک رح کے پاس میں بیٹھا تھا
توبہ ابن سعد کا ذکر آیا انہوں نے فرمایا مجھے آرزو آتی ہے کہ اُن کے
جیسا ایک شخص ہمارے یہاں ہوتا۔ دیکھئے ایسے اشخاص کا ملازم حلقہ رہنا
اور یہ کہنا کہ ابو حنیفہ میرے اور خدا کے درمیان ہیں۔ کوئی معمولی بات نہیں ہے

**ک** - نوح ابن مریم کہتے ہیں کہ میں ابو حنیفہ کی صحبت اور حلقہ میں رہا ہوں
اُنکے بعد اُن کا مثل نہیں دیکھا۔

**م ص ک** - وزیر ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک کثیر جماعت
یاسین بن معاذ زیات رح کے پاس تھی۔ انہوں نے نہایت بلند آواز سے
جس طرح اذان کہی جاتی ہے۔ پکار کے کہا اے لوگو ابو حنیفہ کو غنیمت
سمجھو اور اُن کے حلقہ کو غنیمت جانو اُنسے علم حاصل کرو اُنکے جیسے عالم
کے ساتھ بیٹھنا تمہیں نصیب نہیں ہوا۔ اور نہ تم اُنسے زیادہ حلال وحرام
جاننے والے کو پاؤ گے۔ یاد رہے کہ اگر تم اُسکو کھودو گے تو علم کثیر
تم سے فوت ہوجائے گا۔

یاسین زیات بڑے نامی فقیہ تھے جیسا کہ ذہبی رح نے میزان میں لکھا ہے
کہ وہ کبار فقہاے کوفہ سے تھے اور مفتی کوفہ بھی تھے۔ جب ایسے شخص
مکہ معظمہ جیسے شہر میں جہاں روے زمین کے مسلمانوں کا مجمع سال بسال ہوا کرتا ہے
امام صاحب کے فضائل اور اُن کے حلقہ کے فوائد کی منادی کرتے ہوں

توخیال کیا جاے کہ کس قدر علما دور دراز سے اُس متبرک حلقہ میں شریک ہوتے ہونگے۔

**ک م ص** - ابراہیم ابن فیروز اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رح کو دیکھا کہ مسجد میں بیٹھے ہیں اور اہل مشرق و مغرب کا ہجوم ہے وہ مسائل پوچھتے جاتے ہیں اور آپ جواب دے جاتے ہیں اور پوچھنے والے معمولی لوگ نہیں بلکہ فقہا اور خیار الناس تھے۔

اگرچہ فتویٰ طلب کرنے والے عوام الناس بھی ہوں گے مگر اس میں شبہہ نہیں کہ محدثین کو بھی اُس کی سخت ضرورت تھی کیونکہ اختلاف احادیث و آثار جس مسئلہ میں ہوتا ہے مفتی کو یہ قول معلوم نہ ہو تو اہل علم کو سخت پریشانی ہوتی ہے۔ اور امام صاحب کی تحقیق شہرۂ آفاق ہوگئی تھی۔ اسلئے ہر ملک کے اہل حدیث کا مجمع امام صاحب کے یہاں رہا کرتا تھا۔

**ک** - ابو نعیم کہتے ہیں کہ لوگ طوعاً وکرہاً امام صاحب کے منقاد ہوے جاتے تھے آپ کے یہاں جو ہجوم رہتا تھا دن بھر اور رات کے کچھ حصّہ میں منقطع نہیں ہوتا تھا خواہ آپ مسجد میں ہوں یا مکان میں۔

**م ص ک** - خالد بن صبیح کہتے ہیں کہ ایک رات امام صاحب عشا کی نماز پڑھ کر جا رہے تھے۔ کہ زفر رح نے کوئی مسئلہ پوچھا امام صاحب نے جواب دیا مگر اُن کو تسکین نہ ہوئی اور صبح تک مناظرہ ہوتا رہا پھر نماز صبح کے بعد بھی گفتگو رہی یہاں تک کہ زفر رح کو تسکین ہوئی۔

چونکہ دینی مسئلہ کی تحقیق کی فضیلت اور ثواب بھی نوافل کے ثواب سے

کم نہیں اسلئے امام صاحب نے اُس رات خدمت علمی کو تہجد پر ترجیح دی
شاید یہاں یہ نکتہ چینی کی جائیگی۔ کہ دوسری روایتوں میں بیان کیا گیا ہے
کہ چالیس سال تک امام صاحب نے عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی
یعنی رات بھر تہجد پڑھا کرتے تھے اور اس روایت میں ہے کہ اُس رات
نماز تہجد بھی نہیں پڑھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے ناغے اُس
روایت کے منافی نہیں ممکن ہے کہ بیماری وغیرہ میں اور بھی ناغے ہوئ
ہوں مقصود اُس روایت سے یہ ہے کہ اُس مدت میں بلا وجہ کبھی آپنے ناغہ
نہیں کیا۔

ھم ص۔ مسعر رح کہتے ہیں کہ امام صاحب کے حلقہ میں لوگوں کا ایک ہجوم
اور ہنگامہ رہتا تھا کہ کوئی سوال کر رہا ہے اور کوئی مناظرہ کر رہا ہے مگر اُس
گڑبڑ میں امام صاحب جب تقریر کرتے تو سب ساکت ہو جاتے لکھا ہے
کہ اُسوقت مسعر رح کہا کرتے کہ اتنے بلند آوازوں کو جس شخص کی تقریر
سے اللہ تعالی ساکت کر دیتا ہے وہ اسلام میں ایک عظیم الشان شخص ہے

ک۔ شقیق بلخی رح کہتے ہیں کہ ایک روز ہم ابو حنیفہ رح کے پاس بیٹھے تھے
اور مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی کہ یکایک مسجد کے سقف سے ایک
سانپ امام صاحب کے سر کے محاذی نظر آیا یہ دیکھتے ہی لوگ بھاگے
اور میں بھی اُن کے ساتھ بھاگا مگر امام صاحب کو جنبش نہ ہوئی یہاں تک
کہ وہ سانپ امام صاحب کے گود میں گرا آپنے اُس کو ہاتھ سے جھٹک دیا
اور اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کی۔ اور یہی روایت مالک ابن دینار رح سے

بھی مروی ہے۔
اس روایت سے بھی ظاہر ہے کہ مسجد امام صاحب کے حلقہ سے بھری رہا
کرتی تھی ان شہادتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ امام صاحب کا حلقہ
طالبین کمال سے مالامال رہتا تھا۔ اور تقریر بالا سے یہ بھی مستفاد ہے
کہ اکثر محدثین ہی کا مجمع اس میں رہا کرتا تھا اس کا ثبوت کئی دلائل و قرائن
سے ہو سکتا ہے جن میں سے چند یہاں لکھے جاتے ہیں۔
متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ اکابر دین جیسے مسعر رح عبد اللہ ابن
مبارک رح یحییٰ ابن معین۔ مکی ابن ابراہیم۔ مقاتل ابن حیان فضل ابن موسیٰ
جریر ابن حازم۔ جریر ابن عبد الحمید۔ قاسم بن معن۔ ابو یوسف۔ محمد ابن حسن
زفر۔ داؤد طائی شقیق بلخی۔ مالک ابن دینار وغیرہم رحمہم اللہ بغرض استفادہ
امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھا کرتے تھے اور جہاں یہ حلقہ ہوتا تھا کوئی تنہائی
کا مقام نہ تھا بلکہ اکثر مسجد میں نشست تھی جہاں اہل شہر اور مسافرین اور یہ
بھی خاص کر ذی علم لوگ بے روک ٹوک چلے جاتے ہیں۔ پھر مسجد بھی کس شہر
کی جس میں محدثین کا آنا ضروریات سے تھا چنانچہ امام بخاری فرماتے
ہیں کہ دوسرے شہروں میں میں ایک ایک دو دو بار گیا اور کوفہ کو
محدثین کے ساتھ اتنے بار گیا کہ اس کا شمار نہیں۔ اگر اوروں کو امام بخاری
کا سا شوق نہ بھی ہو تو کم از کم ایک دو بار تو جانا ضروری سمجھا جاتا تھا۔
پھر یہ حلقہ نشین حضرات ایسے نہ تھے کہ طالبین فن حدیث پر مخفی رہیں
خزانہ حدیث کا ایک بڑا حصہ انہی حضرات کے یہاں تھا جن کی طلب میں محدثین کوفہ

جاتے تھے اب غور کیجئے کہ جوق جوق بلاد اسلامیہ کے محدثین جب کوفہ میں آتے اور اس حلقہ متبرکہ کی کیفیت بچشم خود دیکھ لیتے ہوں گے کہ اکابر دین زانوئے ادب تہ کئے سر جھکائے امام صاحب کے روبرو بیٹھے ہیں اور امام صاحب کی پُر زور تقریر دریا کی طرح امنڈ رہی ہے۔ اور موافق و مخالف کو مجال نہیں کہ دم مار سکے تو کیا یہ کوئی معمولی بات ہی ہاں جہلا تو اس قدر سمجھتے ہوں گے کہ ایک استاد صاحب شاگردوں کو پڑھا رہے ہیں۔ مگر اہل علم کے نزدیک یہ ایسی حیرت انگیز اور تعجب خیز بات تھی کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں۔ پھر کیا ممکن ہے کہ ایسی حیرت انگیز بات کو وہ بھول جائیں ہرگز نہیں جہاں جہاں کے محدثین آکر یہ واقعہ دیکھتے تھے اپنے اپنے احباب اور ملاقاتیوں کے روبرو منجملہ اور عجائبات کے اسکو زیادہ تر ضروری الذکر سمجھ کر بیان کرتے تھے اسوجہ سے چند ہی روز میں یہ خبر تمامی اسلامی ممالک میں حد تواتر کو پہونچ گئی تھی۔

اب غور کیجئے کہ اس متواتر خبر کو سنکر اس زمانہ میں جو اہل اسلام کی ہمتیں تحمیل علوم کی طرف عموماً متوجہ تھیں کیا طالبین کمال محدثین کو اس متبرک حلقہ کے دیکھنے اور اس سے مستفید ہونے کا شوق نہ ہوتا ہوگا۔ عقل سلیم گواہی دیتی ہے کہ یہ خبر متواتر ان کو کشاں کشاں اس حلقہ کی طرف ضرور لاتی تھی۔ پھر علاوہ اس خبر متواتر کے ہر ملک و دیار کے محدثین نے جو امام صاحب کی تعریفیں کیں وہ حد سے زیادہ ہیں۔ اسوقت امام صاحب کے مناقب کی جو کتابیں ہمارے پیش نظر ہیں حالانکہ بہت تھوڑی ہیں۔

باوجود اسکے جن محدثین نے آپ کی تعریفیں کیں اور اپنے چشم دید واقعے بیان کئے اس کثرت سے اُنہیں مذکور ہیں کہ ہم بالاستیعاب اُن کو نہ لکھ سکے۔ اگرچہ جس قدر لکھے گئے ہیں وہ بھی اتنے ہیں کہ بے تعصب منصف مزاج کے اطمینان کے لئے کافی و وافی ہو سکیں مگر قابل غور یہ بات ہے کہ جو کتابیں ہم تک نہیں پہونچیں وہ کتنی ہوں گی اور اُن میں کتنے محدثین سے امام صاحب کے فضائل مروی ہوں گے۔

الحاصل اکابر محدثین نے امام صاحب کی نسبت جو فرمایا ہے جسکو آپنے ابھی دیکھ لیا کہ ہم لوگ عطار ہیں اور آپ طبیب حاذق۔ آپ کا سا دقیقہ شناس عالم عاقل ذکی ذی فہم صاحب حافظہ۔ دنیا میں نہیں۔ آپ کا مثل اور تو کیا طبقۂ تابعین میں کبھی نہیں دیکھا گیا آپ کا مثل بہت تلاش کیا مگر نہ ملا۔ آپ اعلم الناس اور افقہ الناس اور اورع الناس ہیں کوئی عالم آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا جس نے آپ سے مباحثہ کیا وہ مغلوب اور ذلیل ہوا۔ متفرق علما کے پاس جس قدر علم ہے وہ سب آپکے پاس جمع ہے صحابہ میں جو علم تقسیم ہوا تھا وہ سب آپ کے یہاں ہے زمانہ کے لوگ جس علم کی طرف محتاج ہیں وہ آپ خوب جانتے ہیں اور جو علم آپ نہیں جانتے وہ وبال جان ہے۔ آپنے علم کی جو تفسیر کی ہے وہ کسی سے نہ ہو سکی۔ مشکل حدیثوں کو جس طرح آپنے حل کیا کوئی نہ کر سکا۔ تمام علما تفسیر احادیث میں آپ کے محتاج ہیں۔ آپ فقہ و فتویٰ میں موید من اللہ ہیں۔ سید الفقہا ہیں۔ جو شخص آپ کے حلقہ میں

نہ بیٹھا وہ مفلس اور محروم رہ گیا وغیرہ وغیرہ۔ ان امور کی شہرت سے مُستند
اور متدین محدّثین کے نزدیک آپ ایسے نیک نام تھے کہ احادیث موضوعہ کو
رواج دینے والے کہا کرتے تھے کہ یہ روایت ابوحنیفہ سے ہمیں پہنچی
ہے تاکہ کوئی چون وچرا نہ کر سکے۔ چنانچہ میزان الاعتدال میں آبا ابن جعفر
کے ترجمہ میں ابن حبان کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اُس کی عادت
تھی کہ مسجد جامع میں صباحی رح کے مقابل بیٹھ کر حدیثیں بیان کرتا ایک روز
میں اُس کا سرمایہ حدیث معلوم کرنے کی غرض سے اُسکے گھر گیا۔ اُسنے حدیثوں کا
ایک ذخیرہ پیش کیا اُس میں دیکھا کہ تین سو سے زیادہ حدیثیں ابوحنیفہ رح سے
مروی ہیں۔ حالانکہ ابوحنیفہ نے وہ روایتیں کبھی نہیں کیں میں نے کہا اے
شیخ خدا سے ڈر جھوٹ مت کہ اسپر وہ بہت برہم ہوا آخر میں اُٹھکر چلا آیا
اور اُسی میں احمد بن یعقوب کے ترجمہ میں حاکم کا قول نقل کیا ہے کہ وہ
حدیثیں بنا کر لوگوں میں روایت کرتا کہ یہ روایتیں مجھے ابوحنیفہ سے پہونچی
ہیں غرضنکہ امام صاحب محدّثین میں مشہور و معروف اور مستند تھے۔
ایسے شخص کی نسبت اساتذہ اہل حدیث کی چشمدید مذکورہ بالا شہادتیں جب
شہرہ آفاق ہوئی ہونگی تو عقل سلیم ہرگز قبول نہیں کرتی کہ ان کا اثر کچھ نہ ہوا
ہو۔ یہ بات دوسری ہے کہ بعض طالب علم دقیق مضامین سمجھ نہ سکنے کی وجہ
سے اُس حلقہ میں ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ اُنسے ہمیں بحث نہیں۔ کلام ہمارا
اُن محدثین میں ہے جو مستقل مزاج ذکی حق پسند و حق طلب تھے جن کو
دقائق حدیث سمجھنے اور احادیث کے اشکال حل کرنیکی ضرورت کا احساس تھا

وہ تو امام صاحب کے حلقہ میں ضرور شریک ہوتے اور حاسدین کے اقوال کو
لغو سمجھ لیتے تھے۔ دیکھ لیجئے عبداللہ ابن مبارک رح کو ان لوگوں نے کس
طرح بہکانا چاہا تھا مگر انہوں نے ایک کی نہ سُنی اور اُس متبرک حلقہ میں پہونچ
ہی گئے۔ اور امام صاحب کے فیضان صحبت کو دیکھ کر صاف کہدیا کہ اگر
اُن سفہا کی باتوں کا میں یقین کر لیتا تو مفلس اور محروم رہجاتا اور بازاری جاہل
و بدعتی ہوجاتا اور طلب حدیث میں جس قدر محنت کی تھی اور مال صرف کیا
تھا سب ضائع ہوجاتا" اس میں شک نہیں کہ حسّاد اور غبی طلبہ امام صاحب کے
حلقہ کے دشمن تھے اور اقسام کے افتراپردازیاں کرکے وہاں جانے
سے لوگوں کو روکتے تھے مگر مستقل مزاج اور طالبین کمال اکابر محدثین
کی شہادتوں کے مقابلہ میں اُن کے قول کو لغو سمجھ کر نفس الامر کی تحقیق
کے لئے ضرور حلقہ میں جاتے پھر پہلے پہل جب اُن کی نظر امام صاحب
کے چہرہ پر پڑتی تو آپ کے تقویٰ اور خوف و خشیت الٰہی پر خود اُنکے دل گواہی
دیتے جس سے طالبین حق اور خالصاً لوجہ اللہ تحصیل علم کرنے والوں کو یقین
ہوجاتا کہ ممکن نہیں کہ ایسے متقی باخدا شخص دین میں کوئی بات خلاف مرضی
خدا و رسول احداث کریں۔ پھر جب تقریر سنتے تو نور علیٰ نور کا مضمون
صادق آجاتا اور اگر ابتدا میں بعض غوامض تقریر سمجھ میں نہ آتی تو خیال کر لیتے
کہ رفتہ رفتہ اُنکے سمجھنے کی بھی استعداد ہوجائیگی جیسا کہ عبداللہ ابن مبارک رح
نے کہا اور جن طبیعتوں میں چنداں خوف خدا یا استقلال یا دقیق و لطیف
مضامین سمجھنے کی صلاحیت نہ تھی وہ عدم مناسبت طبعی کی وجہ سے حلقہ سے

خارج ہو کر حاسدوں اور غبی طلبہ کی جماعت کو قوت دیتے جس سے بھولے بھالے محدثین اس متبرک حلقہ میں جانے کو بھی برا سمجھتے اور صرف سنی سنائی باتوں پر امام صاحب سے مخالفت رکھتے تھے۔ الحاصل تمام ممالک اسلامیہ کے منتخب حق پسند محدثین جن کی طبیعتوں میں استقلال اور مزاجوں میں تدین اور اذہان میں صفائی اور افہام میں رسائی تھی وہ امام صاحب کے حلقہ میں ضرور شریک ہو کر تحقیق مسائل کے وقت اپنا علمی سرمایہ جو شہر بشہر اور قریہ بقریہ پھر کر جمع کیا تھا پیش کیا کرتے جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا۔

یوں تو امام صاحب کے حلقہ میں مسئلے پوچھنے کے لئے جہلا اور شبہات رفع کرنے کے لئے طلبہ بھی آتے تھے مگر وہ ارکان حلقہ اور شاگرد نہیں سمجھے جاتے تھے۔ ارکان حلقہ وہ حضرات تھے جو تحصیل حدیث سے فراغت پاکر تفقہ حاصل کرنیکے لئے آتے تھے۔ دیکھئے امام ابو یوسف اور امام محمد رح حالانکہ امام صاحب کے اعلیٰ درجہ کے شاگرد ہیں مگر انہوں نے کبھی حدیث امام صاحب سے نہیں پڑھی جیسا کہ کردری رحہ نے مناقب میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسف رحہ نے تحصیل حدیث ابواسحٰق ۔ وسلیمان اعمش ۔ ہشام ابن عروہ و عبداللہ بن عمر العمری و حنظلہ ابن ابی سفیان ۔ وعطار ابن السائب اور لیث ابن سعد وغیرہ رحمہم اللہ سے کی ہے اور لکھا ہے کہ امام محمد رحہ نے مسعر بن کدام اور ثوری اور عمرو ابن دینار اور امام مالک اور ابی عمر اوزاعی اور زمعہ بن صالح اور بکر وغیرہ رحمہم اللہ سے تحصیل حدیث کی ہے اور وکیع رحہ کا قول

نقل کیا ہے کہ تحصیل حدیث کے زمانہ میں ہم اُنکے ساتھ چلنے کو پسند نہیں کرتے تھے اس وجہ سے کہ وہ نہایت خوبصورت لڑکے تھے غرضکہ حدیث کی تحصیل انہوں نے امام صاحب سے نہیں کی۔

م۔ ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ ہم جھوٹ کبھی نہ کہیں گے فقہ میں ہمارے امام ابوحنیفہ ہیں اور حدیث میں سفیان " اس سے ظاہر ہے کہ حدیث انہوں نے باہر پڑھی۔

م ص۔ فضل ابن جعفر کہتے ہیں کہ روح بن عبادہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ رح سے بہت کم سنا ہے اور جس قدر سنا ہے وہ میرے نزدیک بہت سارے مسموعات ومرویات سے زیادہ تر محبوب ہے کسی نے پوچھا پھر آپ اُن کے حلقہ میں زیادہ کیوں نہیں بیٹھتے کہا میں نے پہلے شعبہ رح کے حلقہ کا التزام کیا اُسکے بعد ابن جریج کے یہاں گیا اور میری رائے یہ تھی کہ آخر میں کوفہ کا طریقہ اختیار کروں اور ابوحنیفہ کے حلقہ میں بیٹھوں مگر ابن جریج رح ہی کے یہاں اُنکے انتقال کی خبر آئی یعنی اُن کا ارادہ یہ تھا کہ ان اکابر محدثین کے یہاں تحصیل حدیث کر کے امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھنے کی صلاحیت پیدا کریں اس سے ظاہر ہے کہ بعد تحصیل حدیث امام صاحب کے حلقہ میں جایا کرتے تھے الحاصل تقریر بالا سے واضح ہے کہ اُس زمانہ کے تقریباً تمام منصف مزاج محدثین امام صاحب کے حلقہ میں منسلک تھے۔ مگر چونکہ تمام بلاد اسلامیہ کے محدثین کی فہرست لکھنا کوئی آسان کام نہیں اور نہ امام صاحب کی

طبیعت میں تعلی تھی کہ افتخار کی غرض سے ایک رجسٹر بناتے جس میں وقتاً فوقتاً
جو لوگ شریک حلقہ ہوتے اُنکے نام لکھدیے جاتے اسلئے کل تلامذہ کی
فہرست نہ ملسکی۔ چنانچہ خیرات الحسان میں لکھا ہے کہ امام صاحب سے
جن لوگوں نے حدیث وفقہ لی ہے اُنکا استیعاب متعذر ہے اور ضبط ممکن
نہیں۔ اسوجہ سے بعض ائمہ حدیث نے کہا ہے کہ جس قدر امام صاحب
کے اصحاب اور تلامذہ تھے کسی امام کو اُتنے نصیب نہ ہوسے مگر سیرۃ النعمان
میں لکھا ہے کہ حافظ ابو المحاسن شافعی نے نوسو اٹھارہ شخصوں کے نام
بقید نسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقہ درس میں مستفید ہوئے غالباً
یہ تعداد مشہور محدثین کی ہوگی یا اُن محدثین کی ہوگی جو اکثر ملازم حلقہ رہا کرتے تھے
اور اس کا ثبوت رد المختار سے بھی ملتا ہے چنانچہ اُس میں بحوالہ
طحطاوی رح لکھا ہے کہ فقہ کے جمع کرتے وقت ایک ہزار عالم امام صاحب
کے ساتھ تھے جس میں چالیس شخص درجہ اجتہاد کو پہونچے ہوئے تھے
اتنے علما میں مسئلہ میں تحقیق ہوتی اور سب کے اتفاق سے جب طے ہوتا
تو اسوقت کتاب میں لکھا جاتا تھا۔

اب ہم چند اکابر محدثین کے نام تبرکاً لکھتے ہیں جو تحصیل فقہ کی غرض سے
امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھتے اور اپنا اندوختہ سرمایۂ حدیث بحسب
ضرورت پیش کرتے تھے اور امام صاحب کی تقریر اور طریقہ اجتہاد
میں غور کرتے جاتے تھے کہ جن احادیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے
کس طرح اوٹھایا جاتا ہے اور بعض احادیث کے ظاہری معنی سے عدول

کن ضرورتوں سے کیا جاتا ہے۔"
عبداللہ بن مبارک رح تہذیب التہذیب میں ابن حجر عسقلانی رح سے لکھا ہے کہ عبداللہ ابن مبارک رح ان حضرات کے شاگرد ہیں سلیمان تیمی بصری حمید الطویل بصری۔ اسمعیل ابن ابی خالد کوفی یحییٰ ابن سعید الانصاری بخاری مدنی۔ سعد ابن سعید الانصاری مدنی۔ ابراہیم ابن ابی عبلہ مقدسی ابی خلدہ خالد ابن دینار بصری۔ عاصم الاحول بصری۔ ابن عون بصری۔ عبداللہ ابن عمر مدنی۔ عکرمہ ابن عمار یمامی۔ عیسیٰ ابن طہمان البصری ثم الکوفی مطر ابن خلیفہ کوفی۔ محمد ابن عجلان مدنی۔ موسیٰ ابن عقبہ مدنی۔ ابراہیم بن عقبہ مدنی۔ اعمش کوفی۔ ہشام ابن عروہ مدنی۔ ثوری کوفی۔ شعبہ واسطی۔ اوزاعی دمشقی۔ ابن جریج مکی۔ مالک مدنی۔ لیث مصری۔ ابی ابن ذئب مدنی۔ ابراہیم بن طہمان نیشاپوری۔ ابراہیم بن نشیط مروزی۔ ابی بردہ یزید بن عبداللہ بن ابی بردہ کوفی حسین المعلم بصری حیوۃ بن شریح مصری خالد بن سعید الاموی۔ خالد عبدالرحمن بن بکر السلمی بصری۔ زکریا بن اسحٰق مکی۔ زکریا بن ابی زائدہ کوفی۔ سعید بن ابی عروہ بصری۔ سعید بن ابی ایوب بصری۔ ابی شجاع سعید بن یزید القتبانی۔ اسکندرانی۔ سعید بن ایاس الجریری۔ سلام بن ابی مطیع بصری۔ صالح بن صالح بن حی کوفی۔ طلحہ بن ابی سعید مصری۔ عبدالملک بن ابی سلیمان کوفی۔ عمر بن ذر کوفی۔ عمر بن سعید بن ابی حسین مکی محمد بن عمر بن فروخ۔ عمرو بن میمون بن مہران کوفی۔ عوف الاعرابی۔ محمد بن ابی حفصہ بصری۔ معمر بن راشد بصری۔ ہشام بن حسان بصری۔

وہیب بن الورد مکی۔ یونس بن یزید الایلی۔ ابی بکر بن عثمان بن سہل بن حنیف مدنی وخلق کثیر اُسکے بعد اُن کے شاگردوں کی یہ فہرست لکھی۔ ثوری۔ معمر بن راشد۔ ابواسحق الفزاری جعفر بن سلیمان الضبعی۔ بقیۃ بن الولید۔ داؤد بن عبدالرحمن العطار۔ ابن عیینہ۔ ابوالاحوص۔ فضیل بن عیاض۔ معمر بن سلیمان۔ ولید بن مسلم ابوبکر بن عیاش وغیرہم یہ وہ حضرات ہیں جو اُنکے شیوخ اور اقران ہیں۔ اور مسلم بن ابراہیم۔ ابواسامہ۔ ابوسلمہ التبوذکی۔ نعیم بن حماد۔ ابن مہدی۔ قطان۔ اسحق بن راہویہ۔ یحیی بن معین۔ ابراہیم بن اسحق الطالقانی۔ احمد بن محمد مردویہ۔ اسمعیل بن ابان الوراق۔ بشیر بن محمد السختیانی۔ حبان بن موسی۔ حکم بن موسی۔ زکریا بن عدی۔ سعید بن سلیمان۔ عمرو الاشعثی۔ سفیان بن عبدالملک المروزی۔ سلمۃ بن سلیمان المروزی۔ سلیمان بن صالح سلمویہ۔ عبداللہ بن عثمان عبدان۔ ابوبکر وعثمان بیٹے ابی شیبہ کے۔ عبداللہ بن عمر بن ابان الجعفی۔ علی بن الحسن بن شقیق۔ عمرو بن عون۔ علی بن حجر۔ محمد بن الصلت الاسدی۔ محمد بن عبدالرحمن بن سہم الانطاکی۔ ابوکریب۔ ابوبکر بن اصرم۔ منصور بن ابی مزاحم۔ محمد بن مقاتل المروزی۔ یحیی بن ایوب المقابری۔ سعید بن نصر۔ اور خلق کثیر اور اسی میں ابن مہدی کا قول نقل کیا ہے کہ ائمہ چار ہیں۔ ثوری۔ مالک۔ حماد بن زید۔ اور ابن مبارک۔ اور شعیب کا قول ہے کہ جس سے ابن مبارک نے ملاقات کی وہ اُس سے افضل تھے یعنی کل ملاقاتی محدثین سے۔ امام احمد رح کا قول ہے کہ اُنکے زمانہ میں اُنسے زیادہ علم طلب کرنیوالا

کوئی شخص نہ تھا اور ابواسامہ نے بھی یہی کہا ہے فضیل بن عیاض رح نے انکے انتقال کے بعد کہا کہ انہوں نے اپنا مثل نہیں چھوڑا۔ ابو اسحٰق فزاری کا قول ہے کہ ابن مبارک امام المسلمین ہیں۔ ایک جگہ اکابر محدثین کا مجمع تھا سب نے کہا کہ ابن مبارک رح میں کیا کیا فضائل اور ابواب خیر جمع تھے گننا چاہیئے چنانچہ یہ امور بالاتفاق بیان کئے گئے۔ علم حدیث۔ فقہ۔ ادب۔ نحو۔ لغت۔ شعر۔ فصاحت۔ زہد۔ ورع۔ خاموشی۔ قیام اللیل عبادت۔ حج۔ جہاد۔ گھوڑے کی سواری۔ قوت جسمانی۔ لایعنی باتوں کا ترک۔ قلت مخالفت۔ ابن معین کا قول ہے کہ جن کتابوں سے انہوں نے حدیث بیان کیا بیس یا اکیس ہزار تھیں۔ اسمٰعیل بن عیاش کا قول ہے کہ روے زمین پر ابن مبارک رح جیسا کوئی شخص نہیں اور کوئی خصلت خیر ایسی نہیں جو انمیں نہ تھی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ بہت سی کتابیں ابواب علم میں انہوں نے تصنیف کیں۔ حسن بن عیسٰی کہتے ہیں کہ وہ مجاب الدعوۃ تھے۔ ابو وہب کہتے ہیں کہ ابن مبارک رح کا کسی نابینا پر گذر ہوا اس نے درخواست کی کہ میرے لئے دعا کریں میں دیکھ رہا تھا کہ ادہر انہوں نے دعا کی اور ادہر اس کی آنکھوں میں بصارت آگئی۔ یحیٰی بن یحیٰی اندلسی کہتے ہیں کہ ایک بار ہم امام مالک رح کی مجلس میں بیٹھے ہوے تھے کہ ابن مبارک آے امام نے ہٹ کر ان کو اپنے نزدیک جگہ دی۔ ایک شخص حدیث کی قرارت کر رہا تھا بعض بعض مقامات میں امام انسے پوچھتے تھے کہ اس باب میں تمہارے پاس کیا ہے وہ دبی آواز سے جواب

دیتے تھے بعد برخواست امام مالک رح نے اُنکے ادب پر تعجب کیا اور فرمایا کہ یہ ابن مبارک فقیہ خراسان ہیں خلیلی رح نے ارشاد میں کہا ہے کہ ابن مبارک متفق علیہ امام ہیں۔ اور اُن کی کرامتیں بے شمار ہیں کہا جاتا ہے کہ وہ ابدال سے تھے حسن بن عرفہ کہتے ہیں کہ شام میں انہوں نے کسی سے ایک قلم مستعار لیا تھا خراسان پہونچنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بھولے سے ساتھ آگیا ہے تو صرف اُس کو واپس کرنیکے لئے خراسان سے شام کو تشریف لے گئے۔ اور اُس بار امانت سے سبکدوش ہوئے امام نسائی کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ ابن مبارک رح کے زمانہ میں کوئی شخص اُنسے زیادہ بزرگ اور اعلےٰ درجہ والا اور جمیع خصائل حمیدہ کا جامع موجود تھا۔

سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ محدّث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں اُن کا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے " وہ امام جس کی امامت وجلالت پر ہر باب میں عموماً اجماع کیا گیا ہے جسکے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے جس کی محبت سے مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے۔ اور تاریخ ابن خلکان سے اسی میں نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید رقہ گیا۔ اسی زمانہ میں عبد اللہ بن مبارک بھی رقہ پہونچے۔ اُن کے آنیکی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑے اور اس قدر کشمکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں ہزاروں آدمی ساتھ ہوئے اور ہر طرف گرد چھا گئی۔ ہرون الرشید کی ایک حرم نے جو برج کے غرفے سے تماشا دیکھ رہی تھی

حیرت زدہ ہوکر پوچھا کہ یہ کیا حال ہے۔ لوگوں نے کہا خراسان کا عالم آیا ہے جس کا نام عبداللہ بن المبارک ہے" بولی کہ حقیقت میں سلطنت اسکا نام ہے۔ ہارون الرشید کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہوسکتا انتہیٰ۔

امام احمد رح وغیرہ کی تصریحات کے قرائن سے ظاہر ہے کہ عبداللہ بن مبارک امام وقت اور افضل المحدثین اور تقریباً کل حدیثیں انکو ازبر تھیں دیکھئے اس تبحر پر اسبات کے قائل تھے کہ ہر محدث امام صاحب کے علوم کی طرف محتاج ہے بلکہ تابعین بھی ہوتے تو ان کی طرف محتاج ہوتے اور عملی طور پر اس مضمون کو محدثین کے ذہن نشین کردیا کہ بعد تکمیل حدیث عمر بھر امام صاحب ہی کی خدمت میں رہے جیسا کہ بستان المحدثین وغیرہ سے ظاہر ہے اور امام صاحب کے انتقال کا بڑا ہی صدمہ اُنپر ہوا۔ چنانچہ قبر پر جاکر زار زار روتے اور کہتے کہ خدا آپ پر رحمت نازل کرے ابراہیم نخعی اور حماد ابن سلیمان نے مرتے وقت اپنا خلف چھوڑا تھا اور آپنے اپنا خلف نہیں چھوڑا یعنی دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں جو آپ کا قائم مقام ہوسکے۔

**مسعر ابن کدام** رح تذکرۃ الحفاظ میں اُن کا ذکر ان لفظوں میں کیا۔ الامام الحافظ احد الاعلام اور لکھا ہے کہ انہوں نے علی ابن ثابت وحکم ابن عتیبہ۔ وقتادہ وعمرو بن مرہ اور اُن کے طبقہ سے روایت کی ہے اور اُنسے سفیان وابن عیینہ ویحییٰ قطان ومحمد ابن بشر ویحییٰ ابن آدم وابونعیم وخلاد ابن یحییٰ اور خلق کثیر نے روایت کی ہے یحییٰ ابن قطان کہتے ہیں کہ

اُنسے اثبت میں نے نہیں دیکھا۔ امام احمد رح نے ثقہ کی مثال دی ہے کہ جیسے شعبہ اور مسعر۔ وکیع رح کہتے ہیں کہ مسعر کا شک اوروں کے یقین کے برابر ہے۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ اعمش رح سے لوگوں نے کہا کہ مسعر نے حدیث میں شک کیا ہے انہوں نے کہا اُن کا شک بھی دوسروں کے یقین کے برابر ہے شعبہ کہتے ہیں کہ مسعر کا نام اُنکے اتقان کی وجہ سے ہم لوگوں نے مصحف رکھا تھا۔ ابوجعفر منصور نے اُن کو والی بنانا چاہا مگر انہوں نے لطائف الحیل سے ٹالدیا اُن کا قول ہے کہ جو شخص سرکہ اور بقول پر صبر کرے وہ کسی کا غلام نہ بنے گا۔ حکومت وغیرہ تعلقات دنیوی کو وہ غلامی سمجھتے تھے اسیوجہ سے آزاد رہے۔ ایسے جلیل القدر محدث امام کا یہ حال تھا کہ امام صاحب کو جب دیکھتے تو کھڑے ہوجاتے۔ اور حلقہ میں آپکے روبرو بیٹھتے۔ اور مثل شاگردوں کے سوالات کرتے۔ حالانکہ آپ امام صاحب کے استاد بھی تھے جیساکہ امام موفق اور سبط ابن جوزی رح نے لکھا ہے۔ کما مر۔

**وکیع ابن الجراح** ۔ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا "الامام الحافظ الثبت محدث العراق"، اور لکھا ہے کہ انہوں نے ہشام ابن عروہ اور اعمش اور اسمعیل ابن ابی خالد اور ابن عون اور ابن جریج اور سفیان اور اوزاعی اور خلائق سے روایت حدیث کی ہے اور امام احمد وغیرہ کے استاد ہیں۔ امام احمد کہتے ہیں کہ جامعیت علم اور حافظہ میں انسے بڑھا ہوا شخص میں نے نہیں دیکھا۔ یحیی کہتے ہیں کہ اُنسے افضل میں نے نہیں دیکھا

ابراہیم ابن شماس کا قول ہے کہ اگر میں کچھ تمنا کرتا تو اِن امور کی کرتا۔ ابن مبارک کی عقل۔ وکیع کا حفظ عیسیٰ ابن یونس کا خشوع۔ مروان ابن محمد کہا کرتے تھے کہ جس کی میں نے ثنا و صفت سنی جب دیکھا تو ویسا نہ پایا۔ البتہ وکیع کے جتنے اوصاف سنے اُس سے زیادہ پائے ابن عمار کہتے ہیں کہ وکیع کے زمانہ میں اُنسے افقہ اور حدیث کو زیادہ جاننے والا کوفہ میں کوئی نہ تھا۔ امام احمد رح کہتے ہیں کہ میری آنکھوں نے وکیع کا مثل کبھی نہیں دیکھا جو حافظ حدیث ہو اور ورع اور اجتہاد کے ساتھ فقہ میں کلام کرے۔ حماد بن مسعدہ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو بھی دیکھا ہے مگر وہ وکیع کے مثل نہ تھے۔ سیرۃ النعمان میں تہذیب الاسماء واللغات مولفہ علامہ نووی رح سے لکھا ہے کہ امام احمد رح وکیع کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو ان لفظوں سے شروع کرتے تھے "یہ حدیث مجھسے اُس شخص نے روایت کی ہے کہ تیری آنکھوں نے اُس کا مثل نہیں دیکھا"۔ یحییٰ ابن معین جو فن رجال کے ایک رکن خیال کئے جاتے ہیں اُن کا قول ہے کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جسکو وکیع پر ترجیح دوں خطیب بغدادی نے تاریخ میں لکھا ہے۔ کان یفتی بقول ابی حنیفہ وکان قد سمع منہ شیئاً کثیراً انتہیٰ۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ اور الخیرات الحسان میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**مقری**۔ تذکرۃ الحفاظ میں ان القاب سے اُنکے ترجمہ کی ابتدا کی ہے"

الامام المحدث شیخ الاسلام ابو عبدالرحمن اور لکھا ہے کہ انہوں نے ابن عون اور ابو حنیفہ اور کہمس اور شعبہ اور عبدالرحمن افریقی اور سعید بن ابی ایوب وحرملہ ابن عمران و یحیٰی ابن ایوب - اور اُن کے طبقہ سے روایت کی ہے اور اُنسے بخاری وغیرہ نے - تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ ابو حاتم اور نسائی وغیرہ نے اُن کی توثیق کی ہے اور ابن مبارک رح سے جب اُن کا حال پوچھا جاتا تو فرماتے "زرزدہ" یعنی زر خالص اور ابن سعد نے کہا ہے کہ اُن کو حدیثیں بہت یاد تھیں - تذکرۃ الحفاظ اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں - دیکھئے محدثین میں وہ امام اور شیخ الاسلام سمجھے جاتے تھے اور امام صاحب کے شاگرد تھے اور کمال جوش میں امام صاحب کو شاہ مردان کہا کرتے تھے - کام -

**ابراہیم ابن طہمان** رح - تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو ان لفظوں سے ذکر کیا "الامام الحافظ ابو سعید عالم خراسان" تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ وہ ابو اسحٰق سبیعی اور ابو اسحٰق شیبانی اور عبدالعزیز ابن صہیب اور ابو حمزہ اور نصر ابن عمران ضبعی - اور محمد ابن زیاد جمحی اور ابو الزبیر اور اعمش اور شعبہ اور سفیان اور حجاج ابن حجاج باہلی سے اور اُن کے سوا ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں اور ابن مبارک اور خود اُن کے استاد صفوان بن سلیم اُنسے روایت کرتے ہیں - عثمان ابن دارمی کہتے ہیں کہ ہمیشہ ائمہ فن ان کی روایت کی خواہش اور رغبت کیا کرتے تھے - یحیٰی ابن اکثم کہتے ہیں کہ جن جن لوگوں نے خراسان اور عراق اور حجاز میں

حدیث بیان کی ہے۔ اُن سب میں وہ اوثق اور علم میں اوسع تھے۔ ابوزرعہ کہتے ہیں کہ امام احمد رح ایک بار تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے کسی نے ابراہیم ابن طہمان کا ذکر کیا امام سیدھے ہو بیٹھے اور فرمایا کہ مناسب نہیں کہ صالحین کا ذکر ہو اور ہم تکیہ لگائے بیٹھیں۔ تذکرۃ الحفاظ اور بعض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

غور کیجئے کہ جن کا نام سنکر ائمہ حدیث اس قسم کا ادب کیا کرتے تھے تو جن کے روبرو خود وہ زانوے ادب تہ کئے ہوئے بیٹھتے تھے۔ اُن کا کس قدر ادب چاہیئے۔ مگر افسوس ہے کہ اِس زمانہ میں اُنکی توہین وتذلیل ضروری سمجھی جاتی ہے۔

**یزید بن ہرون**۔ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کا ترجمہ ان الفاظ سے شروع کیا "الحافظ القدوۃ شیخ الاسلام" اور لکھا ہے کہ انہوں نے عاصم احول ویحیی بن سعید۔ وسلیمان التیمی وجریری۔ وداوٗد ابن ابی ہند۔ وابن عون اور خلق کثیر سے روایت کی ہے۔ اور اُن کے شاگرد امام احمد وغیرہ بکثرت ہیں۔ ابن مدینی کہتے ہیں کہ حفظ میں کسیکو اُنسے زیادہ میں نے نہیں دیکھا یحیی ابن یحیی کہتے ہیں کہ وہ حافظ میں وکیع سے بھی زیادہ تھے۔ عاصم ابن علی کہتے ہیں کہ وہ رات بھر نماز پڑھتے رہتے تھے چالیس سال سے زیادہ انہوں نے عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ ہشیم کہتے ہیں کہ اہل مصر میں اُن کا مثل نہیں۔ ابن اکثم کا بیان ہے کہ ایک بار مامون نے ہم لوگوں سے کہا کہ اگر یزید ابن ہرون کا خیال نہ ہوتا تو میں اپنے

اس خیال کو ظاہر کرتا کہ "قرآن مخلوق ہے"، کسی نے کہا کہ یزید ابن ہارون ایسے کون شخص ہیں جو اُنسے خوف کیا جاتا ہے کہا خوف یہ ہے کہ اگر میں وہ ظاہر کروں اور وہ رد کریں تو لوگ انہی کی پیروی کریں گے جس سے فتنہ پیدا ہوگا" اس سے ظاہر ہے کہ بادشاہ ایک مدت تک اس مسئلہ کو صرف اُن کے خوف سے ظاہر نہ کرسکا۔ یہ تھی اُن کی علمی سطوت کہ خلیفہ وقت اُنسے خائف و ترساں تھا۔

سیرۃ النعمان میں ہے کہ علامہ نووی رح نے تھذیب الاسمار واللغات میں اُنکے تلامذہ کی نسبت لکھا ہے کہ اُن کا شمار نہیں ہوسکتا یحیٰی ابن ابی طالب کا بیان ہے کہ ایک بار میں اُن کے حلقہ درس میں شریک تھا لوگ تخمینہ کرتے تھے کہ حاضرین کی تعداد کم وبیش ستر ہزار تھی۔ کثرت حدیث میں لوگ اُن کی مثال دیا کرتے تھے

دیکھئے ایسے جلیل القدر مقتدائے محدثین شیخ الاسلام امام صاحب کے شاگرد تھے جیساکہ تذکرۃ الحفاظ اور تبیض الصحیفہ وغیرہ میں لکھا ہے اور امام صاحب کو اپنے کل اساتذہ پر ترجیح دیتے اور صاف کہا کرتے کہ اُن کا مثل بہت تلاش کیا گیا مگر نہ ملا کما مر۔

**حفص ابن غیاث** ۔ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو الامام الحافظ لکھا ہے۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے دادا طلق ابن معاویہ اور اسمٰعیل ابن ابی خالد و اشعث الحدانی و ابو مالک الاشجعی۔ و سلیمان التیمی و عاصم الاحول۔ و عبید اللہ ابن عمر۔ و مصعب ابن سلیم۔ و یحیٰی ابن سعید الانصاری

وہشام ابن عروہ ۔ واعمش ۔ وثوری ۔ وجعفر صادق ویزید ابن عبداللہ وابن جریج ولیث ابن ابی سلیم ۔ اور خلق کثیر سے روایت کی ہے اور اُنسے امام احمد وغیرھم نے ۔ اور اُن کے علم کا حال لکھا ہے کہ وکیع سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اُنپر حوالہ دیتے ۔ ابن نمیر کہتے ہیں کہ وہ ابن ادریس سے بھی زیادہ حدیث جانتے ہیں۔

کردری رحمتہ اُن کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے امام صاحب سے اُن کی کتابیں اور آثار سنے ہیں۔

سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نے اُن کو کثیر الحدیث لکھا ہے اور مختصر تاریخ بغداد میں اُن کی نسبت لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے وہ مشہور شاگرد نہیں ہیں۔

**ابو عاصم الضحاک النبیل** - تذکرۃ الحفاظ میں اُن کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا "الحافظ شیخ الاسلام" تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے یزید ابن ابی عبید وایمن ابن نابل وشبیب ابن بشر وسلیمان التیمی وعثمان ابن سعد ومعروف ابن خربوذ وابن عون وابن عجلان وابن ابی ذئب وابن جریج واوزاعی وسعید ابن عبدالعزیز وثور ابن یزید الرجبی وجعفر ابن یحیی وحنظلہ ابن ابی سفیان وشریح ابن شریح وزکریا ابن اسحق وثوری وشعبہ وسعید ابن ابی عروبہ وعبدالحمید ابن جعفر وعزرہ ابن ثابت وعمر بن محمد العمری وعثمان ابن الاسود ۔ وعمر بن سعید ومالک ابن انس وہشام بن حسان ومظاہر ابن اسلم وقرہ ابن خالد اور ایک جماعت سے روایت کی ہے

اور اُن سے جریر ابن حازم و امام احمد وغیرہ نے۔
تہذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**یحیی ابن زکریا ابن ابی زائدہ** ۔ تذکرۃ الحفاظ میں ان الفاظ سے انکے حالات کی ابتدا کی ہے "الحافظ الثبت المتقن الفقیہ صاحب ابی حنیفہ" اور لکھا ہے کہ وہ اپنے والد زکریا اور عاصم احول و داؤد ابن ابی ہند۔ وہشام ابن عروہ۔ وعبید اللہ ابن عمر ولیث ابن ابی سلیم و ابومالک الاشجعی سے روایت ہے اور اُنسے امام احمد وغیرہ نے۔ وہ امام اور صاحب تصنیف تھے۔ علی ابن مدینی نے کہا ہے کہ کوفہ میں سفیان ثوری کے بعد اُنسے اثبت کوئی نہ تھا۔ اُنکے زمانہ میں اُنپر علم کا خاتمہ ہوگیا یعنی اُسوقت اُنسے علم میں بڑھا ہوا کوئی نہ تھا۔ سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں کہ ابن مبارک اور یحیی ابن ابی زائدہ کے جیسا کوئی شخص ہمارے یہاں نہیں آیا۔

سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اور مدت تک اُنکے ساتھ رہے یہاں تک علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو صاحب ابی حنیفہ کا لقب دیا ہے۔ یہ تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک اعظم تھے۔ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ تیس برس تک وہ شریک تھے اگرچہ یہ مدت صحیح نہیں لیکن کچھ شبہ نہیں کہ وہ بہت دن تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے اور خاصکر تصنیف وتحریر کی خدمت انہی سے متعلق تھی انتہی۔

**یحییٰ ابن سعید القطان** رح۔ تذکرۃ الحفاظ میں اُنکے ترجمہ کی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے ''الامام العلم سید الحفاظ''، اور لکھا ہے کہ انہوں نے ہشام بن عروہ۔ وعطار ابن السائب وحسین المعلم وخیثمۃ ابن عراک۔ وحمید الطویل وسلیمان التیمی ویحییٰ ابن سعید انصاری۔ واعمش اور اُن کے طبقہ سے روایت کی ہے اور اُن سے امام احمد رح وغیرہ نے۔ امام احمد رح کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ کا مثل اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ ابن معین کہتے ہیں کہ مجھ سے عبدالرحمن نے کہا کہ یحییٰ ابن قطان کا مثل تم اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوگے ابن مدینی کہتے ہیں کہ اُنسے زیادہ رجال کا حال جاننے والا میں نے نہیں دیکھا۔ بندار کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ والوں کے امام تھے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ بیس سال تک وہ ہر شب قرآن کا ایک ختم کیا کرتے تھے اور چالیس سال تک کبھی ایسا نہ ہوا کہ زوال کے وقت وہ مسجد میں نہ ہوں اور جب قرآن سنتے زمین پر گر جاتے ایک بار شعبہ کے ساتھ لوگوں نے کسی بات میں مناظرہ کیا فیصلہ اسپر قرار پایا کہ کوئی حکم مقرر کیا جاے۔ شعبہ نے یحییٰ بن سعید کو حکم قرار دیا اور انہوں نے شعبہ کے خلاف میں فیصلہ کیا نسائی کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امین یہ حضرات ہیں۔ مالک۔ شعبہ۔ اور یحییٰ قطان۔ امام احمد رح کہتے ہیں کہ ہمارے استادوں میں اُن کا مثل کوئی نہیں تھا۔

سیرۃ النعمان میں فتح المغیث اور جواہر مضیہ سے نقل کیا ہے کہ حدیث میں اُن کا یہ پایہ تھا کہ وہ حلقۂ درس میں بیٹھتے تو امام احمد وعلی بن مدینی وغیرہ

مودب کھڑے ہوکر ان سے حدیث کی تحقیق کرتے اور نماز عصر سے جو
انکے درس کا وقت تھا مغرب تک برابر کھڑے رہتے اور تھذیب
التھذیب سے لکھا ہے کہ راویوں کی تحقیق و تنقید میں یہ کمال پیدا کیا تھا
کہ ائمہ حدیث عموماً کہا کرتے تھے کہ یحییٰ جسکو چھوڑ دیں گے ہم بھی چھوڑ دینگے
باوجود اس جلالت شان کے وہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ ہم نے جو ابوحنیفہ
کی رائے سنی اُن میں سے اکثر اقوال کو لیا جیسا کہ امام موفق رح نے مناقب
میں لکھا ہے۔

تذکرۃ الحفاظ میں ترجمہ وکیع میں لکھا ہے کہ وہ اور یحییٰ بن سعید قطان ابوحنیفہ
کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔

سیرۃ النعمان میں ہے کہ (یحییٰ بن سعید) اس فضل و کمال کے ساتھ
امام ابوحنیفہ کے حلقہ درس میں اکثر شریک ہوتے اور انکی شاگردی پر
فخر کرتے تھے۔

**عبدالرزاق بن ہمام** - تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو الحافظ الکبیر لکھا ہے تھذیب
التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد اور وہب - معمر عبیداللہ
ابن عمر العمری - عبداللہ ابن عمر العمری - ایمن بن نابل - عکرمہ بن عمار - ابن جریج
اوزاعی - مالک - دونوں سفیان - زکریا ابن اسحٰق مکی جعفر بن سلیمان
یونس بن سلیم الصنعانی - ابن ابی رواد - اسرائیل - اسمعیل ابن عیاش
اور خلق کثیر سے روایت کی ہے اور اُنسے ابن عیینہ اور وکیع وغیرہ نے
احمد ابن صالح مصری کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کیا آپ

عبدالرزاق سے بہتر بھی روایت حدیث میں کسی کو دیکھا ہے؟ فرمایا نہیں۔
معمر کہتے ہیں کہ "وہ اس لائق ہیں کہ تحصیل حدیث کے لئے دور دراز
مسافت سے اُن کی طرف سفر کیا جائے"۔ ہشام بن یوسف کہتے ہیں
کہ عبدالرزاق علم اور حفظ میں ہم سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ ابوالازہر کہتے
ہیں کہ میں نے انسے سنا ہے کہ شیخین کو میں علی رضی اللہ عنہ پر اسوجہ سے
فضیلت دیتا ہوں کہ خود علی رضی اللہ عنہ نے انکو اپنے آپ پر فضیلت دی
ہے اگر وہ فضیلت نہ دیتے تو میں ہرگز فضیلت نہ دیتا میری تحقیر کیلئے
یہ کافی ہوگا کہ علی رضہ کے ساتھ محبت رکھوں اور اُنکے قول کی مخالفت
کروں۔ صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
اس تقریر سے معلوم ہوا کہ شیعیت کی نسبت اُن کی طرف جو کی گئی ہے
اُس کا منشا یہی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ساتھ اُن کو زیادہ محبت
تھی۔ غرضکہ شیعی بھی تھے تو شیخین رضی اللہ عنہما کو افضل سمجھتے تھے۔
سیرۃ النعمان میں انساب سمعانی اور تاریخ یافعی سے نقل کیا ہے کہ
طالبان حدیث بہت دور سے قطع منازل کر کے اُنکی خدمت میں حدیث
سیکھنے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بعضوں کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے پاس اس قدر دور و دراز مسافتیں
طے کر کے لوگ نہیں گئے۔ حدیث میں اُنکی ایک ضخیم تصنیف موجود ہے
امام بخاری نے اعتراف کیا ہے کہ میں اس کتاب سے مستفید ہوا ہوں
علامہ ذہبی نے اس کتاب کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ

"علم کا خزانہ ہے" عقود الجمان کے مختلف مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کی صحبت میں وہ زیادہ رہے ہیں انتہیٰ۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

اب غور کیا جائے کہ کس قدر سرمایۂ حدیث اُنکے پاس ہوگا کہ تمام بلاد اسلامیہ کے طالبان حدیث اُس کی تحصیل کے لئے اُنکی خدمت میں آتے تھے پھر جب انہوں نے امام صاحب کے حلقہ میں شریک ہوکر وہ تمام سرمایہ پیش کر دیا تو کیا ممکن ہے کہ امام صاحب کے اجتہادی مسائل مخالف حدیث ہوں۔ اگر تھوڑی بھی عقل ہو تو یہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ امام صاحب کا اجتہاد مخالف حدیث ہوتا تو امام صاحب کی شاگردی تو کیا صحبت اور ملاقات بھی باعث جرح ہو جاتی جیسا کہ مسئلہ خلق قرآن میں آپنے دیکھ لیا کہ اُسمیں توقف کرنے والے مستند محدثین اور اُنکے ملاقاتی مطعون اور متروک ہو جاتے تھے برخلاف اُسکے اکابر محدثین امام صاحب کی شاگردی کا اعتراف علی رؤس الاشہاد کیا کرتے اور ائمہ جرح و تعدیل بطیب خاطر اُن کو امام صاحب کے شاگردوں میں لکھا کرتے تھے اور کسی کی مجال نتھی کہ اس وجہ سے اُن میں کوئی کلام کر سکے۔ حالانکہ امام صاحب کے مخالفین اور بدگویوں کے مجمع قائم ہو چکے تھے۔ اگر محدثین کے ساتھ تھوڑا بھی حسن ظن ہوتا تو بہ آسانی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کے حلقہ تلامذہ میں اُن حضرات کا بیٹھنا اور مستفید ہونا اس بات پر دلیل قطعی ہے

کہ امام صاحب کا اجتہاد ہرگز مخالف حدیث نہ تھا بلکہ وہ حضرات اُسکو احادیث کی تفسیر سمجھتے تھے چنانچہ خود ان حضرات نے اس کی تصریح کی ہی:

**اسحٰق بن یوسف ازرق** رح۔ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو الحافظ الثقہ لکھا ہے۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے ابن عون اعمش شریک۔ ثوری۔ مسعر۔ عمر بن ذر۔ عوف وغیرہم سے روایت کی ہی اور اُنسے امام احمد وغیرہ نے۔ امام احمد سے اُنکا حال دریافت کیا گیا تو اُنہوں نے قسم کھا کر کہا وہ ثقہ ہیں۔ اسیطرح اور ائمہ فن نے جو اُن کی توثیق کی ہے اُس میں منقول ہے اور صحاح ستہ میں اُنکی روایتیں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**جعفر ابن عون** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اسمعیل ابن خالد۔ ابراہیم بن مسلم الہجری۔ اعمش۔ ہشام ابن عروہ۔ یحییٰ بن سعید مسعودی۔ ابو العمیس۔ عبدالرحمٰن ابن زیاد اور ایک جماعت سے روایت کی ہے اور اُنسے امام احمد وغیرہ نے۔ اور اُن کی روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ اور الخیرات الحسان میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**حارث بن نبہان** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے

ابو اسحٰق - عاصم بن ابی النجود - اعمش عتبہ بن یقظان - ایوب - معمر وغیرہم سے روایت کی ہے - ابن حبان نے لکھا ہے کہ وہ صالح شخص تھے مگر وہم اُن پر غالب تھا - اگرچہ اکثر محدثین نے اُن میں کلام کیا ہے - مگر ترمذی اور ابن ماجہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں -

تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں -

**حیان بن علی الغزی** رح - تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اعمش سہیل ابن ابی صالح - ابن عجلان - لیث ابن ابی سلیم عقیل بن خالد الایلی - عبد الملک بن عمیر - جعفر ابن ابی المغیرہ - یزید بن ابی زیاد یونس بن یزید وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے ابن مبارک وغیرہ نے - اگرچہ محدثین نے اُن میں کلام کیا ہے مگر یحیٰی بن معین نے کہا ہے کہ وہ صدوق ہیں - ابوبکر خطیب کا قول ہے کہ وہ صالح اور دیندار تھے - حجر ابن عبد الجبار کہتے ہیں کہ میں نے کوفہ میں کوئی فقیہ اُنسے افضل نہیں دیکھا - ابن ماجہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں -

تہذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں -

**حماد بن دلیل** رح - خلاصہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے ثوری سے روایت کی ہے ابن معین نے اُن کی توثیق کی اور اُن کی روایت ابوداؤد میں موجود ہے - اور وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں -

**حفص بن عبدالرحمن البلخی** رح تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے خارجہ ابن مصعب۔ حجاج بن ارطاۃ۔ اسرائیل۔ سعید ابن ابی عروبہ عاصم الاحول۔ محمد بن مسلم الطائفی۔ ابن ابی ذئب۔ ابن اسحٰق وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے ابو داؤد طیالسی۔ اور ابن مبارک وابن حبان وغیرہ نے اُن کی توثیق کی ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ تین خصلتیں اُن میں جمع ہیں۔ وقار۔ فقہ۔ اور ورع۔ نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ حاکم نے لکھا ہے کہ اصحاب ابو حنیفہ جو اہل خراسان ہیں اُنمیں وہ افقہ تھے۔

تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**حکام بن مسلم الرازی** تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے عنبسۃ ابن سعید۔ عمرو بن ابی قیس۔ سعید ابن سابق وغیرہ اہل رائے سے اور حمید طویل۔ علی ابن عبدالاعلی۔ عفان بن زائدہ۔ ثوری۔ اور ایک جماعت سے روایت کی ہے اور اُنسے یحیٰی بن معین وغیرہ نے مسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**حمزہ بن حبیب زیات قاری** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ اُنہوں نے ابو اسحٰق السبیعی۔ ابو اسحٰق الشیبانی۔ اعمش۔ عدی بن ثابت

حکم بن عتبہ۔ حبیب بن ابی ثابت۔ منصور بن المعتمر ابو المختار الطائی اور انکے سوا ایک جماعت سے روایت کی ہے۔ اور انسے ابن مبارک وغیرہ نے ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ صالح صدوق اور صاحب سُنّت تھے۔ ابن فضیل کہتے ہیں کہ میں خیال کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ صرف حمزہ کے طفیل سے کوفہ کی بلائیں دفع فرماتا ہے۔ اگرچہ اُن کی قرارت پر محدّثین کا کلام اُس میں نقل کیا ہے مگر اُسکے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ بالآخر اُنکی مقبولیّت بالاجماع ثابت ہو گئی ہے مسلم وغیرہ میں حمزہ کی روایتیں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**خارجہ بن مصعب الضبیعی** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے زید بن اسلم۔ سہل بن ابی صالح۔ ابو حازم سلمہ ابن دینار بکیر بن الاشج۔ خالد الحذا۔ شریک بن ابی نمیر۔ عاصم الاحول۔ عمرو بن دینار امام مالک۔ یونس بن یزید۔ یونس ابن عبید سے اور انکے سوا ایک خلق کثیر سے روایت کی ہے اور اُنسے ثوری وغیرہ نے اگرچہ بعض محدّثین نے اُن میں کلام کیا ہے مگر اُن کی روایتیں ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں انتہیٰ ملخصاً۔

تہذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**داؤد بن نصیر الطائی** رح۔ تقریب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے عبدالملک بن عمیر۔ اسمعیل بن خالد۔ حمید الطویل۔ سعد بن سعید الانصاری۔ ابن ابی لیلیٰ اور اعمش وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے وکیع وغیرہ نے ابن عیینہ رح کہتے ہیں کہ داؤد نے علم پڑہا اور فقیہ ہوے۔ پھر عبادت کی طرف توجہ کی۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ داود طائی نے اپنی کتابوں کو دفن کردیا ابن معین کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے ابن حبان نے اُن کو ثقات میں ذکر کیا۔ ہے۔ محارب بن دثار کا قول ہے کہ اگر داؤد طائی امم سابقہ میں ہوتے تو خدا تعالےٰ اُن کے حالات کی خبر ہم لوگوں کو دیتا۔ نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ اور نفحات الانس مولانا جامی میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**زید بن حباب عکلی** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے ایمن بن نابل۔ عکرمہ بن عمار الیامی۔ ابراہیم ابن نافع المکی۔ ابن ابی عباس۔ حسین بن الواقد المروزی۔ یونس بن ابی اسحٰق۔ سیف بن سلیمان المکی عبدالملک بن الربیع۔ اسامہ بن زید بن اسلم۔ اسامہ بن زید اللیثی۔ مالک ابن انس۔ ثوری۔ ابن ابی ذئب۔ قرہ ابن خالد۔ افلح ابن سعید۔ ضحاک ابن عثمان الحزامی۔ عبدالعزیز ابن عبداللہ۔ معاویہ ابن صالح یحیٰی ابن ایوب اور خلق کثیر سے روایت کی ہے اور اُنسے امام احمد وغیرہ نے وہ تحصیل حدیث کے لئے خراسان مصر اندلس وغیرہ گئے۔ ابوالحسین عکلی کہتے ہیں کہ وہ ذکی حافظ اور عالم تھے۔ ابن یونس نے کہا کہ انہوں نے طلب

حدیث میں بہت شہروں کی سیاحت کی ہے بسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد تھے۔ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جس قدر سرمایۂ حدیث انہوں نے شہر بشہر پھر کر حاصل کیا تھا اسی طرح دوسرے محدثین نے وہ گویا امام صاحب ہی کے لئے تھا۔ چنانچہ انہوں نے حلقۂ تلامذہ میں شریک ہو کر وہ سب پیش کر دیا۔

**شعیب بن اسحٰق بن عبدالرحمن الدمشقی رح۔** تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد اور ابن جریج۔ اوزاعی۔ سعید بن عروبہ عبیداللہ بن عمر۔ ہشام بن عروہ۔ وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے اسحٰق بن راہویہ اور ابو کریب وغیرہ نے۔ اور باوجودیکہ لیث ابن سعد اُنکے استاد ہیں۔ مگر انہوں نے بھی اُنسے روایت کی ہے۔ ولید ابن مسلم کہتے ہیں کہ اوزاعی اُن کو اپنے نزدیک جگہ دیتے تھے بخاری اور مسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں اور تہذیب التہذیب میں علاوہ شاگردی کے یہ بھی تصریح کی ہے کہ انہوں نے امام صاحب کا مذہب اختیار کیا۔

**صباح ابن محارب رح۔** تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے زیاد بن علاقہ۔ حجاج ابن ارطاۃ۔ اسمٰعیل ابن ابی خالد۔ محمد ابن سوقہ۔

ہشام ابن عروہ وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے عبدالسلام ابن عاصم وغیرہ نے۔ ابو ذرعہ وغیرہ نے اُن کی توثیق کی ہے اور اُن کی روایتیں ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے۔ کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**صلت ابن الحجاج الکوفی** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے عطا ابن ابی رباح یحییٰ کندی۔ ابن عیینہ۔ مجالدین ابن سعید وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے اہل کوفہ نے امام بخاری نے بھی اُن کی روایت لی ہے اور کوئی جرح اُنپر نہیں کی۔

تہذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**عائذ ابن حبیب العبسی** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے حمید الطویل زرارہ ابن اعین۔ حجاج ابن ارطاۃ۔ صالح ابن حسان۔ عامر ابن السمط۔ اسمعیل ابن ابی خالد وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے امام احمد وغیرہ نے۔ امام احمد رح اُن کی ثنا و صفت بہت کیا کرتے تھے کہتے کہ وہ شیخ جلیل عاقل تھے اُن کی روایتیں نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**عباد ابن العوام** رح۔ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو امام المحدث لکھا ہے اور تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے حمید الطویل۔ اسمعیل ابن ابی خالد۔ سعید الجریری۔ ابو سلمہ۔ سعید ابن یزید۔ ابن عون۔ عوف الاعرابی حجاج ابن ارطاۃ۔ حصین بن عبد الرحمن۔ سعید ابن ابی عروبہ۔ سفیان بن حسین۔ ہلال بن حباب۔ یحیٰی ابن ابی اسحق الحضرمی۔ ابو مالک الاشجعی۔ ابو اسحق الشیبانی وغیرہم سے روایت کی ہے۔ اور اُنسے امام احمد وغیرہ نے ابن عرفہ کہتے ہیں کہ مجھسے وکیع نے اُن کا حال پوچھا میں نے کہا تمہارے یہاں اُن کا سا ایک بھی نہیں۔ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں الخیرات الحسان میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**عبد الحمید ابن عبد الرحمن الحمانی** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے یزید ابن ابی بریدہ۔ اعمش۔ دونوں سفیان۔ اور ایک جماعت سے روایت کی ہے۔ اور اُنسے ابو کریب وغیرہ نے۔ اُن کی روایتیں بخاری مسلم وغیرہ میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**عبد العزیز ابن خالد ابن زیاد ترمذی** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد اور ابو سعد بقال۔ سعید ابن ابی عرو

ابن جریج۔ ثوری۔ ہشام ابن حسان۔ حجاج ابن ارطاۃ۔ سے روایت کی ہے اور انسے احمد ابن حجاج وغیرہ نے۔ اُن کی روایتیں نسائی میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہی کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**عبدالکریم بن محمد الجرجانی** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے قیس ابن الربیع۔ عبدالرحمن بن سلیمان۔ زہیر ابن معاویہ مسعودی۔ ابن جریج وغیرہم سے روایت کی ہے اور انسے امام شافعی رح وغیرہ نے۔ ابن حبان نے اُن کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور انکی روایتیں ترمذی میں مذکور ہیں۔

تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہی کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**عبدالعزیز ابن ابی رواد** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے عکرمہ۔ سالم بن عبداللہ۔ نافع۔ محمد ابن زیاد الجمحی۔ ابوسلمہ الحمصی۔ اسمعیل ابن امیہ۔ ضحاک ابن مزاحم وغیرہ سے روایت کی ہے اور انسے وکیع وغیرہ نے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ اکثر اُن کی یہ حالت رہتی تھی کہ باتیں کرتے اور اشک اُن کے رخسار و نپر جاری رہتے تھے شعیب ابن حرب کہتے ہیں کہ اُن کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ قیامت اُنکے پیش نظر ہے۔ بخاری وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**عبید اللہ ابن عمرو الرقی** تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو الامام الحافظ مفتی الجزیرہ لکھا ہے۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے عبدالملک ابن عمیر عبید اللہ بن محمد یحییٰ ابن سعید الانصاری۔ اعمش۔ ایوب۔ لیث ابن ابی سلیم معمر۔ ثوری ابن ابی انیسہ۔ اسحٰق بن راشد وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے علی ابن حجر وغیرہ نے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ کثیر الحدیث تھے یعنی حدیثیں اُن کو بہت یاد تھیں۔ اور فتوی میں اُنسے کوئی منازعت نہیں کرسکتا تھا۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**عبید اللہ ابن موسیٰ**۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اسمٰعیل ابن ابی خالد۔ ہشام ابن عروہ۔ ایمن ابن نابل۔ معروف ابن خربوذ۔ اعمش۔ ہارون ابن سلیمان الفراء محمد ابن عبدالرحمٰن۔ ثوری۔ حسن ابن صالح۔ یونس ابن ابی اسحٰق۔ اوزاعی۔ ابن جریج۔ عثمان بن الاسود۔ اسرائیل۔ حنظلہ ابن ابی سفیان۔ زکریا ابن ابی زائدہ۔ شیبان۔ عبدالعزیز بن سیاہ۔ موسیٰ بن عبیدۃ اور ایک جماعت سے روایت کی ہے۔ اور اُنسے بخاری وغیرہ نے۔ ابو سعد کہتے ہیں کہ وہ کثیر الحدیث تھے۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**علی ابن ظبیان الکوفی** ۔میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ انہوں نے اسمعیل ابن ابی خالد سے اور ایک جماعت سے روایت کی ہے اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام شافعی رح کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**علی ابن عاصم الواسطی** ۔تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو "مُسند العراق الامام الحافظ" کے لقب سے ملقب کرکے لکھا ہے کہ انہوں نے سہل ابن ابی صالح ۔ عطاء ابن السائب ۔ یزید بن ابی زیاد ۔ یحیی بکا ۔ بیان بن بشر حصین بن عبدالرحمن ۔ عبداللہ بن عثمان ۔ لیث ابن سلیم اور حمید الطویل سے روایت کی ہے ۔ اور اُنسے امام احمد وغیرہ نے ۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں ابو داؤد و ترمذی ۔ اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**علی بن مسہر** تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو "الامام الحافظ" کے ساتھ ملقب کرکے لکھا ہے کہ انہوں نے داؤد ۔ اسمعیل ابن ابی خالد ۔ ابی مالک الاشجعی ۔ زکریا ابن ابی زائدہ ۔ عاصم الاحول ۔ اور اس طبقہ کے

محدثین نے روایت کی ہے۔ اور اُنسے بشر ابن آدم وغیرہ نے۔ احمد عجلی کہتے ہیں کہ وہ جامع حدیث وفقہ تھے اور ثقہ تھے۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ وہ کثیر الحدیث تھے۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

تھذیب الکمال۔ اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**ابو نعیم الفضل ابن دکین** رح۔ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو الحافظ الثبت لکھا ہے اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اعمش۔ زکریا۔ ابن ابی زائدہ۔ اور ایک خلق کثیر سے روایت کی ہے اور اُنسے بخاری وغیرہ نے۔ فسوی کہتے ہیں کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ ابو نعیم اتقان میں اعلیٰ درجہ پر تھے۔ تھذیب التھذیب میں اور بہت سارے اساتذہ کے نام لکھکر لکھا ہے کہ خلق کثیر سے انہوں نے روایت کی ہے۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں

تھذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں

**الفضل ابن موسیٰ السینانی** رح۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اسمعیل ابن ابی خالد۔ اعمش۔ ہشام ابن عروہ۔ عبید اللہ بن عمر۔ طلحہ۔ عبد اللہ بن سعید۔ عبد الحمید بن جعفر۔ حنظلہ ابن ابی سفیان۔ داؤد ابن ابی ہند۔ حسن ابن ذکوان۔ عبد المومن ابن خالد حنفی حسین

ابن واقد۔ ابن عراک۔ سعید ابن عبد الطائی فضل بن غزوان۔ ابی حمزہ السکری معتمر
ابن ارشد۔ یونس ابن ابی اسحق۔ ثوری۔ اور شریک وغیرہ سے روایت کی
ہے۔ اور اُنسے اسحق ابن راہویہ وغیرہ نے۔ ابونعیم وغیرہ کہا ہے کہ وہ ابن
مبارک سے بھی اثبت تھے۔ وکیع رح کہتے ہیں کہ وہ صاحب السنۃ تھے
اسحق ابن راہویہ کا قول ہے کہ میرے اساتذہ میں کوئی اُنسے اوثق میرے
خیال میں نہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں
اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ تھذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ
وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**عبد الوارث ابن سعید** رح۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں
نے عبد العزیز بن صہیب شعیب ابن الحجاب ابو التیاح یحییٰ بن اسحق الحضرمی
سعید ابن جمھان۔ ایوب سختیانی۔ ایوب بن موسیٰ۔ جعد بن عثمان۔ داؤد
بن ابی ہند۔ خالد بن الخدا حسین المعلم۔ سعید الجریری۔ سعید بن ابی عروبہ۔
سلیمان البتی۔ عبد اللہ بن سوادہ۔ عزرہ بن ثابت۔ عبد اللہ بن نجیح۔ علی
بن الحکم البنانی۔ قاسم بن مہران۔ قطن ابن کعب الخزاعی۔ محمد ابن جحادہ
کثیر بن شنظیر۔ یزید الرشک۔ یونس بن عبید ابو عصام البصری۔ اور
خلق کثیر سے روایت کی ہے۔ اور اُنسے سفیان ثوری وغیرہ نے۔
ابو عمر الجرمی کہتے ہیں کہ میں نے کسی فقیہ کو اُنسے افصح نہیں دیکھا شعبہ
اُن کی ثنا و صفت بہت کیا کرتے تھے اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ
میں موجود ہیں۔ تھذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے

شاگرد ہیں۔

**القاسم بن الحکم العرنی** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے سعید بن عبید الطائی۔ عبد اللہ بن الولید۔ سلمہ بن نبیط۔ اور یونس بن ابی اسحٰق وغیرہ سے روایت کی ہے۔ اور ترمذی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**القاسم بن معن المسعودی** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اعمش۔ عاصم الاحول۔ عبد الملک بن عمیر۔ منصور بن معتمر۔ طلحہ بن یحییٰ۔ داؤد بن ابی ہند۔ محمد بن عمر۔ ہشام بن عروہ۔ یحییٰ بن سعید۔ عبد الرحمٰن مسعودی وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے ابن مہدی وغیرہ نے اور نسائی میں موجود ہیں۔ تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**قیس بن ربیع** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے ابو اسحٰق سبیعی۔ مقدام بن شریح۔ عمرو بن مرہ۔ ابو حفص عمران بن ابی جحیفہ۔ عثمان بن عبد اللہ۔ محمد بن حکم الکاہلی۔ ابن ابی لیلیٰ۔ ابو ہاشم الرمانی اغر بن صباح۔ سماک بن حرب۔ اعمش سدی۔ اسود بن قیس۔ محارب بن دثار۔ ہشام بن عروہ۔ اور ایک جماعت سے روایت کی ہے۔ ابونعیم کہتے ہیں کہ سفیان جب اُن کا ذکر کرتے بہت ثنا وصفت کرتے۔ اُن کی روایتیں ابو داؤد و ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

تھذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں

**محمد بن بشر العبدی** رح۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اسمعیل بن ابی خالد۔ ہشام بن عروہ۔ عبید بن عمر العمری۔ یزید بن زیاد۔ اعمش زکریا ابن ابی زائدہ۔ ثوری۔ شعبہ۔ سعید بن ابی عروبہ۔ مسعر۔ نافع بن عمر الجمحی۔ عبد العزیز بن عمر۔ حجاج بن ابی عثمان الصواف۔ ابی حیان التیمی فطر ابن خلیفہ۔ محمد بن عمرو۔ اور عمرو بن میمون وغیرہم سے روایت کی ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں جو لوگ اُس وقت کوفہ میں تھے سب سے وہ احفظ تھے۔ اور لکھا ہے کہ حدیثیں اُن کو بکثرت یاد تھیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ تھذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**محمد ابن الحسن بن آتش الصغانی** رح۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے ہمام بن منبہ۔ ابراہیم بن عمرو الصغانی۔ رباح صنعانی سلیمان بن وہب الجندی۔ عمر بن عبد الرحمن۔ ابو بکر بن ابی شیبہ اور بہت سے محدثین سے روایت کی ہے اور ان سے امام احمد وغیرہ نے۔ ابو حاتم نے اُن کی توثیق کی۔ اور ابن حبان نے انکو ثقات میں لکھا ہے۔ تھذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**محمد بن خالد الوہبی** رح۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اسمعیل بن ابی خالد۔ عبد اللہ بن الوصافی۔ عبد العزیز بن عمر۔ ابن جریج

معروف بن واصل ۔عبدالرحمن بن سلیمان وغیرہم سے روایت کی ہے ۔
اور اُنسے ابن روح وغیرہ نے اُن کی روایتیں ابوداؤد وابن ماجہ وغیرہ
میں موجود ہیں ۔تھذیب الکمال اور تھذیب التھذیب اور تبیض الصحیفہ
میں لکھاہے ۔کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں ۔

**محمد بن عبدالوہاب العبدی** رح ۔تھذیب التھذیب میں لکھاہے
کہ انھوں نے اپنے والد ۔اور بشر بن الحکم ۔ابوالنصر ہاشم ۔لیلیٰ بن عُبید
شبابہ ۔ہودہ بن خلیفہ ۔واقدی ۔یعقوب بن محمد الزہری ۔سلیمان بن
داؤد الہاشمی ۔اصمعی ۔علی ابن الحسن ۔ابن شقیق ۔محاضر بن المورع ۔یحییٰ بن بکیر الکرمانی
محمد بن ابی یحییٰ الکنانی ۔علی بن عثام العامری ۔محمد بن زیاد اور خلق کثیر سے
روایت کی ہے ۔ابوداؤد و ترمذی ونسائی میں اُن کی روایتیں موجود
ہیں ۔تھذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھاہے کہ وہ امام صاحب کے
شاگرد ہیں ۔

**محمد بن یزید الواسطی** رح ۔تھذیب التھذیب میں لکھاہے کہ انھوں نے
اسمٰعیل بن ابی خالد ۔ابوالاشہب ۔جعفر بن حیان ۔سفیان بن حسین
ہاشم بن رجا ۔مجالد بن سعید ۔محمد ابن اسحٰق ابن یسار ۔مسلم بن سعید ۔
ابوایوب ابوالعلار القصاب ۔اسمٰعیل بن مسلم المکی اور عبدالرحمٰن بن زیاد
بن انعم وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے امام احمد وغیرہ نے
وکیع کہتے ہیں کہ وہ ابدال سے تھے ابوداؤد و ترمذی اور نسائی میں اُن کی
روایتیں موجود ہیں ۔تھذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھاہے کہ

وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**مروان بن سالم** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے صفوان بن عمرو۔ اعمش۔ عبید اللہ بن عمرو۔ ابن جریج۔ اوزاعی۔ عبد العزیز بن رواد۔ اور ابوبکر بن ابی مریم وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے عبد المجید بن رواد وغیرہ نے۔ ابو داؤد اور نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**مصعب ابن مقدام** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے فطر بن خلیفہ۔ زائدہ۔ عکرمہ بن عمار۔ مبارک ابن فضالہ۔ مسعر۔ ثوری۔ داؤد بن نصر۔ اسرائیل۔ حسن بن صالح فضیل بن غزوان وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے اسحٰق بن راہویہ وغیرہ نے اُن کی روایتیں مسلم ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔ تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہو کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**المعافی بن عمران الموصلی** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہو کہ انہوں نے حریز بن عثمان۔ ابن جریج۔ مالک بن مغول۔ ثوری اوزاعی مسعودی۔ عبد اللہ بن عمر العمری۔ سلیمان بن بلال۔ صخر ابن جویریہ ابراہیم بن طہمان۔ اسرائیل۔ ثور بن یزید۔ حماد بن سلمہ۔ حنظلہ بن ابی سفیان عبد الحمید بن جعفر۔ عثمان بن الاسود۔ سیف بن سلیمان المکی۔ سعید بن ابی عروبہ

زکریا ابن ابی اسحٰق ۔ ہشام بن سعد ۔ اور ایک خلق کثیر سے روایت کی ہے اور اُنسے ابن مبارک وغیرہ نے ۔ ابو زکریا نے تاریخ موصل میں لکھا ہے کہ انہوں نے طلب علم کے لئے آفاق میں سفر کیا ہے ۔ بشر بن حارث کہتے ہیں کہ معانی علم فہم اور خیر سے بھرے ہوئے تھے اُن کا قول ہے کہ مجھے آٹھ سو شیوخ سے ملاقات ہے ۔ بخاری ابو داؤد اور نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں ۔ تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں ۔

**مکی ابن ابراہیم البلخی** رح ۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے جعید بن عبد الرحمن ۔ عبد اللہ بن سعید ۔ ابن ابی ہند ۔ ایمن ابن نابل ۔ یزید بن عبید ۔ بھز بن حکیم ۔ ابن جریج ۔ ہشام بن حسان ہشام الدستوائی ۔ جعفر صادق ۔ یعقوب بن عطا ۔ ابن رباح ۔ ہاشم بن ہاشم یحییٰ ابن سہیل ۔ فطر بن خلیفہ ۔ حنظلہ ابن ابی سفیان ۔ اور عبد العزیز بن ابی رواد وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے بخاری وغیرہ نے کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں ۔ تہذیب التہذیب تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں ۔

**النعمان بن عبد السلام الاصبہانی** رح ۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے سلمہ بن وردان ۔ ابی خلدہ خالد بن دینار ۔ ابن جریج ۔ ثوری ۔ ابن ابی ذئب ۔ مسعر ۔ حماد بن سلمہ ۔ ابن ابی زناد شعبہ

ورقہ اور خلق کثیر سے روایت کی اور اُنسے عبدالرحمن بن مہدی وغیرہ نے
اُن کی روایتیں ابوداؤد اور نسائی میں موجود ہیں۔ تہذیب الکمال
تہذیب التہذیب میں تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب
کے شاگرد ہیں۔

**نوح بن دراج القاضی** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ
اُنہوں نے اسمعیل بن ابی خالد۔ ہشام بن عروہ۔ فطر بن خلیفہ۔ ابن
اسحق۔ اور اعمش وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے علی بن حجر وغیرہ
نے۔ تہذیب الکمال۔ تہذیب التہذیب اور تبییض الصحیفہ میں لکھا
ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**نوح ابن ابی مریم** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ اپنے
والد اور زہری۔ ثابت البنانی یحیی ابن سعید الانصاری۔ عبداللہ بن
عمرو۔ ابن ابی لیلی۔ بہز ابن حکیم۔ ابن اسحق۔ اعمش۔ مقاتل بن حیان
اور یزید النحوی وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے علی بن موسیٰ غنجار
وغیرہ نے۔ تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبییض الصحیفہ
میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**ہریم بن سفیان** رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے
اسمعیل بن ابی خالد۔ بیان بن بشر۔ اعمش۔ منصور۔ ابی اسحق شیبانی
عبداللہ العمری۔ لیث بن ابی سلیم۔ سہیل بن ابی صالح۔ عبد ربہ ابن سعید
الانصاری۔ مجالد بن سعید وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے

ابونعیم نے۔ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں تھذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**ہوذہ بن خلیفہ** رح۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے سلیمان تیمی۔ عبداللہ بن عون۔ ابن جریج۔ ہشام بن حسان۔ عوف الاعرابی یونس بن عبید وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے امام احمد وغیرہ نے۔ ابن حبان وغیرہ نے اُن کی توثیق کی ہے اور ابوداؤد میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ تھذیب الکمال۔ تھذیب التھذیب اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**ہیاج ابن بسطام الرجمی** رح۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے حمید الطویل۔ اسمعیل ابن ابی خالد۔ عنبر بن عبدالرحمن القرشی۔ عوف الاعرابی۔ محمد بن اسحق۔ داؤد بن ابی ہند۔ خالد الحذاء محمد بن عمرو ابن علقمہ۔ یزید بن کیسان۔ اور ایک جماعت سے روایت کی ہے اور اُنسے محمد بن بکار وغیرہ نے۔ سعید بن ناد کہتے ہیں کہ میں نے اُنسے زیادہ فصیح نہیں دیکھا۔ ایک بار انہوں نے بغداد میں حدیث بیان کی جس میں لاکھ آدمی جمع ہو گئے۔ اور وہ اعلم وافقہ تھے اُن کی روایتیں ابن ماجہ میں موجود ہیں۔ تھذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**یحییٰ بن یمان** رح۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے ہشام بن عروہ۔ اعمش۔ اسمعیل بن ابی خالد۔ معمر۔ المنہال بن خلیفہ

ثوری - حمزۃ الزیات - وغیرہم سے روایت کی ہے اور انسے یحییٰ بن معین وغیرہ نے - بخاری مسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں -
تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں -

**یزید بن زریع** رح - تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے سلیمان التیمی - حمید الطویل - ابی سلمہ - سعید بن یزید - عمر بن میمون - ایوب - حبیب المعلم حبیب بن الشہید - خالد الحذاء - حجاج ابن ابی عثمان الصواف - داؤد بن ابی ہند - سعید بن ایاس الجریری - سعید بن ابی عروبہ - ہشام بن حسان - یونس بن عبید - ابن عون - شعبہ - ثوری - عمر بن محمد العمری - معمر بن راشد - ہشام الدستوائی عوف الاعرابی - حسین المعلم - روح بن القاسم وغیرہم سے روایت کی ہے اور انسے ابن مبارک وغیرہ نے - بہز بن الحکیم - کہتے ہیں کہ وہ متقن اور حافظ تھے اُن کا قول ہے - مارایت مثلہ و مثل صحۃ حدیثہ - ابو حاتم نے اُن کی نسبت ثقہ امام" کہا ہے - اور ابن سعد کا قول ہے کہ کان ثقۃ حجۃ کثیر الحدیث - کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں -
تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں -

**یونس بن بکیر** رح - تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے ابی خلدہ خالد بن دینار السعدی - خالد بن دینار النیلی - طلحہ بن یحییٰ - اسباط بن نصر - ہشام بن عروہ - محمد بن اسحٰق - عمرو بن دینار - عثمان بن عبد الرحمٰن - نضر بن ابی عمر الخزاز

وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے یحیٰی بن معین وغیرہ نے۔ اُن کی روایتیں مسلم ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہیں۔ تھذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**ابواسحٰق فزاری** رح۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے خالد الحذا۔ حمید الطویل۔ ابی طوالہ۔ مالک بموسیٰ بن عقبہ۔ اعمش۔ اور خلق کثیر سے روایت کی ہے۔ اور اُنسے ثوری وغیرہ نے۔ اُن کو حدیثیں بکثرت یاد تھیں ابوحاتم نے اُن کو امام کہا ہے۔ فضیل بن عیاض رح کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تشریف رکھے ہیں۔ اور حضرت کے بازو میں تھوڑی جگہ خالی ہے۔ میں نے وہاں بیٹھنا چاہا۔ فرمایا یہ ابواسحٰق فزاری کی جگہ ہے۔ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ تھذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**موسیٰ بن نافع ابوشہاب الاکبر الحناط** رح۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے سعید بن جبیر۔ عطار۔ اور ایک جماعت سے روایت کی ہے۔ اور اُنسے ابونعیم وغیرہ نے۔ اُن کی روایتیں بخاری مسلم وغیرہ میں موجود ہیں تھذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**حماد بن زید** رح۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ وہ ثابت بنانی۔ انس ابن سیرین۔ عبدالعزیز بن صہیب۔ عاصم الاحول۔ محمد بن زیاد۔ ابوحمزہ ضبعی جعد۔ ابوحازم سلمہ بن دینار۔ شعیب بن حبحاب۔ صالح بن کیسان۔ عبدالحمید

صاحب الزیادی۔ ابی عمران الجونی۔ عمرو بن دینار۔ ہشام بن عروہ۔ عبید اللہ بن عمر وغیرہ تابعین اور تبع تابعین سے روایت کی ہے اور اُنسے ابن مبارک وغیرہ نے۔ عبد الرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ اپنے زمانہ میں امام چار شخص تھے کوفہ میں سفیان ثوری۔ حجاز میں امام مالک۔ شام میں اوزاعی۔ اور بصرہ میں حماد بن زید۔ اور کہا کہ اُنسے زیادہ حدیث جاننے والے کو میں نے نہیں دیکھا۔ یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ اُنسے زیادہ حافظہ والا میں نے نہیں دیکھا۔ امام احمد کہتے ہیں کہ حماد بن زید ائمہ مسلمین میں ہیں جس روز اُن کا انتقال ہوا یزید بن زریع نے کہا کہ آج سید المرسلین کا انتقال ہوا۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو اُنکے روبرو دوزانو بیٹھے دیکھا۔ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ الخیرات الحسان میں امام علی بن المدینی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**ہشام بن عروہ** رح۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد اور عبد اللہ بن زبیر۔ عبد اللہ بن عثمان۔ عباد بن عبد اللہ یحییٰ بن عباد۔ عباد بن حمزہ۔ فاطمہ بنت المنذر۔ وہب ابن کیسان۔ صالح ابن ابی صالح السمان۔ عبد اللہ بن ابی بکر۔ عبد الرحمٰن بن سعد۔ محمد بن ابراہیم التیمی۔ محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس رضہ وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے ایوب سختیانی وغیرہ نے۔ ابن سعد کہتے ہیں وہ ثبت اور حجت تھے۔ اور حدیثیں اُن کو بہت یاد تھیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ فن حدیث میں وہ امام تھے۔ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں

الخیرات الحسان میں علی ابن المدینی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

**یحیٰی بن معین** رح۔ تذکرۃ الحفاظ میں ان الفاظ سے اُن کو ملقب کیا ہے "الامام الفرد سید الحفاظ۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے عبدالسلام بن حرب۔ عبداللہ بن مبارک۔ حفص بن غیاث۔ جریر۔ ہشام بن یوسف۔ عبدالرزاق۔ ابن عیینہ۔ وکیع۔ ابن عدی۔ غندر۔ عمر بن عبدالرحمن حجاج بن یوسف۔ حاتم بن اسمعیل۔ اسمعیل بن مخالد۔ حسین بن محمد۔ عبدالصمد عباد بن عباد۔ سکن بن اسمعیل۔ مروان بن معاویہ قطان۔ ابوعبیدۃ بن الحداد۔ ابی اسامہ۔ حماد بن خالد۔ عبدالرحمن بن مہدی۔ اور خلق کثیر سے روایت کی ہے۔ اور اُنسے بخاری و مسلم وغیرہ نے۔ ابن مدینی کہتے ہیں کہ علم یحیٰی بن آدم پر منتہی ہوا۔ اور اُنکے بعد یحیٰی بن معین پر۔ اور اُنسے ایک روایت یہ بھی ہے کہ علم ابن مبارک پر منتہی ہوا۔ اور اُن کے بعد یحیٰی بن معین پر۔ ہارون بن معروف کہتے ہیں کہ شام سے ایک محدث ہمارے یہاں آئے۔ سب سے پہلے میں اُن کے یہاں گیا اور املا (یعنی روایتیں لکھوانے) کی درخواست کی شیخ نے اپنی کتاب سے لکھوانا شروع کیا اس عرصہ میں دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ پوچھا کون ہے کہا احمد بن حنبل۔ اُن کو آنیکی اجازت دی۔ اور اُسیطرح لکھوائے جاتے تھے اُنکے بعد احمد دورقی۔ اور عبداللہ رومی۔ اور زہیر بن حرب آئے۔ اور شیخ برابر لکھواتے رہے کہ اتنے میں دروازہ کھٹکھٹانیکی پھر آواز آئی۔

شیخ نے کہا کون ہے کہا یحییٰ بن معین یہ سنتے ہی شیخ کے ہاتوں میں لرزہ پڑ گیا۔ اور کتاب ہاتھ سے گر گئی۔

مولانا مولوی حافظ محمد عبدالحی رح نے الرفع والتکمیل میں فتح المغیث سے نقل کیا ہے کہ راویوں میں کلام کرنے والے تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ کہ تمام راویوں میں کچھ نہ کچھ کلام کرتے ہیں۔ جیسے یحییٰ بن معین اور ابی حاتم۔ پھر باقی اقسام بیان کرکے لکھا ہے کہ جرح میں تشدد کرنے والے کسی کی توثیق کریں تو اس کا قول دانتوں سے پکڑو یعنی پوری حفاظت کرو۔ اور اُن کی توثیق کو دستاویز بناؤ۔

تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے علی بن مدینی کہتے ہیں کہ یہ حضرات علم میں منتہی سے یہ یحییٰ بن ابی کثیر اور قتادہ البصرہ میں۔ اور اسحٰق۔ اور اعمش کوفہ میں۔ اور ابن شہاب۔ اور عمرو بن دینار حجاز میں اور ان سب کا علم سعید بن عروبہ۔ اور شعبہ۔ اور معمر اور حماد بن سلمہ اور ابو عوانہ۔ اور سفیان ثوری۔ اور سفیان بن عیینہ۔ اور مالک بن انس اور ابی زائدہ۔ اور وکیع اور ابن مبارک کو پہونچا۔ مگر ابن مبارک کا علم ان سب سے وسیع تر تھا اور نیز ابن مہدی اور یحییٰ ابن آدم۔ انہی حضرات میں شامل ہیں۔ پھر ان سب کا علم یحییٰ بن معین کو پہونچا امام احمد فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو یحییٰ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں۔

تذکرۃ الحفاظ میں ابن المدینی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ آدم علیہ السلام سے لیکر اب تک کسی نے یحییٰ بن معین کے برابر حدیثیں

روایت کی ہوں اور انہی کا قول ہے کہ تمام آدمیوں کا علم انکو پہونچا ہے"
کروری رحہ نے لکھا ہے۔ ذکر ابو المعالی الاسفرانی عن یحییٰ بن معین قال
جالسناہ (اے اباحنیفہ) وسمعناہ وکتبنا منہ واذا نظرت الی وجہہ عرفنا فی
وجہہ انہ یتقی اللہ یعنی یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ہم ابوحنیفہ کے ساتھ بیٹھے
اور اُنکے افادات سنے۔ اور لکھے۔ اُن کی یہ حالت تھی کہ جب ہم انکی
چہرہ کی طرف دیکھتے تو صاف معلوم ہوتا کہ اُن کو خدائے تعالیٰ کا بہت
خوف ہے" اس روایت میں شاید یہ کلام کیا جائیگا کہ یحییٰ بن معین کا
انتقال ۲۳۳ھ دوسو تینتیس ہجری میں ہوا اور ابن خلکان رحہ نے اُن کی
عمر پچہتر یا ستھہتر سال کی علی اختلاف الروایہ لکھی ہے اس سے ثابت ہوتا
ہے کہ اُن کی ولادت امام صاحب کے انتقال کے بعد ہے۔ کیونکہ امام
صاحب کا انتقال ۱۵۰ھ ایک سو پچاس میں ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے
کہ حساب میں کچھ غلطی ہوئی ہوگی۔ چنانچہ ابن خلکان رحہ نے خود اعتراف کیا ہے کہ
خطیب بغدادی نے جو تاریخ لکھی ہے وہ یقیناً غلط ہے۔ یہ بات
مشاہدہ سے ثابت ہے کہ بعض لوگوں کے قویٰ قوی ہوتے ہیں کہ
باوجود کبیر السن ہونیکے اپنے کم عمروں سے ہر بات میں قوی ہوتے
ہیں اور دیکھنے میں بھی کم عمر نظر آتے ہیں۔ اسلئے ممکن ہے کہ تقریباً
سو سال کی اُن کی عمر ہو۔ بہرحال اس روایت کی وجہ سے احتمال ملاقات
قطعی طور پر غلط ثابت نہیں ہوسکتا۔ اور اگر ملاقات نہ بھی ہو تو اس میں
شبہ نہیں کہ امام صاحب کو وہ اپنے مقتدا ضرور سمجھتے تھے جس پر

کسی قرینے دلالت کرتے ہیں۔ ایک بار اُنسے سوال کیا گیا کہ غیر محفوظ روایت
بیان کرنا درست ہے یا نہیں۔ انہوں نے جواب میں امام صاحب کا قول
پیش کیا کہ وہ جائز نہیں سمجھتے تھے جس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب کے
ساتھ اُن کو ایک خاص نسبت تھی۔ یہ بھی اوپر معلوم ہوا کہ کسی نے امام
صاحب کا حال اُنسے پوچھا تو دو ثقہ ثقہ، مکرر کہکر قسم کھائی کہ اُن کا رتبہ
اس سے بلند ہے کہ کسی بات میں وہ جھوٹ کہتے۔ مکرر توثیق کرکے قسم کہانا
صاف بتلا رہا ہے کہ امام صاحب کے ساتھ اُن کو کمال عقیدت تھی۔
امام موفق رح نے لکھا ہے کہ کسی نے یحیٰی بن معین سے پوچھا کیا
سفیان رح ابو حنیفہ رح سے روایت کی ہے کہا ہاں ابو حنیفہ ثقہ اور حدیث و
فقہ میں صدوق اور دین میں مامون تھے۔ اور نیز موفق رح نے مناقب
میں یحیٰی بن معین رح کا قول نقل کیا ہے کہ الفقہ فقہ ابی حنیفہ علیہ
ادرکت الناس یعنی قابل اعتبار اور مستند فقہ پوچھو تو ابو حنیفہ کی فقہ ہے
اسی پر میں نے لوگوں کو پایا ہے جب اُن کے نزدیک فقہ حنفیہ اس
درجہ کی موثق اور متفق علیہ مسلم تھی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُن کا عمل اسی
فقہ پر تھا۔ اگر اسکو قابل عمل اور مطابق قرآن و حدیث نہ سمجھتے تو صاف
کہدیتے کہ وہ مخالف ہے بلکہ اُس کی وجہ سے خود امام صاحب پر
جرح کردیتے کہ انہوں نے مخالف فقہ بنا کر لوگوں کو گمراہ کیا جیسے
آخری زمانہ کے بعضے مولوی کہا کرتے ہیں ایک لحاظ سے انکو تو
کہنا ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ الانسان عدو ما جھل۔ البتہ بعضے مسائل

بخاری اور مسلم کی حدیثوں کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یحییٰ بن معین کا سا تبحر فن حدیث میں ہوتا تو وہ بھی یہی کہتے "الفقہ فقہ ابی حنیفہ"۔ مگر وہ تبحر کس کو نصیب ہو سکتا ہے وہ تو یحییٰ ابن معین ہی کا حصہ ہو گیا۔ اس اُمت مرحومہ میں وہ ایک ہی شخص تھے جنہوں نے تمام احادیث نبویہ کو از بر کر لیا تھا جس کی گواہی امام احمد بن حنبل رح وغیرہ اکابر دے رہے ہیں الغرض جب اُنہوں نے تمام مسائل فقہیہ کو جانچ لیا کہ بالکل مطابق احادیث نبویہ ہے۔ اُسوقت فرمایا الفقہ فقہ ابی حنیفہ تاکہ محدثین معلوم کریں کہ اگر بعض مسائل چند حدیثوں کے مخالف ہیں۔ تو دوسری حدیثوں کے موافق ہیں۔ جن کی اُن کو خبر نہیں۔

کیوں نہ ہو جتنے حدیثیں یحییٰ بن معین رح کو یاد تھیں وہ سب تدوین فقہ کے وقت امام صاحب کے پیش نظر تھیں اسلئے کہ پہلے تو خود انہوں نے چار ہزار استادوں سے حدیثوں کو حاصل کیا تھا پھر جتنے طلبہ درس میں آتے اُن میں اکثر اس سرمایہ کیساتھ آتے جو اجتہاد کیلئے کافی ہو سکے۔ کیونکہ امام صاحب نے روایت حدیث کا طریقہ تو اختیار کیا ہی نہ تھا جس کے طالب ہر قسم کے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ وہ تو اجتہاد کا طریقہ سکھاتے تھے جسکے لئے حدیث کا کافی سرمایہ درکار ہے۔ اسلئے ہر طالب علم کو اُس حلقہ میں شریک ہونیکی جرارت ہی نہیں ہوتی تھی۔ اسی فہرست میں دیکھ لیجئے کہ وہ حضرات محدثین کے نزدیک کس درجہ کے ہیں۔ اور تذکرۃ الحفاظ میں کیسے کیسے الفاظ اُن کے مذکور ہیں

مثلاً الامام۔ الحافظ احد الاعلام۔ الثبت۔ شیخ الاسلام۔ القدوہ۔ المتقن۔ سید الحفاظ الحافظ الکبیر۔ الفرد۔ کثیر الحدیث۔ وغیرہ۔ کیا ممکن ہے کہ جن کے یہ القاب ہوں۔ وہ معمولی مولوی ہوں۔ یہ تو اُن کے ذاتی مسائل تھے جو علمی حیثیت سے اُن کو تمام محدثین میں ممتاز کر رہے ہیں جن سے اُن کا ذاتی تجربہ اور کثرت سرمایۂ حدیث صاف معلوم ہوتا ہے پھر ہر ایک نے جن محدثین سے وہ سرمایہ حاصل کیا ہے اُن کا تو شمار ہی نہیں اسلئے کہ دس بیس نام لکھکر وغیرہم یا عن خلق یا عن جماعۃ وغیرہ لکھ دیتے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ ان تمام حضرات کے اساتذہ کی جماعتیں اور ہر جماعت کے افراد کتنے ہوں گے۔ فن رجال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں تحصیل حدیث کا شوق حد سے زیادہ تھا بعضے شائقین ایسے بھی تھے کہ اُن کے اساتذہ کی تعداد ہزاروں تک پہونچگئی تھی اور صدہا کی تعداد تو ایک معمولی بات تھی۔ اب دیکھئے کہ امام صاحب کے تلامذہ خود بے شمار تھے جیسا کہ سابقاً معلوم ہوا تو اُن کے اساتذہ کا کیا حال ہو۔ اُن کو جانے دیجئے تقریباً ایکہزار جن کی فہرست بعض محدثین نے قلمبند کی ہے) انہی کے اساتذہ کا خیال کر لیجئے کہ کتنے ہوں گے۔ اس سے بھی تنزل کر کے اگر انہی حضرات کے اساتذہ کا خیال کر لیا جائے جن کی فہرست یہاں لکھی گئی تو بھی ہزارہا کی نوبت پہونچ جاتی ہے۔ پھر فن رجال کی کتابوں سے واضح ہے کہ یہ حضرات کسی ایک خاص شہر کے رہنے والے نہ تھے۔ بلکہ کوئی حجازی ہے تو کوئی عراقی و مصری وغیرہ۔

غرضکہ فن رجال کی گواہی سے یہ ماننا پڑیگا کہ اسلامی مقامات میں کوئی مقام وموضع ایسا نہ نکلے گا جس میں کوئی محدّث ہو اور امام صاحب کے شاگردوں نے وہاں کا سرمایہ حاصل نہ کر لیا ہو۔ ان قرائن واسباب سے ثابت ہے کہ امام صاحب کے اجتہاد کے وقت کل روے زمین کے احادیث کا سرمایہ امام صاحب کے حلقہ میں پہونچ چکا تھا جسکو بحسب ضرورت اہل حلقہ پیش کیا کرتے تھے محدّثین جو امام صاحب کے حلقہ میں شریک ہوا کرتے تھے وہ مخالفانہ شرکت نہ تھی بلکہ استفادہ مقصود تھا چنانچہ اُن کی خوش اعتقادی ان کے ان دعاؤں اور بیانوں سے ظاہر ہے۔

ص مسعر رح سجدہ میں امام صاحب کے لئے دعا کرتے اور اُسکو ذریعہ تقرب الٰہی سمجھتے تھے چنانچہ ان کی دعا کے الفاظ یہ ہیں۔ اللّٰهم انی اتقرب الیک بدعائی لابی حنیفہ۔

ابو عاصم نبیل کہتے ہیں مجھے امید ہے کہ ہر روز ابو حنیفہ رح کے اعمال ابک صدیق کے اعمال کے برابر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں کسی نے اُس کی وجہ دریافت کی فرمایا اسلئے کہ اُنسے اور اُن کے اقوال سے لوگوں کو نفع پہونچا۔

م ص ت عبداللہ بن داؤد الخیربی کہتے ہیں کہ اسلام اور اہل اسلام پر واجب ہے کہ نمازیں ابو حنیفہ کے لئے دعا کیا کریں کیونکہ انہوں نے احادیث اور فقہ کو محفوظ کر دیا۔

فقہ کو محفوظ کرنا تو ظاہر ہے۔ احادیث کو اس طرح محفوظ کیا کہ مختلف

احادیث سے جو مضمون مستفاد ہوتا ہے اجتہاد کر کے ما حصل جو لب لباب احادیث اور مقصود شارع ہے۔ اسکو محفوظ کرلیا۔

ک ص۔ ابن سماک محمد عجلی جب وعظ کہتے تو خاتمہ پر امام صاحب کے حق میں دعاءِ خیر کیا کرتے۔ اور کل حضار کو آمین کہنے کی ہدایت کرتے، میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ ابن سماک وعظ میں سرآمد روزگار تھے اُن کی پُر اثر تقریر کی یہ تاثیر تھی کہ جو اسکو سُنتا اُسپر خوف الٰہی طاری ہوتا ہارون رشید نے ایک بار اُن کا وعظ سنا روتے روتے اُن کی یہ حالت ہوئی کہ بیہوش ہو گئے۔ کردری رح نے ابن سماک کا حال لکھا ہے کہ وہ اس قدر روتے تھے کہ اُن کی آنکھوں میں خلل آگیا تھا۔

م ص ابو الولید کہتے ہیں کہ شعبہ رح کی مجلس میں جب ابو حنیفہ کا ذکر آتا تو وہ آپکے حق میں دعائے خیر کرتے ؛ محمد بن میمون کہتے ہیں کہ اُنکی تقریر سُننے سے اس قدر خوشی ہوئی کہ لاکھ اشرفی ملنے سے بھی نہیں ہوسکتی" اس قسم کی اور بہت ساری روایتیں ہیں جن سے ظاہر ہے کہ محدثین جو حلقہ درس میں شریک رہا کرتے وہ امام صاحب کے معتقد تھے اور اس بات کے مجاز تھے کہ مناظرہ کر کے اپنے اپنے شکوک صاف کرلیا کریں جس کا حال آیندہ معلوم ہو گا اب غور کیجیے کہ جب ہر مسئلہ میں کیفیت انجلائیہ پیدا ہوتی ہو گی تو اُس کو بطیب خاطر مان لینے اور اُسکے مطابق عمل کرنے میں کیا تامل کیونکہ مقصود فقہ سے یہی معلوم کرنا ہے کہ ہر ایک واقعہ میں عمل کس طرح کیا جائے۔ پھر جب وہ حضرات مطابق فقہ حنفیہ

عمل کرتے تو اُن کے تلامذہ اور معتقدین واحباب بھی اہنی کی اتباع کیا کرتے
یہاں تک کہ تھوڑے عرصہ میں دور دور تک فقہ حنفیہ کی شہرت ہو گئی۔
جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ معلوم ہوگا یہی بات تھی جو یحییٰ بن معین فرماتے
ہیں۔ الفقہ فقہ ابی حنیفۃ علیہ ادرکت الناس۔ اور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ امام احمد رح
جب امام شافعی رح کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یحییٰ بن معین سے بھی
شریک حلقۂ درس ہونے کو کہا مگر انہوں نے قبول نہیں کیا، طبقات شافعیہ
سے معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ بن معین نے امام شافعی رح کی سخت مخالفت کی
اور جرح کئے چنانچہ طبقات میں لکھا ہے۔ ثم اندفع ابن عبدالبر فی ذکر کلام
جماعۃ من النظراء بعضھم فی بعض وعدم الالتفات الیہ لذلک الی ان انتہی۔
الی کلام ابن معین فی الشافعی وقال انہ مما نقم علی ابن معین وعیب بہ و
ذکر قول احمد بن حنبل من این یعرف یحییٰ بن معین الشافعی وھو لا یعرف الشافعی
ولا یعرف ما یقولہ الشافعی۔ اس مخالفت کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ باوجود
فقہ حنفیہ عالمگیر ہونے اور اسپر عمل جاری ہونے کے امام شافعی رح نے
دوسرے فقہ کی بنیاد ڈالی جو ضرورت سے زیادہ تھی۔ یہی بات امام احمد رح
کے قول سے مستفاد ہے جو فرماتے ہیں۔ کہ یحییٰ بن معین شافعی رح کو
پہچانتے ہی نہیں، ورنہ بغیر معرفت کے کسی پر جرح کرنا نہ عقلاً درست
ہوسکتا ہے نہ شرعاً۔ غرضکہ بغیر معرفت کے اسیوجہ سے انہوں نے
جرح کیا کہ خلاف اجماع کوئی نئی بات نکالنا خود ایک قابل جرح بات ہے
یہ بحث دوسری ہے کہ امام شافعی رح چونکہ مجتہد تھے اُن کو ضرور تھا کہ

اپنے اجتہاد کے مطابق فتوی دیں۔ اور فقہ مدون کریں یہاں کلام صرف یحییٰ بن معین رح کے جرح میں ہے۔ بہر حال یحییٰ بن معین رح امام صاحب کے اگر شاگرد نہیں تو معتقد ضرور تھے۔ اور تعجب نہیں کہ مقلد بھی ہوں جیسا کہ اُنکے فتویٰ دینے اور فقہ حنفیہ پر اجماع بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے اب اہل انصاف غور فرماویں کہ جب ایسے ایسے اکابر محدثین امام صاحب کے شاگرد ہیں جنمیں امیر المومنین فی الحدیث بھی شامل ہیں تو کیا محدثین کے طرفدار عقلاً یا شرعاً اس بات کے مجاز ہونگے کہ امام صاحب کی توہین کریں اگرچہ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے۔

چوں بھر اسد مگس از فرباز — نیست ز مرغان اولی احتجہ

مگر مقتدایان قوم کو ضرور ہے کہ اپنے بزرگوں کے بزرگ کی تعظیم کی ہدایت کیا کریں۔

**م ک**۔ ابو عصمہ سعد بن معاذ کے روبرو ذکر آیا کہ ایک قوم ایسی بھی ہے کہ وہ ابن مبارک کو ابو حنیفہ سے اعلم کہتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ مثل رافضیوں کے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کو اپنا امام قرار دیتے ہیں اور اُنہوں نے جنکو امام قرار دیا اُن کو امام نہیں سمجھتے۔ فی الحقیقت عبد اللہ ابن مبارک کا سا علم کسی کو ہو تو وہ امام صاحب کی قدر جانے۔ باوجودیکہ اُنہوں نے اکابر محدثین سے سرمایۂ حدیث وافی وکافی حاصل کیا تھا مگر جب امام صاحب کی خدمت میں پہونچے تو عمر بھر وہیں کے ہو رہے اور امام صاحب کی زندگی تک کہیں جانیکا قصد نہ کیا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ قرآن و

وحدیث کا لب لباب سوائے امام صاحب کے اور کہیں حاصل نہیں ہو سکتا تھا اسی لب لباب یعنی فقہ کو حاصل کرنے کی غرض اور استخراج مسائل کا طریقہ معلوم کرنے کی غرض سے دور و دراز مسافتیں طے کر کے محدثین امام صاحب کے حلقہ میں آتے تھے۔

اب ہم امام صاحب کے اجتہاد کا تھوڑا سا حال بیان کرتے ہیں اُمید ہے کہ اہل انصاف اُس کو قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

خ۔ عبداللہ بن مبارک رح کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رح اس حدیث کو قبول کرتے تھے جس کی صحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔ اور ناسخ و منسوخ کی معرفت اُن کو بخوبی حاصل تھی۔ احادیث ثقات کے ہمیشہ طالب رہا کرتے تھے جن امور میں علمائے کوفہ کا عملدرآمد مطابق حق پاتے اُس کی پیروی کرتے۔ باوجود اسکے لوگ اُن کو برا بھلا کہتے ہیں تو ہم سکوت کر کے اُس سے استغفار کرتے ہیں۔"

یہ امیر المومنین فی الحدیث کا حال ہے کہ امام صاحب کے مخالفوں کی ظلم و زیادتی سے کیسی مظلومی ظاہر کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم سب سُنکر سکوت کرتے ہیں۔ اگرچہ اس موقع میں سکوت بھی ایک اعلیٰ درجہ کا جواب ہے بمصداق "جواب جاہلاں باشد خموشی" مگر چونکہ اُس میں اظہار حق نہیں ہوتا اسلئے اسکو برا بلکہ گناہ سمجھتے اور اُس سے استغفار کیا کرتے۔

م ت ا خ۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ رح فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بسر و چشم ہمیں قبول ہے اور صحابہ کے

اقوال کسی مسئلہ میں مختلف وارد ہوں تو ہم کسی ایک کو اختیار کرتے ہیں لیکن اُنسے خارج نہیں ہوتے البتہ تابعین کے اقوال کی مزاحمت کرتے ہیں یعنی جس طرح اُنہوں نے اجتہاد کیا ہم بھی کرتے ہیں۔

**م ص ک** ۔ امام ابو یوسف رح کہتے ہیں کہ جب کوئی واقعہ پیش ہوتا تو امام صاحب ہم لوگوں سے پوچھتے کہ کوئی اثر تمہارے نزدیک ہے پھر اگر کوئی اثر یعنی قول صحابی ہمارے یا اُن کے پاس ہوتا تو اسکو قبول کرتے اور اگر آثار مختلف ہوتے تو اکثر کو لیتے اور جو کوئی اثر نہ ملتا تو قیاس کرتے اور قیاس بھی متعسر ہوتا تو استحسان پر حکم کرتے۔

یہاں یہ خیال نہ کیا جاے کہ امام صاحب کو اِس پوچھنے سے استفادہ مقصود ہوتا تھا اور خود وہ آثار و احادیث کو نہیں جانتے تھے جیسا کہ اِس زمانہ کے بعضے مولوی خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو جوق جوق محدثین دور دور سے کیوں آتے خیال کر لیتے کہ ایسے شخص کے پاس جانے سے کیا فائدہ جو ہر ایک مسئلہ میں اپنے شاگردوں کا محتاج ہے۔ بلکہ شاگرد لوگ خود کہدیتے کہ حضرت آپ تو ہر واقعہ میں اُلٹے ہم ہی سے پوچھتے ہو پھر آپ کی استادی کس مصرف کی غرضکہ اس سوال سے مقصود دوسرا تھا جس میں کئی امور اس میں ملحوظ ہیں ایک یہ کہ ہر شخص کا حال معلوم ہو کہ احادیث کتنے اسکو یاد ہیں اور کن آثار سے اُس واقعہ کا حکم وہ ثابت کرتے ہیں۔ دوسرے طلبہ کی حوصلہ افزائی کہ ہر شخص کو اپنے ذخیرہ معلومات میں غور کرکے واقعہ سے متعلق

احادیث و آثار پیش کرنیکی طرف توجہ ہو۔ اور مواقع استدلال کو عمدگی سے بیان کرسکیں جس سے ملکہ اجتہاد پیدا ہو۔ تیسرے تلاحق افکار سے ایسا سرمایہ پیش ہوجاے کہ حضار حلقہ کو اس مسئلہ میں بصیرت تام حاصل ہوجاے۔ یہی وجہ تھی کہ اعمش رحمہ جب کوئی شخص فتویٰ پوچھتا تو فرماتے کہ ابوحنیفہ کے حلقہ میں جاؤ وہاں جو مسئلہ پیش ہوتا ہے وہ انکی باہمی مباحثوں سے نہایت روشن ہوجاتا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا چوتھے یہ پوچھنا بعینہ ایسا تھا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تھا کہ رطب سوکھ کر کیا کم ہوجاتی ہے حالانکہ حضرت اُسکو جانتے تھے مگر مقصود یہ تھا کہ صحابہ ہی کی زبان سے حکم کہلادیا جاے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔

**کخ**۔ حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ امام صاحب فرمایا کرتے تھے جب نص قرآنی یا حدیث یا اجماع کسی مسئلہ میں موجود ہو تو کسی کو حق نہیں کہ اپنی راے سے کوئی بات کہے ہاں جب صحابہ کا اختلاف کسی بات میں ہوتا ہے تو ہم وہ قول اختیار کرتے ہیں جو کتاب یا سنت کے قریب ہو اور جو اس سے متجاوز نہو ہم اس میں اجتہاد کرتے ہیں۔ کیونکہ فقہا کیلیے توسیع کی گئی کہ اجتہاد کریں بشرطیکہ اختلاف کو جان لیں اور عمدگی سے قیاس کریں۔ سلف صالح کا یہی طریقہ رہا ہے۔

**م**۔ ابوحمزہ سکری کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ رح سے سنا ہے کہ کسی مسئلہ میں کوئی حدیث وارد ہو تو ہم اُسکے مقابلہ میں کسی دوسرے کی بات نہیں مانتے

اور اُس کو قبول کر لیتے ہیں اور صحابہ سے مختلف اقوال وارد ہوں تو کسی ایک کو اختیار کرتے ہیں۔

ک۔ عبدالکریم بن ہلال کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے سُنا ہے کہ جو حکم خدا اور رسول کا ہمیں پہونچتا ہے ہم اُس سے تجاوز نہیں کرتے۔ اور جس بات میں صحابہ کا اختلاف ہو تو ہم کسی ایک قول کو اختیار کرتے ہیں اور اُن کے سوا کسی کا قول مناسب ہو تو لے لیتے ہیں ورنہ ترک کر دیتے ہیں۔

م ک امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ ایکبار اعمش رح سے مجھے ملاقات ہوئی اُنہوں نے فرمایا تمہارے استاد نے ابن مسعود رح کی مخالفت کی۔ اِسلیئے کہ لونڈی کی بیع کو طلاق نہیں قرار دیا۔ حالانکہ ابن مسعود رض اُس بیع کو طلاق قرار دیتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت آپ ہی سے ہمیں روایت پہونچی ہے کہ وہ بیع طلاق نہیں ہو سکتی ہے فرمایا کس طرح؟ میں نے کہا آپ کی روایت ہے۔ عن ابراہیم عن الاسود عن عائشہ رضی اللہ عنہا انہ علیہ السلام خیر بریرۃ رض بعد ما اشترتہا عائشہ یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب میں نے بریرہ کو خریدا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو اختیار دیا کہ چاہے اپنے شوہر کے نکاح میں رہے چاہے چھوڑ دے۔" فرمایئے اگر لونڈی کی بیع طلاق ہوتی تو اختیار دینے سے کیا فائدہ۔ فرمایا کیا یہ حدیث اسی باب میں ہے میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا ابو حنیفہ کو مواقع علم خوب احساس ہے اور خوب سمجھتے ہیں پھر فرمایا

تم لوگ جادو کرتے ہو اور اس جملہ کو مکرر فرمایا" ابن مسعود رضؓ ہر چند صحابی اور امام صاحب کے اساتذہ کے سلسلہ میں ہیں مگر حدیث مرفوع کیوجہ سے اُنکے قول پر عمل نہیں کیا۔ دیکھئے اس حدیث میں صرف خیار مذکور ہے طلاق کا نام بھی نہیں مگر مسئلہ طلاق جو اسوقت مختلف فیہ تھا اُس میں امام صاحب نے اس حدیث سے استدلال کیا اور باوجود اس حدیث کی شہرت کے محدثین کا ذہن اودہر منتقل نہوا اسی وجہ سے اعمش رحہ نے سوال فرمایا" کیا وہ اسی باب میں ہے" محدثین اسی باتیں امام صاحب کے محتاج تھے کہ مواقع استدلال خوب جانتے ہیں کہ کس موقع سے کونسی بات پیدا کی جاتی ہے۔

م ابن مبارک رحہ کہتے ہیں کہ محمد بن واسع جب خراسان گئے تو قبیصہ بن ذویب نے کہا کہ تمہارے یہاں صاحب دعوت آئے ہیں یہ سُنکر بہت سے لوگ اُنکے یہاں گئے اور مسائل فقہیہ اُن سے پوچھنے لگے کہا فقہ ایک جوان کی صناعت ہے جو کوفہ میں ہے جسکی کنیت ابوحنیفہ ہے لوگوں نے کہا وہ حدیث نہیں جانتے ابن مبارک نے کہا تم یہ کس طرح کہتے ہو ایک بار کا اتفاق ہے کہ بیع الرطب بالتمر کا مسئلہ کسی نے اُنسے پوچھا اُنہوں نے کہا مضائقہ نہیں محدثین نے کہا حدیث سعید کو کیا کروگے کہا وہ حدیث شاذ ہے کیونکہ زید بن عیاش کی روایت نہیں لیجاتی ابن مبارک کہتے ہیں جو شخص ایسی بات کہے کیا ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث نہ جانتا ہو۔

کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ احمد بن یونس کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ صحیح حدیثوں کی اتباع میں نہایت اہتمام کیا کرتے تھے۔

م ک فضیل بن عیاض رحمہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ کی عادت تھی کہ جو صحیح حدیث کسی مسئلہ میں ہوتی اُس کی اتباع کرتے۔

وہب رحمہ کہتے ہیں کہ عبدالعزیز بن رزمہ امام صاحب کی حدیث دانی کا حال بیان کرتے تھے ایک بار اثنائے بیان میں کہا کہ ایک بار کوفہ میں ایک محدث آئے جن کی شہرت ہوئی امام صاحب نے اہل حلقہ سے فرمایا کہ خبر لو کوئی حدیث اُن کے یہاں ایسی بھی ہے جو ہمارے یہاں نہیں ہے۔ پھر ایک بار اور دوسرے ایک محدث آئے اُس وقت بھی ایسا ہی فرمایا،، دیکھئے باوجودیکہ امام صاحب کو اتنی حدیثیں یاد تھیں کہ اُس زمانہ میں اُن کا مثل نہ تھا جیسا کہ متعدد شہادتوں سے ثابت ہے اور اہل حلقہ تمام محدث تھے مگر اِس خیال سے کہ شاید کوئی حدیث نئی مل جائے ہمیشہ حدیثوں کی تلاش جاری تھی۔ کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ کسی نے عبداللہ بن مبارک سے کہا کہ حدیث میں جو وارد ہے (اصحاب الرائے اعداء السنۃ) اس سے مراد ابوحنیفہ ہیں کہا سبحان اللہ ابوحنیفہ کی تو نہایت درجہ کی یہ کوشش تھی کہ عمل مطابق سنت ہو۔ چنانچہ کسی مسئلہ میں وہ سنت سے علیحدہ نہیں ہوتے تھے۔ وہ اعدائے سنت میں کیونکر ہو سکتے اس حدیث سے مراد اہل ہوا اور جھگڑالو لوگ ہیں جو کتاب اور سنت کو چھوڑ کر اپنی خواہشوں کی پیروی کیا کرتے ہیں۔ دیکھئے کیسے جلیل القدر امام المحدثین کی

گواہی سے ثابت ہے کہ امام صاحب کسی مسئلہ میں سنت سے علٰحدہ نہیں ہوتے
تھے۔
اصول بزدوی میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہ کے نزدیک سنت کو یہ قوت حاصل ہے
کہ اُس سے کتاب یعنی قرآن کے نسخ کو جائز رکھتے ہیں اور حدیث اگرچہ
مرسل ہو اُسپر بھی عمل کرتے ہیں۔ اور روایت مجہول کو بھی قیاس پر مقدم
رکھتے ہیں۔ اور قیاس کو صحابہ کے قول پر مقدم نہیں کرتے۔ اس خیال
سے کہ شاید اُنہوں نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلم سے وہ بات سُنی ہو۔
**خ** ۔ ابن حزم کا قول ہے کہ اصحاب ابو حنیفہ اس بات پر متفق ہیں کہ ابو حنیفہ کے
نزدیک ضعیف حدیث بھی قیاس پر مقدم ہے۔
**ک** زفر رح کہتے ہیں کہ مخالفوں کے کلام پر ہرگز التفات نہ کرو امام صاحب نے
جو کچھ کہا کتاب اور سنت یا اقوال صحابہ سے کہا اسکے بعد انہی پر قیاس کیا۔
**ک م ص** اور کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ یحیٰی بن آدم کہتے ہیں کہ احادیث
بھی مثل آیات قرآنیہ کے ناسخ و منسوخ ہیں اور نعمان رح یعنی امام صاحب نے تمام
احادیث میں غور کر کے اُن احادیث کو جمع کر لیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی آخر عمر میں صادر ہوے ہیں اور انہی کے مطابق فتویٰ دیا۔ اس روایت
میں اختلاف ہے۔ بعضے کتابوں میں ہے کہ کوفہ میں جو ناسخ و منسوخ پہونچیں
اُن کو امام صاحب نے محفوظ کر لیا تھا۔ اگرچہ تسلیم بھی کر لیا جاے تو کوفہ خود
مرکز علم بنا ہوا تھا جس کا حال اوپر معلوم ہوا مگر چونکہ امام صاحب نے چار ہزار
شیوخ سے حدیث لی ہے اس لحاظ سے وہی روایت مقدم ہوگی جسپر

عموم ہے۔

م ص حسن بن صالح کہتے ہیں کہ امام صاحب احادیث میں ناسخ ومنسوخ کی تفحص کیا کرتے اور اس حدیث پر عمل کرتے جو اُنکے نزدیک ثابت ہوتی خواہ وہ حدیث مرفوع ہو یا صحابہ کا قول ہو۔ اور فرمایا کرتے کہ قرآن کی طرح احادیث میں بھی ناسخ ومنسوخ ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اواخر افعال اُن کو خوب یاد تھے جو اُن کے شہر میں پہونچے تھے۔

مختصر کتاب النصیحہ لاہل الحدیث مولفہ خطیب بغدادی میں لکھا ہے کہ ابو نعیم کہتے ہیں کہ جب کبھی زفر رح پر میرا گذر ہوتا تو وہ کہتے کہ آؤ کہ تمہاری حدیثوں کو چھانیں۔ چنانچہ اپنی مرویات کو پیش کیا کرتا اور وہ فرماتے کہ یہ حدیث لینے کے قابل ہے اور یہ نہیں اور یہ ناسخ ہے اور یہ منسوخ۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب کے حلقہ میں تمام حدیثیں چھنی ہوئی تھیں کہ فلاں ناسخ اور فلاں منسوخ وغیرہ۔

ک۔ ابراہیم بن سلیمان زیات کہتے ہیں کہ اسرائیل کے روبرو امام صاحب کا ذکر آیا انہوں نے کہا کہ اس زمانہ کے لوگ جن امور کی طرف محتاج ہیں اُنکو وہ سب سے زیادہ جانتے ہیں " یہ بات ظاہر ہے کہ لوگ ائمہ اُنہی احکام کی طرف محتاج تھے جو صحیح صحیح احادیث وآثار سے ثابت ہوں۔ اسرائیل رح کی شہادت سے ثابت ہے کہ امام صاحب اون احکام کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ کردری رح نے لکھا ہے کہ یہ اسرائیل ابن یونس کوفی ہیں جو حفظ اور ضبط اور اتقان میں باعث فخر اہل کوفہ تھے

ک۔ حفص بن غیاث کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے اُن کی کتابیں اور آثار سُنے اُنسے زیادہ ذکی اور اُن آثار کو زیادہ جاننے والا نہیں دیکھا جو مُفید اور احکام میں صحیح ہوں۔

م ص ک۔ زرنجری رح کہتے ہیں کہ امام صاحب کی زیادہ کوشش یہ تھی کہ صدیق اکبر کے اقوال پر عمل ہو چنانچہ تمام افعال و خصال میں عموماً آپ کی اتباع کیا کرتے تھے جس طرح صدیق اکبر رض علم فقہ۔ تقویٰ۔ ورع۔ عبادت۔ زہد۔ سخاوت اور جود میں سب صحابہ سے بڑے ہوے تھے اسیطرح امام صاحب ان تمام صفات میں اپنے اقران میں ممتاز تھے یہاں تک کہ صدیق اکبر رض کی دوکان مکہ معظمہ میں بزازی کی تھی امام صاحب نے بھی بزازی ہی کی دوکان لگائی انتہیٰ۔

ان اُمور کے علاوہ اور بہت باتوں میں اتباع و تتبع کتب سے ثابت ہے مثلاً صدیق اکبر رض باوجود کثرت معلومات کے حدیث کی روایت بہت کم کرتے تھے امام صاحب کا بھی یہی حال رہا۔ یہاں تک کہ مخالفوں کو یہ کہنے کا موقع ملگیا کہ وہ حدیث جانتے ہی نہ تھے جس طرح صدیق اکبر رض صحابہ سے اُس باب میں استفسار فرماتے اسیطرح امام صاحب بھی ہر واقعہ میں اپنے اصحاب سے استفسار فرماتے جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ اور جسطرح صدیق اکبر رض نے قرآن کو جمع کرکے محفوظ کر دیا جیسا کہ کتب احادیث میں مصرح ہے۔

اسیطرح امام صاحب نے فقہ میں احادیث کو محفوظ کر دیا۔ جسکا اعتراف

خود محدثین کو ہے۔ اور جس طرح صدیق اکبر رضؓ نے اپنی رائے اور قیاس سے مانعین زکوٰۃ کے قتل کا فتویٰ دیا اور باوجود صحیح حدیث پیش ہونیکے اپنی رائے اور قیاس پر اڑے رہے اور صحابہ کی ایک نہ مانی۔ اسیطرح امام صاحب نے بھی باوجود مخالفت اہل حدیث کے کسی کی نہ مانی۔ اور بحسب ضرورت اپنی رائے سے قیاس کرتے رہے پھر جسطرح اہل انصاف نے صدیق اکبر رضؓ کی رائے کو مان لیا۔ اسیطرح امام صاحب کی رائے کو بھی مان لیا۔ غرضکہ امام صاحب کو صدیق اکبر رضؓ کے ساتھ ایک خاص طور کی مناسبت معنوی تھی اسی مناسبت نے یہ اثر دکھایا کہ جسطرح وہ صدیقوں میں صدیق اکبر رضؓ کہلائے۔ امام صاحب اماموں میں امام اعظم کہلائے جس لقب کو خود محدثین نے تسلیم کرلیا ہے ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

م ص خ ابو غسان کہتے ہیں کہ میں نے اسرائیل سے سنا ہے کہ نعمان بہت اچھے شخص تھے ان کو وہ حدیثیں جن سے فقہی مسائل نکلتے ہیں کس قدر یاد تھیں اور کس قدر ان کی تفحص اور تلاش میں رہا کرتے تھے انتہی۔ یہی روایت رد المحتار میں بھی ہے امام صاحب کو احادیث فقہیہ اس قدر یاد تھیں کہ اسرائیل رح جیسے شخص کو کمال درجہ کا تعجب تھا چنانچہ ان کی اس عبارت سے ظاہر ہے کان نعم الرجل نعمان ما کان احفظہ لکل حدیث فیہ فقہ واشد فحصہ عنہ۔ اسرائیل وہ شخص ہیں کہ امام احمد رح جیسے سید الحفاظ انکے حافظہ پر تعجب کرتے ہیں۔

حالانکہ امام ممدوح رح کو سات لاکھ سے زیادہ صحیح حدیثیں یاد تھیں دیکھئے

تہذیب التہذیب میں ہے عن ابن حنبل کان (اسرائیل یونس) شیخا ثقۃ وجعل تعجب من حفظہ۔ اب غور کیجئے کہ جن کے حافظہ پر امام احمد رح جیسے حافظہ والے شخص تعجب کرتے ہیں جب وہ امام صاحب کے حفظ احادیث فقہ پر تعجب کرتے ہوں تو کس قدر احادیث فقہیہ امام صاحب کو یاد ہو نگے اس کے بعد بھی زمانہ کے مولویوں کا بھی قول سن لیجئے وہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کو کل سترہ حدیثیں یاد تھیں ہمیں اس کی شکایت نہیں کیونکہ مخالفت میں ایسی باتیں ہوا ہی کرتی ہیں مگر حیرت اس پر ہے کہ امام صاحب کی شاگردی کا جن اکابر محدثین کو اعتراف ہے اور خود محدثین ان کو شاگرد لکھتے آئے ان میں کوئی امیر المومنین فی الحدیث ہیں اور کوئی شیخ الاسلام اور حافظ وغیرہ وغیرہ جنکا حال اوپر معلوم ہوا ایسے جلیل القدر محدثین کو ان صاحبوں نے کیا سمجھ لیا ہے۔ ہمارے مشاہدے سے تو ثابت ہے کہ کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا پاگل طالب علم ہو ایسے شخص کی شاگردی کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتا جس کا کل سرمایہ علم سترہ حدیثیں ہو کوئی عقلمند ان حضرات پر یہ الزام ہرگز نہیں لگا سکتا خصوصاً وہ جو ان کو مقتدا بھی سمجھتا ہو۔

م یحیٰی ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ایک محدث نے مجھسے کہا کہ میں نے ابو حنیفہ سے پانسو مسئلے پوچھے سب میں انہوں نے فتویٰ دیا اُسکے بعد سفیان ثوری سے پوچھا انہوں نے ہر مسئلہ پر ایک حدیث پڑھدی" مطلب یہ کہ کوئی جواب امام صاحب کا خلاف حدیث نہ تھا۔ صرف حدیث پڑھکر

نہیں سناتے تھے مگر جو حکم بیان کرتے مطابق حدیث ہوتا. کیوں نہ ہو وہ تو
قرآن و حدیث ہی کا خلاصہ ہوتا تھا پھر مخالف کیونکر ہو سکے. سفیان ثوری رح
جیسے متبحر ہوں تو ہر مسئلہ پر ایک حدیث پڑھ دیں - لاکھوں حدیثوں میں سے
چند حدیثیں کوئی شخص پڑھ لے وہ بھی ناظرہ تو کل مسائل فقہیہ کا ماخذ اُسکو
کیونکر معلوم ہو سکے - اسی وجہ سے ہمارے عنایت فرما حضرات غیر مقلدین
فقہ پر بہت خفا ہیں اور مقتضای طبیعت بھی بمصداق الانسان عدو ما جھل
یہی ہے مگر حسن ظن سے اگر کام لیں تو یہ عداوت جاتی رہے - ہم یہ بھی نہیں کہتے
کہ امام صاحب پر حسن ظن کریں - بلکہ ہماری درخواست یہ ہے کہ اپنے ہی
مقتدا محدثین پر حسن ظن کریں تو رفع خصومت کے لئے کافی ہے -

**م ص ک** اسد بن عمرو کہتے ہیں کہ امام صاحب کہا کرتے تھے کہ جب
میں کوئی بات تم سے ایسی کہوں کہ صحابہ سے اُس میں کوئی روایت نہ ہو
تو تلاش کرتے رہو یہاں تک کہ کوئی اثر اور روایت مل جاوے - ایک روز
فرمایا کہ اگر مرد اپنی عورت سے کہے کہ میں تین مہینے تجھسے قربت نہ کرونگا
تو اُس سے ایلا ثابت نہ ہوگا اور کوئی اثر اس میں بیان نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ
اس مسئلہ میں اثر تلاش کرو - ایک مدت کے بعد سعید بن عروبہ جو اُس زمانہ
میں علم اختلاف میں سب سے بڑے ہوے تھے آئے ہم نے اُنسے
دریافت کیا اُنہوں نے کہا کہ ابن عباس رض کا قول ہے کہ "اگر کوئی شخص
قسم کھاوے کہ میں تین مہینے اپنی عورت سے قربت نہ کرونگا اُس سے
ایلا نہیں ہوتا" ہم نے یہ سنکر امام صاحب کو خوشخبری دی کہ جو آپنے کہا تھا

اثر ابن عباسؓ سے بھی وہی ثابت ہے مگر یہ فرمائے کہ کس دلیل سے وہ آپ نے کہا تھا۔ فرمایا اس آیۂ شریفہ سے للذین یولون من نسائھم تربص اربعۃ اشہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی مسئلہ میں امام صاحب اپنا استدلال بیان نہیں کرتے تھے مگر کوئی آیت یا حدیث ضرور آپکے پیش نظر رہا کرتی تھی۔

**م ص ک** عمرو بن ہارون کہتے ہیں کہ میں نے ابن جریج رحؒ سے سنا ہے کہ ابوحنیفہ رحؒ نے کوئی فتویٰ بغیر اصل محکم کے نہیں دیا اگر ہم چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں انہوں نے یہی لحاظ رکھا" انتہیٰ۔ دیکھئے ابن جریج رحؒ کس اطمینان سے فرما رہے ہیں کہ تمام فتوے یعنی مسائل فقہ کسی نہ کسی اصل محکم سے متعلق ہیں۔ ابن جریج کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ تھذیب التھذیب سے ظاہر ہے کہ وہ مصنفین میں پہلے شخص ہیں انکی سی تدوین علم کسی نے نہیں کی وہ محدث اور فقیہ اعلیٰ درجہ کے تھے اکابر محدثین بکثرت ان کے شاگرد ہیں" کیا ایسے شیخ الشیوخ کا اس بات پر اطمینان کہ فقہ ایک مستند چیز ہے ہمارے لئے کافی نہیں۔

**م**۔ عبداللہ بن مبارک رحؒ کہتے ہیں کہ میں بہت سارے شہروں میں بڑے بڑے علماء نامی وگرامی کے یہاں گیا مگر جب تک ابوحنیفہ رحؒ سے ملاقات نہ ہوئی اصول حلال وحرام مجھے معلوم نہ ہوئے"۔ دیکھئے ابن مبارک رحؒ نے کیسے کیسے نامی وگرامی کی شاگردی کی۔ مگر کسی نے حلال وحرام کے اصول نہ بتلائے اور خود ان کو کتنی حدیثیں یاد تھیں کہ امیرالمومنین

فی الحدیث کہلاتے تھے باوجود اس کے نہ اُن کے اساتذہ سے ہوسکا نہ اُنسے کہ اصول حلال وحرام کو مشخص کریں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اصول حلال وحرام سے آئمہ محدثین ناواقف تھے۔ اور یہ کام ایسا مشکل تھا کہ باوجود ضرورت کے کسی کی ہمت اُس طرف مبذول نہ ہوئی اور امام صاحب نے اُس کو اپنے ذمہ لیا۔ اور نہایت عمدگی سے انجام دیا۔ شاید یہاں یہ کہا جائیگا کہ اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب نے یہ بدعت ایجاد کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بدعت بھی ہے تو بدعت حسنہ ہے جس کی فضیلت حدیث شریف من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرہ من عمل بہ سے ثابت ہے اور ایسی قابل قدر ہے کہ امیر المومنین فی الحدیث اس کی شکر گذاری میں رطب اللسان ہیں۔ اور اکابر محدثین نے امام صاحب کی اس منت کا اعتراف کیا ہے۔

غرضکہ اکابر محدثین کی شہادتوں سے ثابت ہے کہ امام صاحب نے جب فقہ کی بنیاد ڈالی اُس وقت آپ کا ذاتی سرمایۂ حدیث اس قدر تھا کہ کوئی محدث آپ کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا اور علم ناسخ ومنسوخ وغیرہ لوازم اجتہاد میں بینظیر سمجھے جاتے تھے۔ پھر صدہا محدثین جو ہر ملک و دیار سے سرمایۂ حدیث فراہم کرکے لاتے اور وقتاً فوقتاً بحسب ضرورت پیش کرتے وہ علاوہ اُس کے تھا۔

تمت

قطعہ تاریخ از خواجہ غلام غوث صاحب بغدادی خلف خواجہ محمد مخدوم صاحب

عشق تصنیف کرد استادم | چون پئے اہل دین کتاب نکو
چشم بد دور سال تاریخش | بیخ زاں بوستان علم بگو

۱۳۲۷ھ

ولہ

حقیقت فقہ کی روشن ہوئی جب اسکا ہے | بڑی انوار سے اسکے جو بزم فقہ کی رونق
لکھی تاریخ اسکی عشق نے برجستہ و موزوں | حقیقت فقہ کی لکھی کلام حق بسند حق

۱۳۲۷ھ

# غلطنامہ حقیقۃ الفقہ حصہ اوّل

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|
| ۳ | ۹ | وادعو | وادعوا |
| ۷ | ۱۹ | ان لکل شی وعامۃ | ان لکل شئ دعامۃ و |
| ۰ | ۰ | ہذا الدین الفقہ | دعامۃ ہذا الدین الفقہ |
| ۱۱ | ۱۹ | ربعہ | ربوا |
| ۴۵ | ۱۳ | واکن | ولکن |
| ۷۱ | ۱۸ | موقوع | وقوع |
| ۷۴ | ۷ | مخافلین | مخالفین |
| ۸۶ | ۱ | نتہا | سنتا |
| ۸۸ | ۱۲ | محتیتین | محتثین |
| ۹۵ | ۱۸ | مسلمانوںسے ہوعلیحدہ | مسلمانوںسے علیحدہ |
| ۰ | ۰ | ہونے والے کو | ہونیوالے کو |
| ۱۱۰ | ۸ | ہوا | ہو |
| ۱۱۶ | ۱ | لم تحلو | لم تحلوا |
| ۱۲۳ | ۵ | میلمۃ | مسیلمۃ |
| ۱۴۷ | ۱۹ | وحیم | دحیم |
| ۱۵۱ | ۸ | از | إذ |
| ۱۷۸ | ۱۳ | علی اللہ وجہ | علی کرم اللہ وجہہ |
| ۱۸۵ | ۱۲ | القاطی | التعاطی |
| ۱۸۸ | ۱۶ | اعتہاد | اجتہاد |
| ۱۹۸ | ۱۱ | خالدرنے | خالدنے |
| ۲۰۸ | ۱ | وہ لی این | وہ علی ابن مدینی |
| ۲۱۸ | ۱ | اسحق کو | اسحق کوسیج |
| ۲۳۱ | ۱۸ | ابغداد | البغداد |
| ۲۶۷ | ۱۷ | واقع | دافع |
| ۲۹۸ | ۴ | محصلتون | مصلحتون |
| ۳۱۴ | ۱۵ | پراغبیا | اغبیاپر |
| ۳۲۱ | ″ | ہي | یہی |